وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ يُصَلُّونَ (الحدیث)

حیاتِ اَنبیاءِ کِرام علیہم السلام

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات بعد الوفات، سماع، استشفاع
مسئلہ عذاب قبر کے اثبات پر ایک بے نظیر محققانہ مدلل و نفیس کتاب

مؤلف:
حضرت مولانا مفتی سید عبد الشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ
بانی مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا

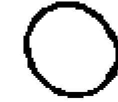
For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون

الحدیث

حیات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات بعد الوفات
سماع، استشفاع بمسئلہ عذاب قبر، کے اثبات پر
ایک بے نظیر محققانہ، مدلل و نفیس کتاب۔



مؤلفہ
حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی مدظلہم
خلیفہ مجاز حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی و حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
مہتمم، بانی، مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا

ناشر
المکتبۃ الاشرفیۃ ○ جامعہ اشرفیہ
فیروز پور روڈ ○ لاہور ۱۶

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلی فہرست

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفے چند)

حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش: ۲۸ رفروری ۱۹۲۳ء

وفات: یکم رجنوری ۲۰۰۱ء

مولانا سید عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا سید عبدالکریم گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں انڈیا میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند سے دورہ حدیث شریف، پاکستان بننے کے بعد ساہیوال ضلع سرگودھا تشریف لائے۔ جامعہ حقانیہ قائم کیا۔ حضرت مفتی محمد شفیع کراچوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ بہت ہی قابل فخر، ثقہ عالم دین تھے۔ آپ نے جمادی الاوّل ۱۳۹۴ھ میں ''حیات انبیاء کرام علیہم السلام'' کے نام سے کتاب تحریر فرمائی۔ اب اس کی ترتیب وتہذیب آپ کے صاحبزادہ مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی نے فرمائی ہے۔ انہی کی کمپوزنگ بغیر پڑھے ہم اس مجموعہ میں شامل اشاعت کررہے ہیں۔ (ناشر)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رائے گرامی

حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی قدس سرہ

محسن بندہ اطال اللہ بقاءہ و متعنا بہ آمین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کتاب ''حیات الانبیاء علیہم السلام'' وصول ہوئی، نصف سے زائد مطالعہ بھی کر لی۔ بہت معلومات افزا اور ایمان کو تازہ کرنے والی کتاب ہے، سوائے معاند کے اس کے مطالعہ کے بعد کوئی بھی اس عقیدہ کو اپنائے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اللہ تعالیٰ آپ کی محنت کو قبول فرمائے، امت مسلمہ پہ بہت بڑا علمی احسان ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت کے ساتھ تا دیر سلامت رکھے تا کہ آپ کے وجود سے زیادہ سے زیادہ دینی فائدہ مسلمانوں کو پہنچے، اپنے لیے دعا کی درخواست کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ عقائد صحیحہ حقہ اختیار کرنے کی توفیق دے اور علماء دیوبند کی عقیدت و محبت پہ قائم رکھے، فقط!

والسلام

عبدالمجید ...... ۲۵ / محرم الحرام ۱۴۰۸ھ

***

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب ''حیاتِ انبیاء کرام علیہم السلام''

پیش نظر کتاب مستطاب ''حیاتِ انبیاء کرام کرام علیہم السلام'' حضرت والد ماجد فقیہ العصر یادگار سلف مولانا الحاج القاری المقری المفتی السید عبدالشکور الترمذی رحمہ اللہ (جانشین و فرزند گرامی فقیہ وقت حضرت الحاج مولانا المفتی عبدالکریم ترمذی گمتھلوی رحمہ اللہ سابق مفتی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون و بانی جامعہ حقانیہ شاہ آباد ضلع کرنال) کی تصنیف لطیف ہے، جو آپ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی حیاتِ برزخیہ دنیویہ کے اثبات اور سماع صلاۃ وسلام عند القبر الشریف، استشفاع من قبر النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم، نیز عقیدۂ عذابِ قبر و سماع موتی وغیرہ مسائل پر تحریر فرمائی ہے۔

حیات الانبیاء علیہم السلام کے موضوع پر اگرچہ پہلے بھی متعدد مفید کتب و رسائل موجود ہیں، اور یہ مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں، شروع ہی سے اہل السنۃ والجماعۃ اس کے قائل رہے ہیں بلکہ قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد جب ایک گروہ نے اس کا انکار کیا تو اہل السنۃ نے اس کی برملا تردید کی، چنانچہ امام اہل السنۃ حضرت امام ابوالقاسم قشیری رحمہ اللہ نے اس موضوع پر مستقل مقالہ تحریر فرما کر منکرین حیات النبی علیہ السلام کا رد فرمایا، آپ کے بعد حضرت علامہ بیہقی رحمہ اللہ نے بھی اس پر ''انباء الاذکیاء'' کے نام سے رسالہ تحریر فرمایا۔

اہل التشیع کا قدیم اعتراض کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ کے بعد آپ کے ترکہ میں وراثت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جاری نہیں ہوئی، اور یہ کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدۃ نساء اہل الجنۃ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے مطالبہ وراثت کے باوجود انہیں باغ فدک نہیں دیا گیا، اس کے جواب میں حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے "ہدیۃ الشیعہ" اور مسئلہ حیات پر "آبِ حیات" کے نام سے مستقل کتاب تحریر فرمائی جس میں اس مسئلہ کو بما لا مزید علیہ تحریر فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بعد الوفات کو ثابت فرمایا اور منکرین حیات اور اہل التشیع کا رد فرمایا۔

۱۳۲۴ھ میں بریلوی مکتب فکر کے سربراہ مولانا احمد رضا خان بریلوی نے علماء دیوبند کی عبارات کو قطع برید کر کے اور انہیں سیاق وسباق سے ہٹا کر جب علماء حرمین شریفین سے ان پر "حسام الحرمین" کے نام سے کفر کا فتویٰ لکھوایا، تو اصل صورت حال کی وضاحت کے لیے ان حضرات نے علماء دیوبند سے ان کے عقائد کے متعلق استفسار کیا اس میں ایک سوال عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی تھا۔

جس کے جواب میں رئیس المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہ نے واضح طور پر اس بارہ میں اپنا عقیدہ تحریر فرمایا جو ان کی عقائدی کتاب "المہند علی المفند" میں موجود ہے۔

اس پر اس وقت کے تمام اکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ نے دستخط فرمائے اور اپنے عقائد لکھ کر حجاز کے علماء کرام کو بھیجے اور ان حضرات نے اس کے بعد اپنے تکفیری فتویٰ سے رجوع کیا۔

اسی طرح اس عقیدہ کے متعلق جب بھی کسی نے حضرات اکابر علماء دیوبند سے سوال کیا تو انہوں نے اپنے جواب میں ہمیشہ وہی عقیدہ تحریر فرمایا جو ہمیشہ سے جمہور اہل السنۃ کا چلا آ رہا ہے اور ان کی کتبِ عقائد میں موجود ہے۔

تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں بھی ۱۹۵۸ء تک علماء دیوبند کے حوالہ سے اس عقیدہ میں کوئی ابہام نہ تھا کہ اہل علم کا ایک گروہ جو خود کو علماء دیوبند کی طرف منسوب کرتا تھا انہوں نے اس مسئلہ اور دیگر مسائل میں علماء دیوبند سے اختلاف یا صحیح معنیٰ میں خلاف کیا، حتیٰ کہ اس عقیدہ کو وہ عوام میں اور اسٹیج پر بھی لے آئے اور پھر مناظرہ کے چیلنج کا سلسلہ بھی چلا اور عوام الناس میں یہ مسئلہ حیات وممات کے نام سے مشہور ہوا، حتیٰ کہ قائلین حیات کو حیاتی اور منکرین کو مماتی اور پنج پیری کا لقب دے دیا گیا اور آج تک اسی لقب سے ان کو یاد کیا جاتا ہے، اگرچہ اس عقیدہ کا انکار کرنے والے عقیدہ کے اعتبار سے بدعتی اور معتزلہ کے ہمنوا تھے لیکن عوام نے انہیں مماتی کے عنوان سے معنون کر دیا اور اب وہ عوام میں اسی نام سے مشہور ہیں۔

نزاع کا یہ سلسلہ چار سال تک جاری رہا، تا آنکہ جب دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۶۲ء میں پاکستان تشریف لائے، آپ نے فریقین کی صلح کرائی اور درج ذیل متفقہ عبارت پر فریقین نے دستخط کر دیئے:

"وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو عالم برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور جو شخص قبر اطہر پر حاضر ہو کر سلام عرض کرتا ہے، آپ اس کے سلام کو سنتے ہیں"۔

(ماہنامہ تعلیم القرآن، راولپنڈی۔ اگست ۱۹۶۲ء)

اس صلح سے چار سالہ نزاع کا خاتمہ ہوا اور ملک بھر میں جاری بحران وقتی طور پر ختم ہوا۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام کی اہمیت

اکثر حضرات کہہ دیتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات فی القبر کا مسئلہ ایک فرعی مسئلہ ہے، یہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے کہ اس پر ایمان لائے بغیر انسان مسلمان نہیں ہوتا، اور نہ ہی ایسا ضروری عقیدہ ہے کہ قبر میں اس کے متعلق سوال کیا جائے گا، اس لیے اسے اتنی اہمیت نہیں دینی چاہئے کہ اس پر کتابیں لکھی جائیں اور دلائل سے اسے ثابت کیا جائے۔ اور جو اس عقیدہ کو نہ مانتا ہو اس کے پیچھے نماز کی کراہت کا فتویٰ جاری کر دیا جائے، اور اسے اہل السنۃ یا دیوبندیت سے ہی خارج کر دیا جائے۔ اس حوالہ سے جہاں تک اصولی بات ہے تو اپنی جگہ یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ عقیدہ اور مسئلہ بھی دیگر فروعی عقائد اور مسائل کی طرح ایک فرعی مسئلہ ہے، اسلام و ایمان کا اس پر مدار نہیں ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ قبر یا حشر میں اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا، لیکن سوچنے اور غور کرنے کی بات ہے کہ جن مسائل کا سوال قبر میں نہ ہوگا کیا انہیں سیکھنے اور ان کا علم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے، یا اس وجہ سے ان کی ضرورت اور اہمیت کم یا ختم ہو جاتی ہے؟

اگر یہ قانون اور قاعدہ صحیح ہو تو سوائے تین سوالات کے جو قبر میں کئے جائیں گے دین اسلام اور شریعت اسلامیہ کے تمام مسائل اور تعلیمات، عبادات، معاملات، اور معاشرت وغیرہ کی اہمیت اور ضرورت ختم ہو جاتی ہے، جبکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے، جبکہ صدہا ایسے مسائل ہیں جن کے فروعی ہونے کے یہ حضرات قائل ہیں اور اس کے باوجود دن رات ان میں منہمک ہیں تقریر و تحریر کے ذریعہ ان کی تبلیغ میں کوشاں ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان حضرات کا یہ کہنا کہ یہ فروعی مسئلہ ہے قبر میں اس کا سوال نہیں ہوگا "کلمۃ حق ارید بہا الباطل" کے قبیل سے ہے۔

کسی بھی مسئلہ کے فرعی ہونے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ اسے ذکر ہی نہ کیا جائے، یا ضرورت پڑنے پر اسے اہمیت ہی نہ دی جائے، خاص طور پر جب کہ وہ مسئلہ فرعی ہونے کے باوجود خاص اہمیت کا حامل بھی ہو۔

چنانچہ حضرت والد ماجد قدس سرہ اس بارہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"دوسرے یہ کہ بعض مسائل اگرچہ اپنی اصل کے اعتبار سے فروعی ہوتے ہیں مگر ان کے ذریعہ چونکہ اہل سنت کو دوسرے بدعتی فرقوں سے امتیاز حاصل ہوتا ہے اس اعتبار سے وہ دوسرے فروعات کی بہ نسبت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، اسی لئے علم کلام کی کتابوں میں بھی علماء کلام ایسے مسائل کو اصولی مسائل کے بعد بیان کرتے ہیں جیسے مسح علی الخفین کا جواز باوجودیکہ یہ ایک فقہی جزئی اور فروعی مسئلہ ہے مگر اس کو شرح عقائد نسفی میں بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ "جو شخص اس کے جواز کا قائل نہ ہو وہ بدعتی ہے" اصل عبارت یہ ہے: وَبِالْجُمْلَةِ مَنْ لَّا يَرَى الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْبِدْعَةِ (عقائد نسفی ص ۱۸۸) (جو شخص موزوں پر مسح کے جواز کا قائل نہ ہو وہ بدعتی ہے) تو کیا مسح علی الخفین کے انکار اور خلاف کو اس لئے برداشت کر لیا جاوے گا کہ یہ ایک فروعی مسئلہ ہے اور فروعات میں الجھنا اچھا نہیں ہے؟" (ہدایۃ الحیران ص ۱۸۲)

امتیازی مسائل کی طرف توجہ کی ضرورت ہے

عنوان بالا کے تحت حضرت والد ماجد رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: "اس قسم کے امتیازی اور اہل سنت کے

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

خصوصی مسائل سے بے توجہی برتنا اور یہ کہہ کر ٹال دینا کہ یہ کوئی اصولی مسائل نہیں ہیں اور فروعی مسائل میں اہل حق کے مابین اختلاف پہلے سے چلا آ رہا ہے، یہاں تک کہ اصاغر اپنے اکابر سے بھی بعض مسائل میں اختلاف کرتے رہے ہیں اور اب بھی کرتے رہتے ہیں، کیا یہ طریقہ صحیح ہوسکتا ہے؟

ہرگز نہیں، اصل میں تو اس طریقہ کو ایسے مخصوص مسائل کی شان امتیازی کی طرف سے توجہ ہٹانے اور ان کی اہمیت کو لوگوں کی نظروں میں کم کرنے کی غرض سے وہ لوگ ایک حربہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں جو اکابر کے مسلک کے خلاف دوسرا راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں، مگر بعض وہ حضرات بھی جو اس پروپیگنڈے کی حقیقت سے ناواقف ہوتے ہیں ان لوگوں کے ہم نوا ہو کر یہ فرمانے لگ جاتے ہیں کہ فروعی مسائل میں اختلافات ہوتے ہی رہتے ہیں، حالانکہ جن مسائل میں اختلافات کو برداشت کیا جاتا رہا ہے وہ مسائل اس شان اور حیثیت کے نہیں ہوتے جن کے ذریعہ اہل حق کو دوسرے فرقوں سے امتیاز حاصل ہوتا ہے۔" (ہدایۃ الحیران، ص:۱۹۷)

عقائد اور دلائل کے اقسام

عام طور پر ان مسائل کو فروعی کہہ کر ان کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور یہ مغالطہ بھی دیا جاتا ہے کہ عقائد کے لیے تو قطعی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، عقیدہ حیات الانبیاء پر قطعی دلائل نہیں ہیں اس لیے اسے عقائد میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔

افسوس! کیا ان حضرات کو یہ معلوم نہیں کہ عقائد کی ایک ہی نہیں بلکہ دو قسمیں ہیں۔ اصولی اور فروعی۔

اصولی عقائد کے لیے قطعی دلیل کی ضرورت ہے جبکہ فروعی عقائد کے لیے ظنی دلیل بھی کافی ہے۔ چنانچہ "شرح العقائد" کی شرح "نبراس" میں حضرت علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"وقید الجمهور الادلة بالقطعية لان اتباع الظن فی العقائد مذموم ولکن فيه بحثان الاول انه قد يجتمع الادلة الظنية فتفيد القطع بالحدس فلا يكون ايراد الادلة الظنية لهذا الغرض من باب اتباع الظن، الثانی ان العقائد قسمان فقسم لابد فيه من تحصيل اليقين كوجود الواجب ووحدته وقسم ظنی لايمكن فيه تحصيل اليقين كفضيلة الرسل علی الملک فلا بأس فيه باتباع الظن لاجماعهم علی ايراد هذا القسم فی كتاب العقائد فما يقع فی كلام بعض المتكلمين من اسقاط الادلة الظنية من الاعتبار فليس بوجه فاحفظ" (النبراس ص ۲۴)

ولا خفاء فی ان هذه المسئلة ظنية يكتفی فيها بالادلة الظنية (شرح عقائد)

وحاصل الجواب ان المسائل الاعتقادية قسمان احدهما ما يكون المطلوب فيه اليقين كوحدة الواجب تعالٰی وصدق النبی صلی اللہ عليه وآله وسلم وثانيهما ما يكتفی فيها بالظن كهذه المسئلة والاكتفاء بالدليل الظنی انما لا يجوز فی الاول بخلاف الثانی۔ (النبراس ص ۵۹۸)

وبالجملة من لا يرٰی المسح علی الخفين فهو من اهل البدعة اجماعاً من اهل السنة الا انها بدعة فسق عند بعضهم وبدعة كفر عند بعضهم، الخ (شرح شرح عقائد ۵۵۹)

اس سے واضح ہے کہ کسی ایک خصوصی عقیدہ کے خلاف سے بھی خروج عن المذهب ہوجاتا ہے،

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور عقائد ظنیہ میں دلائل ظنیہ کا اعتبار کیا جاتا ہے، ہر عقیدہ کے لیے دلیل قطعی کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے، نیز حضرت تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں: ''عقائد قطعیہ کے لیے ضرورت ہے دلیل قطعی کی جو ثبوتاً بھی قطعی ہو اور دلالۃً بھی قطعی ہو اور عقائد ظنیہ کے لیے دلیل ظنی کافی ہے بشرطیکہ اپنے مافوق کے ساتھ معارض نہ ہو ورنہ دلیل مافوق ماخوذ ہوگی اور یہ دلیل متروک ہوگی۔'' (بوادر النوادر ص ۸۸۲)

حیاۃ الانبیاء کرام علیہم السلام فی القبور کا عقیدہ اگرچہ اصولی نہیں، لیکن یہ اہل السنۃ کی علامات سے ہے، اور اس کے اثبات کے لیے ظنی دلائل بھی کافی ہیں اس کے منکر کو کوئی بھی کافر نہیں کہتا، البتہ اسے مبتدع اور بدعتی کہا جائے گا، فافہم!

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کتب عقائد

حضرت مولانا احمد شاہ صاحب چوکیروی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حضرت والد ماجد کے ہاں جامعہ حقانیہ ساہیوال تشریف لائے، مرحوم مولانا مخدوم نذیر صاحب بھی ان کے ساتھ تھے، فرمانے لگے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے مولانا غلام اللہ خان صاحب کی کتاب ''جواہر القرآن'' کا جواب لکھا ہے، میں وہ سننے آیا ہوں اور مولوی نذیر کو بھی ساتھ لایا ہوں، تا کہ یہ بھی سنے۔

چنانچہ حضرت والد ماجد نے انہیں ''ہدایۃ الحیران'' کا پورا مسودہ حرفاً حرفاً سنایا جو انہوں نے بڑے غور سے سنا اور بعض جگہ سوالات بھی کیے، حضرت والد صاحب جن کا شافی جواب ساتھ ساتھ دیتے رہے۔ پوری کتاب سن کر خوشی کے اظہار کے ساتھ فرمایا کہ ہمارے استاذ حضرت مولانا ولی اللہ صاحب ''انہی'' ضلع گجرات والے فرماتے تھے کہ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کتب عقائد میں نہیں ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ جب یہ عقیدہ کا مسئلہ ہے تو اس کا ذکر کتب عقائد میں ہونا چاہیے تھا، اس بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟

حضرت والد صاحب نے سنتے ہی فرمایا کہ عقائد کی تمام کتابوں میں ''عذابِ القبر حق'' کی تصریح ہے اور قبر کا عذاب وثواب بغیر حیات کے نہیں ہوتا اور جب عام موتی کے عذاب وثواب کے لیے قبر میں حیات ضروری ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام اور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو راحت اور ثواب کے لیے قبر مبارک میں حیات بدرجہ اولیٰ ضروری ہوگی، اس طور پر اس مسئلہ حیات کا ذکر بھی کتب عقائد میں آ جاتا ہے۔ حضرت مولانا چوکیروی اس جواب کو سن کر بے حد خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے آپ کا سینہ اس مسئلہ کے لیے کھول دیا ہے۔''

عقیدہ حیات انبیاء کرام علیہم السلام اور قادیانی

اہل السنۃ سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بعد الوفات اپنی قبور مطہرہ میں بہ تعلق روح بالجسد الشریف حیات ہیں، اس عقیدہ کا انکار معتزلہ نے کیا ہے، معتزلہ کے علاوہ، مرزائی جو کہ ختم نبوت کے منکر اور غلام احمد قادیانی کو نبی یا مجدد مانتے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ اس عقیدہ کے منکر بلکہ اسے شرک قرار دیتے ہیں، گویا ان کے ہاں اس عقیدہ کے ماننے والے مشرک ہیں۔

۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۵ء کی بات ہے کہ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور کے ایک جلسہ میں مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تقریر فرمائی تو آپ نے اس میں یہ بھی فرمایا تھا کہ:

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

''رسول اللہ ﷺ کے بعد ازواج مطہرات کا نکاح کسی جائز نہ ہونا بھی اس کا مؤید ہے۔''

آپ کے اس بیان ذی شان کا رد کرتے ہوئے مرزائیوں کے اخبار ''پیغام صلح'' لاہور نے لکھا تھا کہ:

''یہ مشرکانہ خیال ہے اور ازواج مطہرات سے نکاح کا جائز نہ ہونا اس لیے ہے کہ قرآن شریف میں وازواجہ امہاتہم آیا ہے۔''

سید المناظرین حضرت مولانا محمد مرتضیٰ حسن چاندپوری رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''دفع المجاج'' میں مرزائیوں کے اس بیان کی سخت تردید فرمائی اور ثابت فرمایا کہ مرزائیوں کی یہ بات کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو قبور مطہرہ میں زندہ ماننا شرکیہ خیال ہے اور یہ کہ ازواج مطہرات سے نکاح کی حرمت فقط یہ ہے کہ وہ امہات ہیں بالکل غلط ہے۔

تفصیل کے لیے حضرت چاندپوری کے مذکورہ رسالہ اور حضرت والد ماجد رحمہ اللہ کی کتاب ''ہدایۃ الحیران'' کا مقدمہ ملاحظہ فرمائیں، سوچنے کی بات ہے کہ جو حضرات عقیدہ حیات الانبیاء کو شرکیہ عقیدہ قرار دیتے ہیں وہ کس کی تائید کر رہے ہیں؟ فاعتبروا یا اولی الابصار!

کتاب ''المہند'' کی عقائدی حیثیت

اہل بدعت کی طرف سے جب علماء حق اکابر اہل سنت والجماعت علماء دیوبند پر بیجا الزامات اور اعتراضات کئے گئے اور خود ساختہ عقائد اور منگھڑت نظریات ان کی طرف منسوب کر کے ان پر کفر کے فتوے لگائے گئے اور علماء حرمین شریفین سے ان پر تصدیق حاصل کر کے اس فتویٰ کو ہندوستان میں شائع کیا گیا تو اصل صورت حال معلوم کرنے کے لئے علماء حرمین نے اکابر علماء دیوبند سے چھبیس سوالات کے جواب طلب کئے ان کے تفصیلی جواب ملنے پر علماء حرمین نے اپنے سابقہ فتویٰ سے رجوع کیا اور ان جوابات کی تصدیق فرمائی یہ جوابات ''المہند علی المفند'' کے نام سے شائع ہوئے جنہیں شیخ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ شارح ابی داؤد خلیفہ ارشد حضرت اقدس قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ نے تحریر فرمایا اور حضرت اقدس شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی قدس سرہ سے لے کر مفتی اعظم ہند حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ تک سب حضرات نے ان جوابات کی تصدیق فرمائی۔

کتاب مستطاب ''المہند'' میں مندرجہ عقائد کی حیثیت صرف اتنی نہیں کہ وہ کسی فرد یا کسی شخص کی ذاتی رائے یا انفرادی نظریہ اور عقیدہ ہے بلکہ وقت کے اجلہ علماء ومحدثین اور متکلمین نے ان عقائد کو دیوبند کے تحقیقی مسلک کے طور پر اور وہ بھی بحیثیت ''جماعتی مسلک دیوبند'' کے پیش کیا تھا اس لئے المہند علماء دیوبند کے عقائد معلوم کرنے کے لئے ایک تحریری دستاویز اور متفقہ مسلکی وثیقہ نیز مسلک دیوبند کے دیکھنے اور جانچنے کے لئے بمنزلہ آئینہ اور کسوٹی کے ہے اور مسلک دیوبند کی سرکاری ترجمان ہے جس کا تسلیم کرنا دیوبندیت اور جس سے انحراف مسلک دیوبند سے گریز ہے۔ ذیل میں المہند سے بعض اکابر کی تصدیقات کے ضروری اقتباس نقل کئے جاتے ہیں جن سے واضح ہے کہ المہند میں مندرجہ نظریات سے یہ حضرات حرف بحرف متفق ہیں اور ان کے یہی عقائد ہیں:

۱...... حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ: وھو معتقدنا ومعتمد مشائخنا جمیعا لا ریب فیہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

۲...... حضرت مولانا سید احمد حسن امروہی رحمہ اللہ: وکل ذلک ھو معتقدنا ومعتمد مشائخنا وساداتنا اماتنا اللّٰہ علیہ وحشرنا مع عبادہ المخلصین المتقین۔

۳...... حضرت مولانا عزیز الرحمن دیوبندی رحمہ اللہ مفتی اعظم دیوبند: ھو الحق عندی ومعتقدی ومشائخی۔

۴...... حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ: نقربہ ونعتقدہ واو کل امر المفترین الی اللّٰہ۔

۵...... حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمہ اللہ: وھو معتقدی ومعتقد مشائخی۔

۶...... حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ: رأیت الاجوبۃ کلھا فوجدتہا حقۃ صریحۃ لا یحوم حول سرادقاتہا شک ولا ریب وھو معتقدی ومتعقد مشائخی۔

نیز مصنف علام حضرت سہارنپوری قدس سرہ بھی ''المہند'' کے مندرجات کو اپنے عقائد اور دین وایمان قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ھذا الذی ذکرنا فی الجواب ھو ما نعتقدہ وندین اللّٰہ تعالٰی بہ۔

غرض کہ تمام اکابران کو اپنے اور اپنے مشائخ کے عقائد بیان کرتے ہوئے ان کا اقرار فرمارہے ہیں اور انہیں کتاب وسنت، اجماع امت اور ائمہ کرام کے مذہب کے مطابق سمجھتے ہیں، چنانچہ کتاب کے آغاز میں اس اصول کو انہوں نے یوں بیان فرمایا ہے:

انا لا نتکلم بکلام ولا نقول قولا فی الدین الا وعلیہ عندنا دلیل من الکتاب او السنۃ او اجماع الامۃ او قول من ائمۃ المذہب (ص ۳۰)

معلوم ہوا کہ یہ عقائد کسی کی ذاتی رائے نہیں بلکہ قرآن وسنت، اجماع امت پر مبنی ہیں جن کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔

''المہند'' پر تصدیق کرنے والے اکابر کے بعد ان کے تلامذہ اور متعلقین نے بھی ان عقائد کی بھرپور تصدیق فرمائی اور المہند کے مندرجات کو قبول فرمایا چنانچہ جب المہند کا خلاصہ'' عقائد علماء دیوبند'' کے نام سے ۱۳۸۸ھ میں حضرت اقدس والد ماجد فقیہ العصر یادگار اسلاف مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہ نے تیار فرمایا تو اس پر حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی، حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی، حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری، حضرت مولانا عبدالحق صاحب، حضرت علامہ شمس الحق صاحب افغانی، حضرت علامہ محمد یوسف بنوری، حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہم اللہ وغیرہ سب حضرات نے تصدیق فرمائی اور المہند کے عقائد کو تسلیم فرمایا، پھر ان کے تلامذہ کرام جنہوں نے دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ اور دیگر علماء کرام سے شرف تلمذ حاصل کیا انہوں نے بھی اس پر دستخط فرمائے جن میں حضرت علامہ سرفراز خان صفدر، حضرت مولانا قاضی عبدالکریم کلاچی، حضرت قاضی مظہر حسین صاحب، حضرت مولانا عبیداللہ صاحب قاسمی، حضرت علامہ عبدالستار صاحب تونسوی، حضرت علامہ شیخ محمد سلیم اللہ خان صاحب رحمہم اللہ اور دیگر علماء کرام شامل ہیں، موجودہ دور کے علماء دیوبند میں مشاہیر علماء کرام کی تصدیقات بھی خلاصہ ''المہند'' پر ثبت ہیں۔

حضرت علامہ خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے لے کر آج تک کے تمام علماء دیوبند

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(جن کا دور تقریباً سوا سو سال پر محیط ہے) ان عقائد پر متفق ہیں اور ''المہند'' کو مسلکی عقائد کی وثیقہ اور دستاویز تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ تفصیل بالا سے واضح ہے۔

ایک اعتراض

یہ بڑی ہی عجیب بات ہے کہ ''المہند'' کے بارہ میں اہل بدعت بریلوی تو کہتے ہی تھے کہ اس میں جو عقائد ہیں وہ علماء دیوبند کے نہیں اور یہ کتاب جعلی ہے، لیکن اب اپنے آپ کو دیوبندیت کی طرف منسوب کرنے والا گروہ بھی کہہ رہا ہے کہ یہ حضرت سہارن پوری کی تالیف نہیں ہے اور ان کی زندگی میں بھی شائع نہیں ہوئی، نیز یہ کہ اس میں تحریف کردی گئی ہے، وغیر ذلک من الاشکالات الفاسدۃ والتوھمات الواھیۃ۔

حالانکہ یہ بات قطعاً غلط اور خلاف واقعہ ہے، تمام اکابر اسے حضرت سہارنپوری کی ہی تالیف قرار دے رہے ہیں۔ پھر حضرت سہارنپوری قدس سرہ کی حیات مبارکہ میں اس کا مطبوعہ اڈیشن بھی اب تک موجود ہے جس کا ایک نسخہ احقر کے پاس بھی ہے، یہ ۱۳۴۴ھ کا مطبوعہ ہے اور حضرت سہارنپوری کا وصال ۱۳۴۶ھ میں ہے۔ بعد کے نسخے بالکل اس کے مطابق ہیں اس لیے اس پر تحریف کا اشکال ہرگز صحیح نہیں ہے۔ ''فتاویٰ خلیلیہ'' میں بھی ''المہند'' شامل ہے اس کے مندرجات بھی من وعن وہی ہیں جو عرصہ سے شائع ہو رہے ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

کتاب ''المہند'' پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ یہ عقائد کی کتاب نہیں ہے، اس میں دوسرے فروعی مسائل بھی ہیں اور علم کلام سے متعلق بھی کچھ مباحث مذکور ہیں۔ اگرچہ بعض عقائد کا ذکر بھی پایا جاتا ہے فلہٰذا اسے عقائدی دستاویز یا علماء دیوبند کے عقائد کی کتاب کہنا صحیح نہیں ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ کتاب ''المہند'' علماء دیوبند کے عقائد پر کوئی مستقل کتاب کے طور پر نہیں لکھی گئی بلکہ بنیادی طور پر یہ سوالات کے جواب کے طور پر تحریر کی گئی، پھر جہاں تک سوالات کا تعلق ہے وہ کوئی ایک نوع اور قسم سے متعلق نہیں ہیں بلکہ ان کی انواع مختلف ہیں اس لیے جواب میں تحریر کردہ جوابات بھی مختلف اقسام سے متعلق ہوں گے، بعض کا تعلق قطعی عقائد سے ہے اور بعض کا ظنی عقائد اور پھر بعض کا تعلق فروعی مسائل یا علم کلام سے ہے، سارے جوابات عقائد سے متعلق نہیں ہیں بلکہ ان میں دیگر مباحث بھی ہیں لیکن چونکہ بعض قطعی اور بعض ظنی عقائد کا ذکر بھی اس میں موجود ہے اس لیے پوری کتاب کو تسمیۃ الکل باسم الجزء کے قبیل سے عقائد کی کتاب کہہ دیا گیا ہے۔ کتابوں کے نام میں یہ توسع اور یہ اطلاق ذائع شائع ہے، اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے، بعض حضرات ''المہند'' کے بارہ میں جو یہ کہہ دیتے ہیں کہ اس میں توحید، رسالت، قیامت وغیرہ اسلام کے بنیادی عقائد کا ذکر نہیں ہے تو پھر یہ عقائد کی کتاب کیسے ہوسکتی ہے، تفصیل بالا سے واضح ہوا کہ یہ سوال کتاب ''المہند'' کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ جب یہ کتاب کل عقائد پر مشتمل ہی نہیں ہے بلکہ بعض سوالات کے جواب کے طور پر تحریر کی گئی ہے تو یہ سوال کیسے پیدا ہوسکتا ہے، فافہم وانصف۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اسی طرح یہ کہنا کہ عقائد کے اثبات کے لیے تو قطعی دلیل کی ضرورت ہے اور ''المہند'' میں موجود بعض عقائد پر قطعی دلائل نہیں ہیں، پس وہ کیسے صحیح ہوں گے؟

تو ایسے حضرات کو سمجھ لینا چاہئے کہ قطعی دلائل کی ضرورت قطعی عقائد کے لیے ہوتی ہے، ان کا اثبات بدوں قطعی دلائل کے نہیں ہوتا، جہاں تک ظنی عقائد کا تعلق ہے ان کے اثبات کے لیے قطعی دلائل کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ ظنی دلائل سے بھی ثابت ہو جاتے ہیں، کما مر مفصلاً۔

وفاق المدارس کے اعلان پر اعتراض کا جائزہ

وفاق المداس العربیہ پاکستان کی طرف سے ۱۴۲۵ھ میں جب رسالہ ماہنامہ ''وفاق المدارس'' میں اعلان کیا گیا کہ اس ادارہ سے انہیں مدارس کا الحاق کیا جائے گا جن کا مسلک ''المہند'' کے مطابق ہوگا۔ تو اس وقت جماعت اشاعت التوحید والسنۃ پاکستان کے نمائندگان نے حیات النبی علیہ السلام سے متعلق ''المہند'' کی عبارت پر اعتراضات تحریر کر کے اکابرین وفاق کی خدمت میں بھجوائے۔ احقر نے حضرت رئیس المحدثین مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے حکم سے ان کے اشکالات کا مفصل جواب تحریر کیا، جسے حضرت نے بہت سراہا اور پسند فرمایا، ذیل میں فریق مخالف کے اشکالات اور ان کے جواب پیش خدمت ہیں:

ان حضرات نے اپنے اس پر زور مطالبہ کی بنیاد جن تین امور کو بنایا ہے وہ ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہیں:

۱...... الف: ''المہند'' میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے بارہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ''انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں دنیاوی حیات سے زندہ ہیں ان کی حیات برزخی نہیں ہے''

ب: اس نظریہ کے ساتھ اختلاف بعض اکابر جن کے اسماء گرامی المہند میں موجود ہیں کا بھی ہے مثلاً حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے بیان القرآن میں لکھا ہے کہ ''ان کی حیات برزخی ہے۔''

۲...... حضرت مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ''انبیاء علیہم السلام کی حیات برزخی ہے دنیوی نہیں ہے ان پر موت کا اطلاق بھی جائز ہے'' (کفایت المفتی)

۳...... اسی طرح حیات شہداء کی تفسیر نبوی میں ارواحہم فی اجواف طیر خضر (الحدیث) سے بھی برزخی حیات کا ہی اشارہ ملتا ہے۔ (انتہیٰ)

نمائندگان اشاعۃ التوحید نے مذکورہ بالا امور سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات فی القبر کے بارے میں ''المہند'' کی عبارت، حدیث نبوی، ''بیان القرآن'' اور ''کفایت المفتی'' کے خلاف ہے اس لئے اسے دیوبندیت کا معیار اور وفاق سے الحاق کی شرط قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ نمائندگان اشاعت کا یہ دعویٰ چونکہ خلاف حقیقت اور غلط ہے اس لئے ہم ذیل میں ان امور کا منصفانہ اور تحقیقی تجزیہ پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ حقیقت سامنے آجائے اور ''المہند'' کی عبارت کے متعلق کسی قسم کا اشتباہ و مغالطہ باقی نہ رہے اس کے ساتھ ہم کتاب ''المہند'' کی عقائدی حیثیت کو بھی واضح کریں گے تاکہ وفاق المدارس کی تجویز کی اہمیت اور ضرورت بھی واضح ہو جائے، فنقول وباللہ التوفیق!

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

عقیدہ حیات النبی ﷺ

آنحضرت ﷺ کو اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد عالم برزخ (قبر شریف) میں جو حیات حاصل ہے وہ روح مبارک کے تعلق سے اسی دنیوی جسد اطہر کے ساتھ ہے جو روضۂ پاک میں محفوظ ہے اور اسی تعلق روح کی وجہ سے آپ روضۂ انور پر پڑھے گئے درود وسلام کو بغیر واسطہ کے علی الدوام سماعت فرماتے ہیں۔ اسی عقیدہ کو "المہند علی المفند" میں اکابر علماء دیوبند نے حیات دنیویہ برزخیہ سے تعبیر کیا ہے۔

حیات دنیوی اور برزخی کی تشریح

آنحضرت ﷺ کی حیات بعد الوفات کو دنیوی حیات کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کی عالم برزخ کی حیات اسی دنیوی جسد اطہر میں ہے جو روضۂ اطہر میں محفوظ ہے نہ یہ کہ وہ حیات طیبہ بجمیع الوجوہ اسی دنیا والی حیات ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ فرماتے ہیں "انبیاء کرام کو انہی اجسام دنیوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں" (لطائف قاسمی)

اس عبارت سے حیات دنیوی کا مفہوم واضح ہے۔

آنحضرت ﷺ کی یہ حیات چونکہ دنیا میں نہیں بلکہ عالم برزخ میں ہے اس لئے ہم آنحضرت ﷺ کو عالم برزخ میں ہی فائز الحیات سمجھتے ہیں لیکن برزخی حیات میں علاقہ ظرفیت کا ہے نوعیت کا نہیں یعنی اس سے مراد حیات فی البرزخ ہے نہ یہ کہ حیات کی کوئی اپنی قسم برزخی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حیات برزخی اور دنیوی میں مختلف جہات سے اجتماع ممکن ہے ان میں ایسا تضاد نہیں کہ یہ دونوں جمع نہ ہوسکیں، بزرگوں کے کلام میں جہاں اس حیات کو دنیویہ و برزخیہ سے تعبیر کیا گیا ہے اس سے یہی مراد ہے کہ یہ حیات اسی دنیا والے جسد اطہر میں بتعلق روح عالم برزخ میں ہے۔ حیات برزخی کا یہ مفہوم کہ عالم برزخ میں ایسی حیات جو دنیوی جسد اطہر میں نہیں ہے اور دنیوی جسد اطہر تعلق حیات سے یکسر خالی ہے بالکل غلط ہے، فریق مخالف ایسی ہی حیات کا قائل ہے اور وہ اسی کو حیات برزخی کہتا ہے اور ان کے نزدیک حیات برزخی میں علاقہ نوعیت کا ہے یعنی ایسی حیات جو دنیوی جسد میں نہ ہو بلکہ کسی اور برزخی بدن میں ہو۔ (ماخوذ از رسالہ حیات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بتغیر)

فریق مخالف کا بیان کردہ حیات برزخی کا مذکورہ بالا مفہوم چونکہ صحیح نہیں ہے اسی لئے "المہند" میں بھی "لا برزخیۃ" سے آنحضرت ﷺ کے لئے قبر شریف میں ایسی حیات جس میں جسد اطہر سے روح مبارک کا تعلق نہ ہو کی نفی کی گئی ہے۔

"المہند علی المفند" کی اصل عبارت اور اس کی تشریح

۱...... **الف:** عندنا وعند مشائخنا حضرۃ الرسالۃ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ الشریف وحیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیویۃ من غیر تکلیف وہی مختصۃ بہ صلی اللہ علیہ وسلم وبجمیع الانبیاء صلوات اللہ علیہم والشہداء لا برزخیۃ کما ہی حاصلۃ لسائر المؤمنین بل لجمیع الناس کما نص علیہ العلامۃ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

السیوطی فی رسالة "انبیاء الاذکیاء بحیٰوة الانبیاء" حیث قال، قال الشیخ تقی الدین السبکی حیٰوة الانبیاء والشہداء فی القبر کحیٰوتہم فی الدنیا ویشہد لہ صلٰوة موسیٰ علیہ السلام فی قبرہ فان الصلاة تستدعی جسداحیا الی آخرما قال "فثبت بہذا ان حیا تہ دنیویة برزخیة لکونہا فی عالم البرزخ۔ ولشیخنا شمس الاسلام والدین محمد قاسم العلوم علی المستفیدین قدس اللہ سرہ العزیز فی ہذہ المبحث رسالة مستقلة دقیقة الماخذ بدیعة المسالک لم یر مثلہا قد طبعت وشاعت فی الناس واسمہا "آب حیاة" ای ماء الحیوة" (المہند علی المفند)

اس عبارت سے واضح ہے کہ لا برزخیۃ سے عالم برزخ کی حیات کی مطلقاً نفی نہیں کی جا رہی بلکہ اس میں اس حیات برزخیہ کی نفی کی جا رہی ہے جو عالم برزخ میں عام لوگوں کو حاصل ہے جیسا کہ عبارت کما ھی حاصلة لسائر المؤمنین بل لجمیع الناس کی تشبیہ سے واضح ہے اور جس سوال کا یہ جواب ہے اس کا منشا بھی یہی تھا، پس معلوم ہوا کہ المہند میں آپ ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات برزخیہ کا انکار نہیں کیا گیا بلکہ برزخی ہونے کو اس کے برزخیہ ہونے اور لکونہا فی عالم البرزخ سے اس میں علاقہ ظرفیت کو بتایا گیا ہے اور برزخیۃ سے پہلے دنیویۃ فرما کر واضح کر دیا گیا کہ یہ حیات دنیوی جسد اطہر میں ہے برزخیہ محضہ نہیں ہے اسی کو حیات دنیویہ اور برزخیہ کہا جاتا ہے اس معنی کے اعتبار سے دنیویہ اور برزخیہ میں کوئی تضاد نہیں ہے اور نہ ہی "المہند" کی پہلی عبارت "لا برزخیۃ" اور دوسری عبارت "دنیویۃ برزخیۃ" میں کوئی تعارض ہے کما لا یخفی علی المتأمل المنصف۔

غرض کہ "المہند" کی تصریح فثبت بہذا ان حیا تہ دنیویة برزخیة لکونہا فی عالم البرزخ کے باوجود سخت حیرت ہے کہ نمائندگان اشاعۃ التوحید والسنۃ نے المہند کے حوالہ سے کیسے لکھ دیا کہ "ان کی حیات برزخی نہیں ہے" یا للعجب، ہاں اس معنی کے اعتبار سے بے شک وہ حیات برزخی نہیں ہے جس معنی کے اعتبار سے ارباب اشاعۃ التوحید اسے حیات برزخی کہتے ہیں جس میں جسد اطہر سے روح مبارک کا کوئی تعلق نہ ہو چونکہ اہل سنت میں ایسی حیات برزخی کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اس لئے اس معنی کے اعتبار سے اس کی نفی بلاشبہ درست ہے کما مر تفصیلاً۔

تفسیر بیان القرآن کی عبارت کی وضاحت

ب: بیان القرآن میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ آیت کریمہ "ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات الآیۃ کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

لیکن شہید کو اس حیات میں اور مردوں سے ایک گونہ امتیاز یہ ہے کہ اس کی یہ حیات آثار میں اوروں سے قوی ہے...... حتی کہ شہید کی اس حیات کی قوت کا ایک اثر برخلاف معمولی مردوں کے اس کے جسد ظاہری تک بھی پہنچا ہے کہ اس کا جسد باوجود مجموعہ گوشت و پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا اور مثل جسد زندہ کے صحیح سالم رہتا ہے جیسا کہ احادیث اور مشاہدات شاہد ہیں پس اس امتیاز کی وجہ سے شہداء کو احیاء کہا گیا اور ان کو دوسرے اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

قوت رکھتے ہیں حتیٰ کہ بعد موت ظاہری کے سلامت جسد کے ساتھ ایک اثر اس حیات کا اس عالم کے احکام میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مثل ازواج احیاء کے ان کی ازواج سے کسی کو نکاح جائز نہیں ہوتا اور ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں پھر شہداء پھر اور معمولی مردے۔ (بیان القرآن ص ۹۷)

''بیان القرآن'' کی اس عبارت کو بغور پڑھنے سے واضح ہے حضرت تھانوی رحمہ اللہ شہداء اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے بعد الوفات جس حیات برزخی کے قائل ہیں وہ ایسی حیات نہیں ہے جس میں ان کے اجسام پر حیات کا اثر نہ ہو بلکہ حضرت کے ہاں بھی ایسی حیات مراد ہے جس کی قوت کا اثر شہداء کے اجسام تک پہنچتا ہو اور بیان القرآن کی اس عبارت میں یہ بھی تصریح ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اس حیات میں شہداء سے زیادہ قوت وامتیاز رکھتے ہیں، معلوم ہوا کہ یہ حیات برزخی ایسی نہیں ہے جس میں اجسام حیات سے خالی ہوں جیسا کہ اشاعۃ التوحید کا عقیدہ ہے۔

جب ''بیان القرآن'' کی اس عبارت میں اجساد پر بھی حیات کے آثار کی تصریح ہے اور اسی کا نام حیات دنیویہ بھی ہے تو پھر یہ المہند کے خلاف کیسے ہوگی؟ بالفرض اگر یہ عبارت ''المہند'' کے خلاف ہو تب بھی ''المہند'' کی عبارت ہی راجح ہوگی کیونکہ حضرت تھانوی قدس سرہ نے ''بیان القرآن'' کا یہ مقام جس میں حیات شہداء کی بحث ہے ''المہند'' سے پہلے لکھا ہے کیونکہ ''المہند'' شوال ۱۳۲۵ھ میں تصنیف کی گئی جبکہ ''بیان القرآن'' کی سورۃ بقرہ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ میں مکمل ہوئی اب خود غور کر لیجئے کہ تفسیر بیان القرآن میں ''المہند'' کے نظریہ سے حضرت نے کیسے اختلاف فرمالیا؟ یا للعجب!

علاوہ ازیں خود حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ یہ ہے:

اول بطور مقدمہ کے جانئے کہ حضور ﷺ کی قبر مبارک کے لئے بہت کچھ شرف حاصل ہے کیونکہ جسد اطہر اس کے اندر خود موجود ہے بلکہ حضور ﷺ خود یعنی مع متلبس روح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں کیونکہ آپ قبر میں زندہ ہیں قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں صحابہ کرامؓ کا بھی یہ اعتقاد تھا، الخ (رأس الاربعین ص ۵۰۸)

اسی وعظ میں دوسری جگہ فرماتے ہیں ''جب حضور ﷺ کا جسد اطہر موافقین ومخالفین سب کے نزدیک بالاتفاق محفوظ ہے اور مع روح ہے جیسا کہ بیان کیا گیا تو ظاہر ہے اور علماء نے بھی تصریح کی ہے کہ وہ بقعہ جس سے جسم مبارک خصوص مع الروح مس کئے ہوئے ہے عرش سے بھی افضل ہے'' (۵۱۴) نیز وعظ ''الکمال فی الدین'' (جو ۲۵ ذوالحجہ ۱۳۴۰ھ کو دھلی میں فرمایا) میں فرماتے ہیں: اور اولیاء سے زیادہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح کو اپنے اجسام سے تعلق رہتا ہے جس کے بعض آثار یہ ہیں کہ ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی الخ (ص ۵۵)

اس میں صاف تصریح ہے کہ روح مبارک کا جسد اطہر سے تعلق ہے اور آپ ﷺ کے جسد اطہر کو بتعلق روح حیات حاصل ہے اسی کو حیات دنیویہ اور برزخیہ کہتے ہیں تو پھر یہ ''المہند'' کے خلاف کیسے ہوا؟ نمائندگان اشاعۃ التوحید غور فرماویں کہ کیا اس کے بعد بھی حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو ''المہند'' کے نظریہ سے اختلاف کرنے والوں میں شمار کرنا صحیح ہے؟

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور کیا موجودہ اشاعۃ التوحید حیات النبی ﷺ کی اسی تفصیل کے ساتھ قائل ہے جس کی تصریح حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے اوپر نقل کی گئی ہے؟

کفایت المفتی کی عبارت کی تشریح

۲...... حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں: ''انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں مگران کی زندگی دنیاوی زندگی نہیں ہے بلکہ برزخی اور عام دوسرے لوگوں کی زندگی سے ممتاز ہے اسی طرح شہداء کی زندگی بھی برزخی ہے اورانبیاء کی زندگی سے نچلے درجے کی ہے دنیا کے اعتبار سے تووہ سب اموات میں داخل ہیں انک میت وانہم میتون اس کی صریح دلیل ہے۔'' (کفایت المفتی ج۱ ص ۱۶۸)

اشاعۃ التوحید کے نمائندگان کا اس عبارت سے یہ تاثر دینا کہ حضرت مفتی صاحب انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات دنیوی کے قائل نہیں سراسر غلط اوردھوکہ ہے کیونکہ اس فتویٰ میں واضح طور پر لکھا ہے کہ دنیا کے اعتبار سے وہ توسب اموات میں داخل ہیں اس اعتبار سے وہ زندگی دنیوی زندگی نہیں ہے بلکہ برزخی ہے کیونکہ وہ حضرات برزخ میں زندہ ہیں نہ کہ دنیا میں، اب رہا یہ کہ عالم برزخ میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو جوزندگی اورحیات حاصل ہے وہ روحانی ہے جسم سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے تو یہ بات حضرت مفتی صاحب نے ہرگز نہیں لکھی اورنہ ہی وہ اس کے قائل ہیں بلکہ حضرت مفتی صاحب کا نظریہ اس بارہ میں وہی ہے جو''المہند'' میں لکھا ہے اوراسی نظریہ پر وہ تمام کتاب کو بغور ملاحظہ فرما کردستخط بھی فرما چکے ہیں، چنانچہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ''صلوٰۃ وسلام کے ساتھ یارسول ویاحبیب ندا کے الفاظ سے پکارنااس خیال سے کہ صلوٰۃ وسلام حضور ﷺ کو فرشتوں کے ذریعہ پہنچادیا جاتا ہے اورآپ تک ہماری نداءاور خطاب پہنچ جاتا ہے جائزاوردرست ہے ...... ہاں اس خیال اور اعتقاد سے ندا کرنا کہ آنحضرت ﷺ کی روح مبارک مجلس مولود میں آتی ہے اس کا شریعت مقدسہ میں کوئی ثبوت نہیں اورکئی وجہ سے یہ خیال باطل ہے اول یہ کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ قبرمبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے تو پھرآپ کی روح مبارک کا مجلس مولود میں آنا بدن سے مفارقت کرکے ہوتا ہے یا کسی اورطریقہ سے اگرمفارقت کرکے ماناجائے توآپ کا قبرمبارک میں زندہ ہوناباطل ہوتا ہے یاکم ازکم اس زندگی میں فرق آناثابت ہوتا ہےتو یہ صورت علاوہ اس کے کہ بےثبوت ہے باعث توہین ہے نہ کہ موجب تعظیم''

(کفایت المفتی ج۱ ص ۱۵۹، ۱۶۰)

نیز ماہنامہ''تعلیم القرآن''جنوری ۱۹۶۰ء میں حضرت مفتی صاحب موصوف کے حوالہ سے لکھا ہے''لیکن اگرکوئی اس حیات کودنیوی کے نام سے تعبیرکرے اورآپ کی حیات برزخیہ سے بھی انکارنہ کرے تواس کو جماعت اہل سنت سے خارج نہیں کرنا چاہئے۔'' (خدام الدین لاہور)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ حیات دنیویہ کی نفی عالم دنیا کے اعتبار سے ہے نہ کہ تعلق روح بالجسد کے اعتبار سے اورظاہر ہے کہ اس دنیا میں آپ ﷺ کی حیات کا اہل حق میں کوئی بھی قائل نہیں ہے جن حضرات نے

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

دنیوی حیات کی نفی کی ہے وہ اسی معنی کے اعتبار سے کی ہے ورنہ اہل حق عالم برزخ میں جسد اطہر کی بتعلق روح حیات پر متفق ہیں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی بھی اسی حیات کے قائل ہیں ان کا نظریہ اس بارہ میں ''المہند'' کے بالکل مطابق ہے۔

حیات شہداء وانبیاء کرام علیہم السلام کی تحقیق

حق تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ اموات بل احیاء ولٰکن لا تشعرون (پ ۲) اس سے معلوم ہوا کہ شہداء کی حیات جسمانی حیات ہے صرف روحانی نہیں ہے اس لئے کہ قتل فعل حسی ہے اس کا محل جسم ہے نہ کہ روح لہٰذا جو جسم قتل کا محل ہے وہی جسم حیات کا بھی محل ہوگا اور جسم کی حیات روح کے تعلق کا تقاضا کرتی ہے۔

علامہ عبدالحق مکی ''اکلیل شرح مدارک التنزیل'' میں لکھتے ہیں: فذھب کثیر من السلف الٰی انہا حیاۃ حقیقیۃ بالروح والجسد ولکنا لا ندرک ولا نعلم حقیقتہا لانہا من احوال البرزخ التی لا یطلع علیہا (اکلیل ج ۲ ص ۲۹)

حضرت علامہ آلوسی رحمہ اللہ شہداء کی حیات پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: واختلف فی ہذہ الحیاۃ فذھب کثیر من السلف الٰی انہا حقیقیۃ بالروح والجسد ولکنا لا ندرکہا فی ہذہ النشأۃ۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۲۰)

علامہ قاضی شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ورد النص فی کتاب اللّٰہ فی حق الشہداء انہم احیاء یرزقون وان الحیاۃ فیہم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء والمرسلین'' (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۲۴)

جمہور مفسرین اور اکابر علماء متقدمین کی تصریحات کے مطابق شہداء کو جسدی حیات حاصل ہے ان کی حیات فقط روحانی نہیں ہے جب حضرات شہداء کرام کی حیات برزخی دنیوی حیات ہے تو پھر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات برزخی بطریق اولٰی جسدی اور دنیوی ہوگی لیکن یاد رہے کہ دنیوی سے مراد عالم دنیا میں نہیں بلکہ دنیوی جسد میں حیات مراد ہے آیت قرآنی ولا تقولوا الآیۃ سے بھی اشارہ ملتا ہے اور مفسرین اسی کو راجح فرما رہے ہیں۔

حیات شہداء سے متعلق حدیث نبوی کی تشریح

۳...... اب رہی حدیث نبوی ارواحہم فی طیر خضر (جس کا ذکر نمائندگان اشاعۃ التوحید والسنۃ نے بھی اپنی تحریر میں کیا ہے) یا اس قسم کی بعض وہ روایات جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شہداء اور مؤمنین کی روحیں جنت میں ہوتی ہیں اور وہ احادیث صحیحہ جن میں یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح طیبہ رفیق اعلٰی یا اعلٰی علیین میں قیام پذیر ہیں تو وہ اس حیات جسدی کے ہرگز منافی نہیں ہیں اس لئے کہ ارواح کا مقر علیین یا سجین میں ہونا قبر میں حیات حاصل ہونے کی خلاف نہیں ہے کیونکہ علیین یا سجین میں ارواح کا مستقر ہوتے ہوئے بھی فی الجملہ ان کا اتصال وتعلق قبروں میں اپنے اپنے اجسام کے ساتھ ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کو لذت یا کلفت کا ادراک واحساس ہوتا رہتا ہے اور وہ اس تعلق کی وجہ سے منکر ونکیر کے سوال کا جواب دیتے اور عندالقبر سلام کرنے والوں کا سلام سنتے ہیں۔ اس طرح ان دونوں قسم کی روایات میں کسی قسم کا تعارض نہیں رہتا ان میں ظاہری تعارض کے رفع کے لئے مذکورہ تطبیق کو حضرات علماء کرام نے بطور خاص ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تفسیر مظہری میں تحریر فرماتے ہیں: ''وجہ التطبیق ان مقرارواح المؤمنین فی علیین اوفی السماء السابعۃ کما مر ومقرارواح الکفار فی سجین ومع ذلک لکل روح منہا اتصال بجسدہ فی قبرہ لایدرک کنہہ الا اللہ تعالٰی وبذلک الاتصال یصح ان یعرض علی الانسان المجموع المرکب من الجسد والروح مقعدہ من الجنۃ والنار ویحس اللذۃ والالم ویسمع سلام الزائر ویجیب المنکر والنکیر ونحو ذلک مما ثبت بالکتاب والسنۃ'' (تفسیر مظہری ج۱۰ ص۲۲۵)

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں: ''فالروح ھناک لہا اتصال بالبدن فی القبر واشراف علیہ وتعلق بہ بحیث یصلی فی قبرہ ویرد علیہ سلام من سلم وھی فی الرفیق الاعلٰی'' (کتاب الروح ص ۵۴)

نیز فرماتے ہیں: ''وبعد وفاتہ استقرت فی الرفیق الاعلٰی مع ارواح الانبیاء ومع ہذا فلہا اشراف علی البدن واشراق وتعلق بہ بحیث یرد السلام علی من سلم علیہ وبہذا التعلق رای موسٰی قائما یصلی فی قبرہ'' (زادالمعاد ج۲ ص۴۹)

حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ حدیث شریف انما نسمۃ المؤمن طیر تعلق فی شجر الجنۃ حتی یرجعہ اللہ فی جسدہ یوم یبعثہ کے تحت فرماتے ہیں'' اس سے معلوم ہوا کہ یوم بعثت تک ارواح مؤمن کا مستقر شجر جنت ہے پس یہ صریح ہے اس میں کہ اعادہ الی الارض منافی اس قرار فی الجنۃ کے نہیں یا تو اس طرح کہ اول یہ اعادہ ہوتا ہو پھر سوال نکیرین کے بعد عروج الی السماء ہوتا ہو یا اس طرح کہ یہ اعادہ اور قرار فی الجنۃ مختلف حیثیتوں سے ایک وقت میں مجتمع ہو جاتے ہوں یعنی اصل قرار تو جنت میں ہو اور قبر میں اصل قرار نہ ہو کچھ تعلق جسد سے ہو خواہ وہ جسد اصلی حالت پر ہو یا مستحیل ہو گیا ہو اور یہ تعلق صرف اتنا ہو کہ جس سے ادراک نعیم والم ہو سکے'' الخ۱ (امداد الفتاویٰ ج۵ ص۴۱۹)

اکابر کی ان تصریحات سے واضح ہے کہ حدیث نبوی ارواحہم فی طیر خضر عالم برزخ میں شہداء کی حیات جسدی کے منافی نہیں ہے، پس نمائندگان اشاعۃ التوحید کا اس کو اپنے مدعا پر بطور دلیل پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔

تفصیل مذکورہ بالا سے واضح ہے کہ ''المہند'' کی عبارت بالکل صحیح و درست ہے اور قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے۔

عقیدہ حیات النبی ﷺ اور عبارات اکابر

''المہند علی المفند'' میں حیات النبی ﷺ کے متعلق جو عقیدہ لکھا ہے اہل سنت والجماعت اور علماء دیوبند کا یہی عقیدہ ہے چنانچہ اس سلسلہ کی بعض عبارات ذیل میں پیش خدمت ہیں: ''حضرت ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں: المعتقد المعتمد انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کسائر الانبیاء فی قبورہم احیاء عند ربہم وان لارواحہم تعلقا بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی فہم بحسب القلب عرشیون باعتبار القالب فرشیون'' (شرح شفاج۲)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را درو ے خلاف نیست حیات جسمانی دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی'' (اشعۃ اللمعات ج۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

علامہ نورالحق دہلوی رحمہ اللہ تیسیر القاری شرح بخاری میں ارقام فرماتے ہیں: قول مختار و مقرر جمہور ہمیں است کہ انبیاء علیہم السلام بعد از ذاقت موت زندہ بحیات دنیوی'' (ج ۳ ص ۲۶۲)

حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی کے شاگرد رشید مولانا قطب الدین خان دہلوی ''مظاہر حق'' میں لکھتے ہیں:
''زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے۔'' (ج ۱ ص ۴۴۳)

حجۃ الاسلام حضرت قاسم العلوم والخیرات فرماتے ہیں: انبیاء کرام کو انہی اجسام دنیوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔ (لطائف قاسمی ص ۳)

حضرت قطب عالم ابوحنیفۂ وقت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ فرماتے ہیں: ''آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں نبی اللہ حی یرزق اس مضمون حیات کو بھی مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ آب حیات میں بمالامزید علیہ ثابت کیا ہے۔'' (ہدایۃ الشیعہ ص ۱۸)

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ ''بذل المجہود'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کما ان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورہم ولا فرق بین ان یکون فوق الارض او تحت حجابہا'' (ج ۲ ص ۱۱۷)

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یرید بقولہ ''الانبیاء احیاء'' مجموع الاشخاص لاالروح فقط'' (تحیۃ الاسلام ص ۳۶)

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فتح الملہم میں فرماتے ہیں: ''ولا یتوہم من ہذا انکار حیاتہ فی قبرہ الشریف فان لروحہ صلی اللہ علیہ وسلم اشراقا علی البدن المبارک المطیب واشراقا وتعلقا بہ'' (ج ۳ ص ۴۲۱)

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے اپنی خود نوشت سوانح ''نقش حیات'' میں بغیر تعلق روح فقط جسم نبوی کے محفوظ ہونے کا قائل مجدی فرقے کو قرار دیا ہے اور حضرات اکابر علماء دیوبند کو نہ صرف یہ کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی اور روح وجسم کے درمیان تعلق کا قائل بتلایا ہے بلکہ ان حضرات کو اس کا ثابت کرنے والا اور بڑے زور وشور سے اس پر دلائل قائم کرنے والا فرمایا ہے۔ (نقش حیات ج ۱ ص ۱۰۳)

مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی قدس سرہ سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں:
''جمہور امت کا عقیدہ اس مسئلہ میں یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام برزخ میں جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں اور ان کی حیات برزخی روحانی نہیں بلکہ جسمانی حیات ہے جو حیات دنیوی کے بالکل مماثل ہے بجز اس کے کہ وہ احکام کے مکلف نہیں ہیں...... صرف حیات روحانی کا قول جمہور علماء امت کے خلاف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دیوبندیت کوئی مستقل مذہب نہیں جمہور اہل سنت والجماعت کے مکمل اتباع ہی کا نام دیوبندیت ہے جو عقیدہ جمہور اہل سنت کے خلاف ہے وہ دیوبندیت کے بھی خلاف ہے۔'' (الصدیق ملتان جمادی الاولیٰ ۱۳۷۸ھ)

مخدوم العلماء حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''احقر اور احقر کے مشائخ کا مسلک وہی ہے جو ''المہند'' میں بالتفصیل مرقوم ہے یعنی برزخ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء بجسد عنصری زندہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہیں جو حضرات اس کے خلاف ہیں وہ اس مسئلہ میں دیو بند کے مسلک سے ہٹے ہوئے ہیں۔'' (الصدیق ج ۱، ۱۳۷۵ھ)

حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن سابق مفتی دارالعلوم دیو بند ارقام فرماتے ہیں: ''آنحضرت ﷺ اپنی مزار مبارک میں بجسدہ موجود اور حیات ہیں آپ کے مزار مبارک کے پاس کھڑے ہو کر جو سلام کرتا ہے اور درود پڑھتا ہے آپ خود سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔'' (الصدیق ملتان)

شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی ارقام فرماتے ہیں: ''تمام اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی یہ برزخی حیات اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ حیات حسی اور جسمانی ہے اس لئے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عام مؤمنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے۔'' (سیرۃ المصطفیٰ ج ۳ ص ۲۷۸)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رسالہ فضائل درود شریف میں فرماتے ہیں: اس حدیث پاک میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ درود روح مبارک اور بدن مبارک دونوں پر پیش ہوتا ہے۔

ان تمام حوالہ جات سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ''المہند'' میں تحریر کردہ عقیدہ تمام اسلاف اور اخلاف علماء دیو بند کا متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا عظیم کارنامہ

کتاب ''المہند'' عقائد علماء دیو بند ۱۳۲۵ھ میں تحریر کی گئی تھی اس وقت جو اکابر موجود تھے، ان سب نے اس کے مندرجات کی تائید اور توثیق فرمائی، ضرورت تھی کہ اس میں مندرج عقائد اور مسائل کی تائید و تصدیق کا سلسلہ آگے بھی بڑھے کہ بعد کے حضرات پہلوں کی تصدیق کر کے یہ ثابت کر دیں کہ یہ عقائد صرف ہمارے سلف ہی کے نہیں تھے بلکہ خلف بھی یہی عقائد رکھتے ہیں اور اخلاف اس بارہ میں اپنے اسلاف کے پیرو اور متبع ہیں نہ کہ مبتدع اور یہ نعم الخلف لنعم السلف کا صحیح مصداق ہیں، اس ضرورت کے پیش نظر حضرت والد ماجد فقیہ وقت یادگار سلف مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ نے اصل کتاب ''المہند'' کو سامنے رکھتے ہوئے حضرات اکابر کے جواب کو بطور عقیدہ اردو عبارت میں تحریر فرمایا۔ کتاب ''المہند'' کی اس طرح تلخیص فرمائی کہ اصل عبارت کا مفہوم محفوظ رہے اور بعض وہ مسائل جن کی ضرورت نہ تھی انہیں حذف کر کے بعض اہم عقائد کا اضافہ کر دیا جائے اور ان کے دلائل بھی لکھ دیے جائیں۔

چنانچہ ۱۳۸۸ھ میں آپ نے ''عقائد اہل السنۃ والجماعۃ المعروف بہ عقائد علماء دیو بند'' کے نام سے ''المہند'' کا خلاصہ تیار فرمادیا۔ اب ضرورت اس بات کی تھی کہ اس پر اسی دور کے اکابر کی تائید و تصدیق لی جائے، اس حوالہ سے حضرات اکابر علماء دیو بند سے رابطہ اور ان سے اس رسالہ پر تصدیق کا حصول آسان کام نہ تھا، لیکن حق تعالیٰ اس وقت کے ناظم اعلیٰ مرکز مجلس تحفظ ختم نبوت مخدوم العلماء مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ کو بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اس مرحلہ کو حل فرمایا۔ حضرت جالندھری نے اکثر حضرات کی تصدیق وفاق المدارس کے سالانہ اجتماع منعقدہ ملتان میں حاصل فرمائی، جبکہ بعض اکابر کی تصدیق کے لیے ان سے رابطہ فرما کر ان کی جائے قیام سے ان کی تصدیق حاصل کی، بعض بزرگوں سے حضرت والد ماجد نے خود بھی تصدیق لکھوائی۔ یوں یہ رسالہ علماء دیو بند کے جید علماء کرام کی تصدیق و توثیق سے مزین ہوا۔

ان حضرات اکابر رحمہم اللہ میں اس دور کے ان حضرات کے اسماء گرامی نمایاں ہیں:

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی، حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی، حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری، حضرت مولانا عبدالحق صاحب، حضرت علامہ شمس الحق صاحب افغانی، حضرت علامہ محمد یوسف بنوری، حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ!

حضرت جالندھری رحمہ اللہ نے اس کے بعد یہ رسالہ ''عقائد علماء دیوبند'' پہلی مرتبہ اپنی جماعت مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان کی طرف سے ۱۹۶۹ء میں شائع فرما کر ملک بھر میں پھیلایا، جزاھم اللہ تعالٰی خیرالجزاء!

حضرت جالندھری رحمہ اللہ کا یہ بہترین صدقہ جاریہ اور جماعت عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا یہ عظیم کارنامہ ہے، جسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

ان عقائد حقہ اور کتاب ''المہند'' اور اس کے خلاصہ پر بعد کے حضرات علماء کرام کی تائید کا سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا۔ چنانچہ ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹۸۵ء میں اس دور کے حضرات سے تصدیق لی گئی، اور پھر جب احقر نے ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۰۰۰ء میں اس رسالہ کی تلخیص کی اس وقت سے اب تک کے حضرات اکابر سے اس پر تائید وتصدیق کا سلسلہ جاری ہے۔ اس طرح کتاب ''المہند'' پر حضرت اقدس سہارنپوری اور حضرت شیخ الہند قدس سرہما سے لے کر موجودہ دور کے تمام اکابر تک کی تائید وتصدیق موجود ہے، اس طرح یہ واحد ہے جس پر سوا سو سال سے علماء دیوبند متفق چلے آ رہے ہیں۔ اس سے اس کتاب کی اہمیت واضح ہے۔ بعض دیگر اہم عقائد کے علاوہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ بھی اس میں موجود ہے، جس کی اصل عبارت ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

''المہند'' کی تالیف کے زمانہ سے لے کر آج تک سب علماء دیوبند کا اس عقیدہ پر اتفاق چلا آ رہا ہے۔ جو حضرات اس عقیدہ میں علماء دیوبند اور ''المہند'' سے اختلاف رکھتے ہیں، واضح بات ہے کہ وہ علماء دیوبند کے مخالف ہیں اور علماء دیوبند کا مسلک بالکل وہی ہے جو اہل السنۃ والجماعۃ کا ہے تو وہ اہل السنۃ والجماعۃ سے بھی الگ ہیں۔

حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع دیوبندی قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں: ''اور یہ ظاہر ہے کہ دیوبندیت کوئی مستقل مذہب نہیں، سلف اور جمہور علماء امت کے مکمل اتباع ہی کا نام دیوبند ہے، جو عقیدہ جمہور اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے وہ دیوبندیت کے بھی خلاف ہے۔'' (ماہنامہ ''الصدیق'' ملتان: ۱۳۷۸ھ)

عقیدہ حیات انبیاء کرام علیہم السلام اور اکابرین خاندان عثمانی

انبیاء کرام علیہم السلام اور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر کا عقیدہ جمہور اہل السنۃ کے مسلمہ عقائد میں سے ہے، اس کی تفصیل اور دلائل کتاب ھذا میں اپنے مقام پر ذکر کر دیے گئے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ اہل السنۃ کے نزدیک تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبور مطہرہ میں حیات ہیں اور ان کی یہ حیات روح مبارک کے تعلق سے انہی اجسام مطہرہ میں ہے جو قبور میں محفوظ ہیں، اسی وجہ سے اس حیات کو حیات دنیویہ بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ حیات مکمل طور پر ہرگز دنیوی حیات کی طرح اور تکلیفی حیات نہیں ہے۔

علماء دیوبند جمہور اہل السنۃ کی طرح مفتی اعظم پاکستان حضرت سیدی مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ، حضرت مفتی اعظم مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ اور سیدی شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کا عقیدہ بھی یہی ہے۔ تمام اکابر کی طرح یہ بزرگ اور اکابر بھی عالم برزخ میں دنیوی جسد اطہر ہی میں بہ تعلق روح حیات کے قائل

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہیں، ان حضرات میں سے کسی ایک بزرگ کا بھی یہ عقیدہ نہیں کہ قبر اطہر میں جسد اطہر بغیر حیات کے صرف محفوظ ہے اور اس میں حیات نہیں، یا اس میں بغیر تعلق روح کے حیات ہے، جیسا کہ منکرین حیات کا عقیدہ ہے، حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ کا عقیدہ بھی بالکل وہی ہے جو"المہند" میں مرقوم ہے جیسا کہ"المہند" کے خلاصہ پر ان کی مفصل تحریر اور ماہنامہ"الصدیق" ملتان ج۱، ۸، ۷ ۱۳ھ میں شائع شدہ آپ کے فتویٰ اور دیگر تحریرات سے واضح ہے۔

حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی عبارات

حضرت مفتی اعظم قدس سرہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:"اس مسئلے میں صرف اتنا عقیدہ رکھنا کافی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو برزخ میں خاص قسم کی حیات نصیب ہوتی ہے، جس کا اثر بدن تک پہنچتا ہے کہ بدن بھی مٹی سے متاثر نہیں ہوتا، باقی اس کی حقیقت اور کیفیت کی بحث، نہ اللہ اور رسول نے اس (کی) تحقیق کرنے کا حکم دیا نہ ہمارے ذمہ (ہے)، نہ اس میں بحث کرنا کوئی دین کی خدمت ہے۔" ۸/ ۶/ ۸۲ ۱۳ھ (امداد المستفتین ج۱ ص۳۸۹)

ماہنامہ الصدیق کی عبارت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخدومنا المحترم دامت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سوالات کے جواب سے پہلے یہ عرض ہے کہ میرے خیال میں پہلے بھی میری تحریر کا منشأ کچھ زیادہ مبہم نہ تھا مگر تعمیل ارشاد کے لئے مزید توضیح عرض کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ:

۱...... میرے نزدیک عوام کا یہ اجمالی عقیدہ کہ" حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں" ان کے ایمان اور نجات کے لئے کافی ہے، ان کے ذہنوں کو اس کی تفصیلات میں الجھانا مناسب نہیں خصوصاً ایسے زمانے میں کہ ہمارے عوام کو اسلام کے ضروری احکام فرائض وواجبات اور حلال وحرام تک کی خبر نہیں اور ان کو کسی واقعی مجبوری یا غفلت کی بنا پر ان ضروری احکام کا علم حاصل کرنے کی فرصت بھی نہیں۔ ہمارے لئے یہ اسلام کی کوئی اچھی خدمت نہ ہوگی کہ ہم ان کو ضروری احکام دین بتلانے کی بجائے اس مسئلے کی غیر ضروری تفصیلات میں الجھائیں جس بزرگ یا جس عالم نے عوام میں یہ بحث پیدا کردی ہے میرے نزدیک کوئی ثواب کا کام نہیں کیا اور آئندہ بھی اگر اس بحث کے کچھ اختلافی پہلو ہیں تو علماء کو چاہئے کہ صرف کسی علمی مجلس میں بیٹھ کر ان کو سلجھائیں عوام میں اس بحث اور اختلاف کی اشاعت تقریراً یا تحریراً کرنا سوائے مفاسد کے کوئی فائدہ نہیں رکھتا، اس لئے پچھلے جواب میں احقر نے قصداً مسئلے کی تفصیل و تنقیح سے گریز کیا تھا اب چونکہ سوال ایک بزرگ عالم کی طرف سے آیا اور ایک علمی رنگ میں آیا تو اپنی معلومات پیش کرتا ہوں۔

۲...... جمہور امت کا عقیدہ اس مسئلے میں یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام برزخ میں جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں ان کی حیات برزخی صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی حیات ہے جو حیات دنیوی کے بالکل مماثل ہے بجز اس کے کہ وہ احکام کے مکلف نہیں ہیں بلکہ ان کی حیات برزخی کے کچھ آثار بعض دنیوی احکام میں بھی باقی

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہیں مثلاً میراث کا تقسیم نہ ہونا، ان کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے بعد وفات کسی کا نکاح جائز نہ ہونا۔

متقدمین میں امام بیہقی کا اور متاخرین میں شیخ جلال الدین سیوطی کا مستقل رسالہ اس مسئلے کی توضیح کے لئے کافی ہے جن میں روایات حدیث پوری تنقیح کے ساتھ درج ہیں، بیہقی نے فرمایا: وَلِحَيَاةِ الْاَنْبِيَاءِ بَعْدَ الْمَمَاةِ شَوَاهِدُ مِنَ الْاَحَادِيْثِ الصَّحِيْحَةِ اس میں تصریح ہے کہ موت کے بعد ان کی حیات احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ موت صرف جسم پر آئی ہے روح پر نہیں اس لئے حیات بعد الموت وہی ہو سکتی ہے جس میں جسم بھی شریک ہو اس حیات کو صرف روحانی کہنے کے کوئی معنی نہیں۔ اور ''شفاء السقام'' میں امام حدیث وفقہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کا نواں باب اسی مسئلہ کی تحقیق کے لئے لکھا ہے، اس میں انبیاء علیہم السلام کے لئے بعد وفات کے حیات جسمانی حقیقی ثابت کرنے کے لئے فرمایا ہے: ''وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ مِنْ جَمَاعَةٍ مِّنَ الْعُلَمَاءِ وَشَهِدَ لَهُ صَلٰوةُ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ قَبْرِهٖ فَاِنَّ الصَّلٰوةَ يَسْتَدْعِيْ جَسَدًا حَيًّا وَكَذٰلِكَ الصِّفَاتُ الْمَذْكُوْرَةُ فِي الْاَنْبِيَاءِ لَيْلَةَ الْاِسْرَاءِ كُلُّهَا صِفَاتُ الْاَجْسَامِ وَلَا يَلْزَمُ مِنْ كَوْنِهَا حَقِيْقِيَّةً اَنْ تَكُوْنَ الْاَبْدَانُ مَعَهَا كَمَا كَانَتْ فِي الدُّنْيَا مِنَ الْاِحْتِيَاجِ اِلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ وَالْاِمْتِنَاعِ عَنِ النُّفُوْذِ فِي الْحِجَابِ الْكَثِيْفِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ مِنْ صِفَاتِ الْاَجْسَامِ الَّتِيْ نُشَاهِدُهَا بَلْ قَدْ تَكُوْنُ لَهَا حُكْمٌ اٰخَرُ فَلَيْسَ فِي الْعَقْلِ مَا يَمْنَعُ مِنْ اِثْبَاتِ الْحَيَاةِ الْحَقِيْقِيَّةِ لَهُمْ'' (شفاء السقام سبکی ص ۱۴۳)

اس کے بعد شہداء کی حیات برزخی پر بحث کرتے ہوئے فرمایا: ''فَلَمْ يَبْقَ اِلَّا اَنَّهَا حَيَاةٌ حَقِيْقِيَّةٌ، وَاِنَّ الشُّهَدَاءَ اَحْيَاءٌ، حَقِيْقَةً وَهُوَ قَوْلُ جُمْهُوْرِ الْعُلَمَاءِ لٰكِنْ هَلْ ذٰلِكَ لِلرُّوْحِ فَقَطْ اَوْ لِلْجِسْمِ مَعَهَا فِيْهِ قَوْلَانِ''

اس کے بعد اس قول ثانی کو ترجیح دی ہے کہ یہ حیات حقیقی صرف روح کے لئے نہیں بلکہ جسد کے لئے بھی ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ جب عام شہداء امت کے لئے برزخ میں حیات حقیقی جسمانی ثابت ہے تو انبیاء کی حیات کچھ اس سے اعلیٰ واقویٰ ہی ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الموت حقیقی جسمانی مثل حیات دنیوی کے ہے جمہور امت کا یہی عقیدہ ہے اور یہی عقیدہ میرا اور سب بزرگان دیوبند کا ہے۔

۳، ۴...... مسئلۂ مذکورۃ الصدر کی تحقیق میں یہ بھی آچکا ہے کہ صرف حیات روحانی کا قول جمہور علماء امت کے خلاف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دیوبندیت کوئی مستقل مذہب نہیں سلف اور جمہور اہل سنت والجماعت کے مکمل اتباع ہی کا نام دیوبندیت ہے، جو عقیدہ جمہور اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے وہ دیوبندیت کے بھی خلاف ہے۔

میرے سابقہ فتویٰ سے حیات جسمانی کے انکار پر سند پکڑنا صریح ظلم اور میرے کلام کی تحریف ہے۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ لِلسَّدَادِ!

آخر میں پھر عاجزانہ التماس ہے کہ حیات انبیاء کے تفصیلی درجات کی خالص علمی بحث کو علمی دائروں میں ہی رکھا جائے عوام میں نفیاً یا اثباتاً اس بحث کو ڈالنا نہ ان کے لئے کوئی خیر خواہی ہے اور نہ اسلام کی کوئی اچھی خدمت ہے، جو بحث کسی طرح سے رسالوں میں یا اشتہاروں کی صورت میں چل چکی ہے اس کو وہیں ختم کر کے اگر ہمت کرنا ہے تو کسی علمی مجلس میں مشافہۃً بحث کر لی جائے۔ والسلام

بندہ محمد شفیع غفرلہ دارالعلوم کراچی ۱۴/۴/۷۸ھ

(نشان مہر) نمبر ۶۴ ج / ۲ دارالعلوم کراچی ۲۰/۴/۷۸ھ

(ماہنامہ ''الصدیق''، ملتان، جمادی الاولیٰ ۱۳۷۸ھ)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ کی عبارات

۱...... رسالہ عقائد علماء دیوبند پر تصدیق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

بندہ عاجز نے حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی صاحب دامت برکاتہم کے رسالے ''عقائد اہل السنۃ والجماعۃ'' کا اکثر حصہ بغور حرفاً حرفاً سنا اور باقی کا خود مطالعہ کیا، اس طرح بحمداللہ اس عظیم النفع رسالے سے اول تا آخر استفادے کا موقع ملا۔

اس رسالے میں اہل السنۃ والجماعۃ کے وہ عقائد بیان کئے گئے ہیں جن سے پوری واقفیت نہ ہونے کے باعث اس زمانے میں عام طور پر افراط وتفریط پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف دامت برکاتہم کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے ان عقائد کو ہر قسم کی افراط وتفریط سے دامن بچاتے ہوئے، پوری سلامت روی کے ساتھ اکابر علماء امت کی تصریحات کے مطابق نقل فرمادیا ہے۔

اس رسالے سے یہ حقیقت بے غبار ہوکر سامنے آجاتی ہے کہ ان مسائل میں بھی علماء دیوبند کے عقائد بعینہ وہی ہیں جو اہل السنۃ والجماعۃ کی مستند اور مسلمہ کتابوں میں صدیوں سے نقل ہوتے چلے آرہے ہیں۔ جو شخص علماء دیوبند کے عقائد جاننا چاہے، اس کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ اہل السنۃ والجماعۃ اور خصوصاً فقہاء حنفیہ کی مستند اور مسلمہ کتابوں کا مطالعہ کرلے۔ جو کچھ ان کتابوں سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے وہی علماء دیوبند کے عقائد ہیں۔

مؤلف دامت برکاتہم نے ہر عقیدے کے آخر میں اُس کے ماخذ کا حوالہ بھی درج فرمادیا ہے۔ بیشتر عقائد مشہور ومعروف کتاب ''المہند علی المفند'' سے نقل فرمائے ہیں، جو اس موضوع پر اکابر علماء دیوبند کی مستند ترین دستاویز ہے، بندۂ ناچیز نے اپنے استفادے کے لیے ایسے تمام عقائد کا بیان خود ''المہند'' میں بھی نکال کر بغور پڑھا اور سنا، اور سب کو مطابق اصل پایا۔ ''المہند'' کے بیشتر مسائل اس رسالے میں کہیں تفصیل سے اور کہیں اختصار کے ساتھ آگئے ہیں۔ اس طرح یہ رسالہ بحمداللہ ''المہند'' کا بھی ایک مستند خلاصہ بن گیا ہے۔ اس رسالہ میں کچھ عقائد علماء اہل السنۃ والجماعۃ کی دیگر مستند اور مسلمہ کتابوں اور فتاویٰ سے بھی لیے گئے ہیں، جن کا حوالہ ساتھ درج کردیا گیا ہے۔

اس بابرکت رسالے کی وقعت واہمیت کے لیے یہی سند کافی ہے کہ اس کا اصل ماخذ ''المہند علی المفند'' ہے، اور اصل کی طرح یہ بھی اکابر علماء دیوبند کی تصدیقات سے مزین ہے۔ لہٰذا بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی ان عقائد سے اختلاف رکھتا ہے تو ان مسائل میں اُس کے عقائد مسلک علماء دیوبند کے مطابق نہیں۔ واللہ علی ما نقول وکیل!

بندہ ناچیز محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

خادم دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

۲۵ رجمادی الثانیہ ۱۴۰۶ھ ۷ رمارچ ۱۹۸۶ء جمعۃ المبارک

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

۲...... حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ اور کتاب ''المہند''

''کتاب ''المہند'' اپنے موضوع پر علماء دیوبند کی مستند ترین دستاویز ہے، اس میں جو عقائد علماء دیوبند کے تحریر کئے گئے ہیں وہ مسلک دیوبند کے عین مطابق ہیں جو شخص ان عقائد سے اختلاف رکھتا ہے ان مسائل میں ان کے عقائد مسلک دیوبند کے مطابق نہیں ہیں۔ سماع النبی ﷺ فی قبرہ الشریف اور مسئلہ توسل کے متعلق بھی جو عقیدہ کتاب ''المہند علی المفند'' میں بیان کیا گیا ہے وہی ہمارا اور تمام اکابر علماء دیوبند کا عقیدہ ہے اور ہمارے نزدیک وہی درست ہے، اس کے خلاف کا عقیدہ ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک درست نہیں۔'' ۱۳۹۶/۱۰/۳ھ

(فتاویٰ دارالعلوم کراچی، امدادالسالکین، ج ا ص ۲۵۵)

۳...... انبیاء علیہم السلام کی حیاتِ برزخی

''انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات برزخی ہے لیکن یہ حیات برزخی عام مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ قوی ہے اس میں روح کا رشتہ جسد کے ساتھ اتنا زیادہ قوی رہتا ہے کہ اسے حیات دنیویہ کے ساتھ بہت قرب ہے اور اس کی بنا پر ان پر مطلقاً احیاء کا اطلاق کیا جاتا ہے، اسی لیے انبیاء علیہم السلام کی نہ میراث تقسیم ہوتی ہے، نہ ان کی ازواج مطہرات سے بعد میں کوئی نکاح کر سکتا ہے...... اور انبیاء کا قبر میں نماز پڑھنا بظاہر اجساد کے ساتھ ہی ہے۔'' (امدادالسالکین)

سیدی حضرت شیخ الاسلام مدظلہم کی تحقیق اور عقیدہ بھی بالکل وہی ہے جو اہل السنۃ والجماعۃ اور علماء دیوبند کا عقیدہ ہے، چنانچہ ''تکملہ فتح الملہم'' ج ۶ اور ''فتاویٰ عثمانی'' ج ۵ دیکھنے سے واضح ہے۔

وضاحت: واضح رہے کہ ان اکابر کا ذوق فروعی مسائل سے متعلق ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ بغیر ضرورت ان کا ذکر نہ ہو، نیز ان میں اشتغال وانہماک اور قیل وقال یا مناظرہ بازی نزاع اور جھگڑا ہرگز مناسب نہیں اور نہ ہی ان میں حد سے زیادہ غور وخوض اور غیر ضروری تفصیلات میں الجھاؤ مناسب ہے۔

اسی لیے ان بزرگوں نے بوقت ضرورت اس طرح کے سوالات کے جواب میں اکثر بقدر ضروری جواب پر ہی اکتفا فرمایا ہے ورنہ اس مسئلہ میں بھی ان کا اپنا مسلک اور عقیدہ بالکل اسی تفصیل کے مطابق ہے، اکابر علماء دیوبند اور اہل السنۃ جس کے قائل ہیں۔ ان بزرگوں نے حکمت مصلحت اور مقتضائے حال کے مطابق مسئلہ حیات الانبیاء علیہم السلام سے متعلق اپنے بعض بیانات اور فتاویٰ یا تحریرات میں جس اجمال کا ذکر فرمایا ہے اس کا منشا بھی یہی تھا کہ ان جیسے مسائل میں بحث ومباحثہ، غور وخوض اور تفصیل میں عوام کا الجھنا مناسب نہیں۔

لیکن افسوس! کہ منکرین حیات نے اس اجمال کی وجہ سے ان حضرات کو اپنے عقیدہ کا حامل اور تائید کنندہ قرار دینا شروع کر دیا، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے، جیسا کہ مسئلہ ھذا میں ان اکابر کی مندرج ذیل تصریحات کے دیکھنے سے واضح ہے۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کی عبارات

''ان الاصل فی ھذہ المسئلۃ قول اللہ تبارک وتعالیٰ: ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولٰکن لا تشعرون۔ ولما ثبتت الحیاۃ للشہداء ثبتت للانبیاء علیہم السلام بدلالۃ ھذا النص لان مرتبۃ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

الانبیاء اعلیٰ من مرتبة الشہداء بلاریب یقول الشوکانی فی نیل الاوطار(آداب الجمعة ۲۱۱/۳) وورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشہداء انہم احیاء یرزقون وان الحیاة فیہم متعلقة بالجسد فکیف بالانبیاء والمرسلین۔'' (تکملہ ج ۵ ص ۲۸)

حدیث پاک: ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء سے متعلق تحریر فرماتے ہیں: ''وان ذکر بقاء جسدہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ فی سیاق عرض الصلاة علیہ یدل علی ان لروحہ المبارکة تعلقاً بجسدہ وان عرض الصلاة یکون علی مجموع جسدہ وروحہ والا لما کان لذکر الجسد فی الجواب معنیٰ'' (ج ۵ ص ۲۹)

مسئلہ حیاۃ الانبیاء علیہم السلام سے متعلق احادیث کو ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ''وبالجملة فان ہٰذہ الاحادیث مع حدیث الباب تدل علی کون الانبیاء احیاء بعد وفاتہم وہو من عقائد جمہور اہل السنة والجماعة۔۔۔۔وانما المقصود حیاتہم بمعنیٰ ان لارواحہم تعلقاً قویاً باجسادہم الشریفة المدفونة فی القبور وبہٰذا التعلق القوی حدثت لاجسادہم خصائص کثیرة من خصائص الاحیاء مثل سماع السلام وردہ واشتغالہم بالعبادة وما الیٰ ذٰلک من الخصائص المنصوصة۔'' (ج ۵ ص ۳۰)

''والذی یتحصل بالنظر فی النصوص ان الموت وان کان عبارة عن مفارقة الروح للجسد ولٰکن یبقیٰ للروح بعد الموت علاقة ما بالجسد الذی فارقتہ وبہٰذہ العلاقة یتألم الجسد بعذاب القبر ویتنعم بنعیم البرزخ علی ما ذہب الیہ جمہور اہل السنة من ان عذاب القبر یقع علی الجسد مع الروح وہو المراد من اعادة الروح الی الجسد عند السوال فی القبر وعند التعذیب الخ۔'' (ص ۳۱)

روح کا یہ تعلق قبر میں موجود جسم سے ایک جیسا نہیں ہوتا بلکہ کسی سے یہ تعلق قوی ہے، کسی سے ضعیف اور کسی سے اقویٰ چنانچہ عام ارواح کے ساتھ یہ تعلق بہت ضعیف ہوتا ہے، جبکہ شہداء کے اجساد کے ساتھ یہ تعلق بہ نسبت عام موتیٰ کے قوی ہوتا ہے۔ اسی لیے فرماتے ہیں: ''حتی ان الارض لا تأکل اجسادہم فاطلق القرآن علیہم اسم الاحیاء ولو کان المراد حیاتہم البرزخیة والروحیة فقط لما کان بینہم وبین الآخرین فرق وانما الفرق بینہم وبین سائر الموتیٰ ان لارواحہم تعلقاً قویاً بالاجساد فحیاتہم جسمانیة بہٰذا المعنیٰ۔''

رہا معاملہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا تو ان کی ارواح طیبہ کا تعلق ان کے اجساد کے ساتھ سب سے زیادہ قوی ہوتا ہے، اسی لیے شہداء کرام اور انبیاء کرام کی حیات کو حیات جسمانیہ حقیقیہ کہا جاتا ہے، حیث قال: ''واما الانبیاء علیہم السلام فعلاقة ارواحہم باجسادہم الشریفة اقویٰ العلاقات التی تتصور فی انسان بعد طریان الموت علیہ وان ہٰذہ العلاقة القویة قد اثرت علی بعض احکامہ الدنیویة ایضاً الخ۔'' (ص ۳۱)

''فالحیاة الجسمانیة حقیقیة کلیة تطلق علی عدة مدارج من تعلق الروح بالجسد بعضہا اقویٰ من بعض وما ثبت للانبیاء والشہداء بعد وفاتہم انما ہو حیاة جسمانیة حقیقیة لثبوت کثیر من خصائص الحیاة السابقة علی الموت ولٰکنہا تفارق ہٰذہ الحیاة الدنیویة التی کانت ثابتة لہم قبل وفاتہم فی کثیر من الاحکام، وحاصل ہٰذہ الحیاة الجسمانیة الحقیقیة تعلق الروح بالجسد تعلقاً قویاً یفرق التعلق

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

الذی حصل لغیرھم من الموتیٰ۔۔۔اعتیاف فمن لھذا القدر الثابت بالنصوص وفوض کنہہ الی اللہ تعالیٰ سلمت عقیدتہ ان شاء اللہ۔" (ص ۳۲)

وکذٰلک انکار ھٰذہ العلاقۃ بین الروح والجسد التی ثبتت بالنصوص المتکاثرۃ التی لا مجال لانکارھا زیغ ومکابرۃ ولا یجوز لاحد من العلم والانصاف ان ینکرھا صریحاً۔ (ص ۳۲)

فالحقائق التی یجب الاعتراف بھا بمقتضی النصوص ھی کالتالی:

۱...... ان لارواح الانبیاء الشریفۃ بعد وفاتھم تعلقاً قویاً باجسادھا۔

۲...... وان ھٰذا التعلق اقویٰ بکثیر من تعلق ارواح غیرھم من الموتیٰ باجسادھم۔

۳...... وبفضل ھٰذا التعلق حدث لھم من خصائص الحیاۃ السابقۃ علی وفاتھم ما قد علمہ بالنصوص۔

۴...... وان ھٰذا التعلق القوی یصح التعبیر عنہ بالحیاۃ وعن اصحابہ بالاحیاء کما ورد فی النصوص۔

۵...... وان ھٰذہ الحیاۃ الحاصلۃ لھم بعد وفاتھم لیست الحیاۃ الدنیویۃ بعینھا او بجمیع خصائصھا بل ھی مثل الحیاۃ الدنیویۃ فی بعض خصائصھا المنصوصۃ جزماً وفی بعضھا احتمالاً۔

وما دام الانسان یعترف بھٰذہ الحقائق فانہ موافق لعقیدۃ اھل السنۃ والجماعۃ ولا حاجۃ الی الخوض فی تفاصیلھا باکثر مما ذکرنا، واللہ سبحانہ اعلم! (ج ۵ ص ۳۳)

تکملہ فتح الملہم کے اقتباسات کا ترجمہ

اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی: ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولٰکن لا تشعرون۔ ایک بنیاد اور اصل کی حیثیت رکھتا ہے اور جب شہداء کرام کے لیے اسی آیت قرآنی کی وجہ سے حیات ثابت ہے تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جو بلاشبہ شہداء سے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں اس نص کی دلالت سے ان کی حیات بھی اس سے ثابت ہے۔

امام شوکانی "نیل الاوطار"، آداب الجمعہ ج ۳ ص ۳۱۱ میں فرماتے ہیں، کتاب اللہ میں شہداء کی حیات سے متعلق نص وارد ہوئی ہے کہ وہ زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے اور ان کی حیات ان کے جسد سے متعلق ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات مبارکہ کا کیا حال ہوگا (جن کا درجہ ان سے کہیں زیادہ ہے)۔ (تکملہ: ج ۵ ص ۲۸)

ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کے کھانے کو حرام کردیا۔ اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں: "صلاۃ وسلام پیش کرنے کے ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انبیاء کرام کے اجساد کے باقی رہنے کا ذکر اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح مبارکہ کا آپ کے جسد اطہر سے تعلق ہے اور صلاۃ وسلام روح اور جسد اطہر دونوں پر پیش ہوتے ہیں ورنہ جواب میں جسد کی حفاظت اور بقاء کے ذکر کا کوئی مطلب نہیں بنتا۔" (ج ۵ ص ۲۹)

مسئلہ حیات الانبیاء علیہم السلام سے متعلق احادیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "حاصل یہ کہ مذکورہ احادیث اور حدیث باب اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام وفات کے بعد زندہ ہیں اور یہ عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد میں سے ہے (لیکن اس حیات سے مراد بالکل دنیا والی حیات نہیں ہے)۔۔۔ بلکہ اس حیات سے مقصود یہ ہے کہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

انبیاء کرام علیہم السلام کے جو اجسام ان کی قبور میں محفوظ ہیں ان سے ان کی ارواح مبارکہ کا قوی تعلق ہے، اس قوی تعلق کی وجہ سے ان کے اجساد شریفہ میں زندہ حضرات کی بہت سی خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں، جیسے صلاۃ وسلام کا سننا اور اس کا جواب عنایت فرمانا اور عبادات میں مشغول ہونا، اسی طرح دوسرے خصائص جو منصوص ہیں۔ (ج ۵ ص ۳۰)

نصوص یعنی قرآن اور احادیث طیبہ میں غور کے بعد جو کچھ حاصل ہوا وہ یہ ہے کہ موت اگرچہ روح کے جسم سے علیحدگی کا نام ہے، لیکن موت کے بعد روح کا اس جسم سے کچھ نہ کچھ تعلق باقی رہتا، اسی تعلق روح کی وجہ سے جسم عذاب قبر سے تکلیف اور برزخ کی راحت سے راحت کو محسوس کرتا ہے، جیسا کہ جمہور اہل السنۃ کا مذہب ہے کہ قبر کا عذاب جسم اور روح دونوں کو ہوتا ہے، قبر میں سوال اور عذاب کے وقت روح کے جسم کی طرف لوٹنے کا یہی مطلب ہے، یہاں تک کہ زمین ان کے جسموں کو نہیں کھاتی، پس قرآن کریم نے (بھی) انہیں زندہ کہا اور اس حیات سے شہداء کی برزخیہ یا فقط روحانی حیات مراد ہوتی تو ان کی اور دوسرے عام اموات کی حیات میں کوئی فرق نہ رہتا، بے شک ان کی اور دیگر عام موتی کی زندگی میں یہی فرق ہے کہ ان کی ارواح کا ان کے اجسام کے ساتھ قوی تعلق ہے، اس اعتبار سے ان کی حیات جسمانی ہے۔

اور انبیاء کرام علیہم السلام پس ان کے اجساد مبارکہ سے ان کی ارواح طیبہ کا تعلق ان تمام تعلقات سے جو موت کے طاری ہونے کے بعد کسی بھی انسان کے ساتھ ہو سکتے ہوں ان سب سے قوی ہے، اور یہ قوی تعلق بعض دنیوی احکام پر بھی اثر انداز ہے۔

حیات جسمانی ایک کلی حقیقت ہے، روح کے جسم کے ساتھ تعلق کے جو درجات ہیں ان پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور وہ تعلق ایک درجہ کا نہیں بلکہ ایک دوسرے سے قوی ہے، انبیاء کرام علیہم السلام اور شہداء کی وفات کے بعد ان کی حیات جسمانی اور حقیقی ہے، کیونکہ موت سے پہلے کے زندگی کے بہت سے خصائص ان کے لیے ثابت ہیں لیکن ان کی یہ دنیوی حیات بہت سے احکام میں اس حیات سے مختلف ہے، جو انہیں وفات سے قبل حاصل تھی۔

اس حیات جسمانی حقیقی کا حاصل یہ ہے کہ روح کا جسم کے ساتھ ایسا قوی تعلق ہے، جو اس تعلق سے قوی ہے جو عام موتی کو حاصل ہوتا ہے۔ پس جو شخص نص سے ثابت اس حیات کا قائل ہو اور اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے، ان شاء اللہ اس کا عقیدہ صحیح سالم ہے۔ (ص ۳۲)

اسی طرح روح اور جسد کے ساتھ اس تعلق کا انکار (جو بہت سے ایسے نصوص سے ثابت ہے جن کے انکار کی گنجائش نہیں) گمراہی اور ہٹ دھرمی ہے۔ اہل علم اور اہل انصاف کے لیے اس کا انکار جائز نہیں ہے۔ (ص ۳۲)

پس نصوص کے تقاضہ کے مطابق جن حقائق کا اعتراف ضروری ہے وہ اس طرح ہیں:

۱...... وفات کے بعد انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح مبارکہ کا ان کے اجساد سے قوی تعلق ہے۔

۲...... دوسرے موتی کے اجساد کے ساتھ ان کی ارواح کا جو تعلق ہے انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد مبارکہ سے ان کی ارواح طیبہ کا تعلق ان سے قوی ہے۔

۳...... اس تعلق کی بدولت وفات سے قبل ان کی حیات طیبہ کی خصوصیات ان کے لیے ثابت ہیں جو نصوص سے ثابت ہیں۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

۴...... اور اس قوی تعلق کو حیات اور جن حضرات کے اجسام سے روح کا یہ تعلق ہے انہیں زندہ سے تعبیر کرنا صحیح ہے، جیسا کہ نص میں وارد ہے۔

وفات کے بعد انہیں جو حیات حاصل ہے، بعینہا یہ دنیوی حیات نہیں، نہ دنیوی حیات کی تمام خصوصیات اس حیات میں پائی جاتی ہیں بلکہ بعض خصائص منصوصہ پائے جانے کے اعتبار سے یقیناً اسے دنیوی حیات کے مثل کہا جائے گا اور بعض خصائص کی وجہ سے احتمالاً اور جب تک انسان ان حقائق کا اعتراف کرتا رہے گا تو اس کا عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ کے موافق ہوگا، جو تفصیلات ہم نے ذکر کر دی ہیں اس سے زیادہ میں غور وخوض کی ضرورت نہیں ہے۔ (ج ۵ ص ۳۳)

تکملہ فتح الملہم میں جب حیات الانبیاء علیہم السلام کا مسئلہ آیا تو حضرت شیخ الاسلام نے اسے قدرے تفصیل سے تحریر فرمایا۔ یہ بحث ''تکملہ'' کی پانچویں جلد سے متعلق تھی۔ تکملہ کی پانچویں جلد بالکل تیار تھی اور وہ پریس میں جارہی تھی کہ حضرت شیخ الاسلام جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد کے جلسہ پر تشریف لائے، حضرت والد صاحب رحمہ اللہ سے آپ نے فرمایا کہ ''تکملہ'' میں حیات انبیاء کرام علیہم السلام کا مسئلہ میں لکھ چکا ہوں اور میرا دل چاہتا ہے کہ ایک نظر آپ بھی اس پر ڈال لیں تا کہ اگر کوئی غلطی ہوئی تو طباعت سے قبل ہی صحیح ہو جائے، ورنہ طباعت کے بعد بھی آپ اس پر ضرور گرفت فرمائیں گے۔

حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ آپ یہ بحث بھیج دیں میں دیکھ لوں گا، چنانچہ رمضان المبارک کے مہینہ میں حضرت شیخ الاسلام مدظلہم نے ''تکملہ'' کے متعلقہ صفحات ارسال فرمائے، حضرت والد صاحب نے انہیں بامعانِ نظر ملاحظہ فرما کر کئی مقامات پر توضیح وایضاح کے لیے حواشی تحریر فرمائے، اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی تصحیح فرما کر مسودہ حضرت شیخ الاسلام مدظلہم کو بھیج دیا، اس پر حضرت کا شکریہ کا خط آیا ورایک مقام جس کی حضرت والد صاحب نے تصحیح فرمائی تھی اسے اصل کتاب میں شامل فرما لیا گیا۔ یوں ''تکملہ'' کی یہ ساری بحث حضرت والد صاحب کی بھی مصدقہ ہے۔ فیصل آباد کی اسی ملاقات پر حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے حضرت شیخ الاسلام سے جب اپنی کتاب ''حیات انبیاء کرام علیہم السلام'' کے مطالعہ سے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے فرمایا کہ: ''آپ کی کتاب میں نے دو مرتبہ پڑھی ہے، آپ نے ان (منکرین حیات) کو گھر تک پہنچا دیا ہے۔''

مفتی محمود اشرف عثمانی رحمہ اللہ کی عبارت کی توضیح

اس بحث کے تتمہ کے طور پر عرض ہے کہ اصل عربی کتاب ''المہند'' پر جب جناب مولانا محمد بن آدم الکوثری مدظلہ نے تحقیق وتعلیق کا کام کیا تو انہوں اس کتاب پر حضرت مولانا مرحوم سے بھی تقریظ لکھوائی مولانا محمد بن آدم الکوثری حفظہ اللہ نے کتاب کا نام ''مباحث فی عقائد اہل السنۃ المسمّی المہند علی المفند'' رکھا مکتبہ دارالعلوم کراچی نے اسے ۱۴۳۳ھ میں شائع کیا اس پر حضرت مولانا نے تقریباً تین صفحات پر مشتمل اپنی رائے گرامی تحریر فرمائی ہے جس میں مولانا محمد بن آدم الکوثری کی خدمات کو سراہتے ہوئے کتاب ''المہند'' کے متعلق دو اہم نکات کو ذکر فرمایا ہے: ''ایک یہ کہ ''المہند'' درحقیقت عقائد کی کوئی مستقل کتاب نہیں اور نہ ہی حضرت سہارنپوری قدس سرہ نے یہ کتاب مستقلاً عقائد کے موضوع پر تحریر فرمائی ہے بلکہ عرب کے علماء کرام کے سوالات کے جواب کے

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

طور پر لکھی گئی ہے اور ''المہند علی المفند'' کے نام سے شائع ہوئی لیکن اکثر جوابات کا تعلق عقائد سے بلکہ صحیح تعبیر کے مطابق ایسے فروعی مسائل سے تھا جو عقائد اور علم کلام سے تعلق رکھتے ہیں اسی لئے یہ کتاب ''عقائد'' کے نام سے مشہور ہوگئی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے اکثر مسائل علم کلام کے فروعی مسائل سے متعلق ہیں نہ کہ اصول اور عقائد قطعیہ سے'' اسی لئے اگر کوئی مسلمان ان عقائد میں کسی چھوٹے یا بڑے مسئلہ کو نہیں جانتا تو اس کے ایمان واسلام میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا۔ اصل عربی عبارت یہ ہے:

''ھٰذا ومما ینبغی ان یعلم القاری نقطتین مھمتین فی صدد ھٰذا الکتاب:۔''

''الاولٰی: ان ھٰذا الکتاب اسمہ "المھند علی المفند" وانہ وان اشتھر فی بعض اوضاع الھند وباکستان ب"عقائد اہل السنۃ والجماعۃ" او ب"عقائد علماء دیوبند" فانہ فی الحقیقۃ لیس کتاباً مستقلاً للعقائد، ولا کتبہ مؤلفہ الشیخ الفاضل الفقیہ المحدث خلیل احمد السہارنفوری رحمہ اللہ تعالٰی ککتاب مستقل فی العقیدۃ۔ وانما ھو مجموع اجوبۃ عن اسئلۃ تسأل بھا علماء العرب اذ ذاک، فاجاب الشیخ بھٰذہ الاجوبۃ، وقد جمعت ھٰذہ الاسئلۃ والاجوبۃ فی کتاب، وطبع باسم "المھند علی المفند"''

''ولما کانت ھٰذہ الاجوبۃ اکثرھا یتعلق بالعقائد، وبالتعبیر الصحیح کانت تتعلق بالفروع التی تتعلق بالعقائد وعلم الکلام، اشتھرت ب((العقائد))، والحق ان اغلبیتھا تتعلق بالفروع الکلامیۃ لا بالاصول والعقائد القطعیۃ، ولذا لو لم یعرف مسلم بعضھا او جلھا لا یقع فی اسلامہ وایمانہ ای خلل۔۔۔ ولذا الافضل ان لا یسمی ھٰذا الکتاب باسم ((عقائد اھل السنہ والجماعۃ)) وانما ھو احریٰ ان یسمی ب((مسلک اھل السنۃ والجماعۃ))۔''

اسی وجہ سے بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا نام ''عقائد اہل السنۃ والجماعۃ'' نہ رکھا جائے بلکہ ''مسلک اہل السنہ والجماعۃ'' نام رکھنا زیادہ مناسب ہے۔

''الثانیۃ: ان ھٰذہ المسائل التی ذکر فی ھٰذا الکتاب وان کانت صحیحۃ بلاریب، ولکن بعضھا ثابتۃ بالنصوص القطعیۃ، وبعضھا ثبتت بالنصوص الظنیۃ، وبعضھا ثبتت باقوال العلماء الکبار بالقیاس الصحیح، ولم یرد بہ نص قطعی ولا ظنی، کمسألۃ افضلیۃ البقعۃ الشریفۃ علی العرش والکرسی، فھٰذہ المسائل لیست علٰی مستویً واحد بل تختلف درجاتھا حسب ثبوتھا، وباختلاف ثبوتھا ودرجاتھا تختلف احکامھا۔۔۔ فھٰذہ المسائل التی ذکرت فی ھٰذا الکتاب القیم صحیحۃ بلاریب، ثابتۃ بالاصول الشرعیۃ، ولٰکن تختلف درجاتھا، وباختلاف درجاتھا تختلف احکامھا۔''

دوسری اہم بات یہ ہے کہ: اس کتاب میں ذکر کردہ تمام مسائل اگرچہ بلاشک وشبہ درست ہیں، البتہ ان میں سے بعض مسائل قطعی دلائل اور مضبوط نصوص سے ثابت ہیں، کچھ مسائل ظنی دلائل سے ثابت شدہ ہیں اور بعض مسائل درست معیار وقیاس کے ذریعے بڑے بڑے علماء کے اقوال سے ثابت ہیں، ان کے بارے میں کوئی قطعی یا ظنی نصوص اور دلیل وارد نہیں ہے، مثلاً یہ مسائل کہ: ''آپ علیہ السلام کے روضۂ مبارک کا وہ حصہ جو آپ علیہ السلام کے جسد اطہر سے ملا ہوا ہے وہ مبارک ومقدس زمین کا ٹکڑا عرش وکرسی سے افضل ہے۔''

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تو اس طرح ان تمام مسائل کا درجہ یکساں نہیں ہے، بلکہ ان کے ثبوت کے اعتبار سے ان کے درجات میں فرق ہے، اور ثبوت و درجات کے مختلف ہونے کی وجہ سے ان کے احکامات بھی باہمی مختلف ہیں۔۔۔۔ تو اس مایہ ناز کتاب میں ذکر کردہ یہ مسائل بلاشک وشبہ درست ہیں، شرعی اصولوں اور دلیلوں سے ثابت شدہ ہیں، لیکن ان کے درجات مختلف ہیں اور ان کے درجات مختلف ہونے سے ان کے احکام بھی مختلف ہوں گے۔

فلو فهم القاری هاتين النقطتين اللتين ذكرناهما آنفاً لكان القارئ محفوظاً عن الافراط والتفريط في هذه المسائل الصحيحة۔

تو اگر قارئین سابق میں ذکر کردہ ہماری ان دو باتوں کو ذہن نشین کر لیں تو ان درست مسائل میں افراط وتفریط کا شکار ہونے سے محفوظ و مامون رہیں گے۔

کتاب کی اصل عربی عبارت اور ترجمہ سے واضح ہے کہ چونکہ ''المہند علی المفند'' میں بیان کردہ اکثر مسائل کا تعلق فروعی عقائد سے ہے (اگر چہ اس میں بعض قطعی عقائد بھی ہیں) لیکن اکثر مسائل کا لحاظ کرتے ہوئے اگر اسے ''مسلک اہل السنۃ'' کا نام دے دیا جائے تو زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ نے یہ کتاب سوالات کے جواب میں تحریر فرمائی نہ کہ مستقلاً عقائد کے موضوع پر۔

دوسرے یہ کہ: ''اگر چہ اس میں ذکر کردہ تمام مسائل صحیح ہیں لیکن سب کا ایک درجہ نہیں۔''

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے کہ ''بہتر یہ ہے کہ اس کا نام عقائد کی بجائے مسلک کی کتاب رکھا جائے'' اس کا منشا یہ نہیں کہ اس میں سرے سے عقائد کا ذکر ہی نہیں یا یہ کہ جن عقائد کا ذکر آیا ہے وہ سب ظنی اور فروعی ہیں یا یہ کہ وہ صحیح نہیں، بلکہ ان کا منشا یہ ہے کہ ''المہند'' کے تمام مسائل کو قطعی عقائد کا درجہ نہ دیا جائے کیونکہ اس میں اکثر مسائل عقائد سے متعلق نہیں ہیں، یہ بات اگر چہ فی نفسہٖ صحیح ہے، لیکن چونکہ بعض مسائل اس میں ایسے بھی ہیں جو اعتقادی ہیں اس لئے اگر تسمیۃ الکل باسم الجزء کے قبیل سے پوری کتاب پر عقائد کے نام کا اطلاق کر دیا جائے تو یہ بھی غلط نہیں کیونکہ کتابوں کے اسما میں یہ تعبیر عند المولفین ذائع شائع ہے، اسی لئے انہوں نے کتاب کے نام کی تبدیلی کے لیے ''اولیٰ'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے نہ کہ ''یجب'' کا ''فافہم حق الفہم'' ھذا ما عندی، واللہ اعلم بمراد کلام عبادہ۔

اس لئے ان کی طرف یہ منسوب کرنا کہ وہ کلیۃً یعنی سرے سے ''المہند'' کو عقائد کی کتاب ہی نہیں مانتے، خلاف واقعہ ہے۔

رہی دوسری بات کہ ''المہند'' میں ذکر دہ مسائل عقائد ایک درجہ کے نہیں ہیں ان میں باہم تفاوت ہے، اس لیے ہر ایک کا حکم الگ الگ ہوگا تو یہ بالکل حق اور صواب ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہ بات بھی بڑی وضاحت کے ساتھ فرمائی ہے کہ اس کتاب میں مندرجہ تمام مسائل حق ہیں، اس کے باوجود انہیں بعض حضرات کا ''المہند'' کے مخالفین میں شمار کرنا باعث حیرت ہے، یاللعجب!

اب رہا یہ کہ کیا مسئلہ حیات انبیاء کرام علیہم السلام اور شہداء عظام کے متعلق اتنا عقیدہ رکھنا کافی ہوگا کہ وہ برزخ میں زندہ ہیں؟ یا اس تفصیل کا ماننا بھی ضروری ہوگا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات فی القبور المطہرۃ ان کے دنیوی اجسام میں روح مبارک کے تعلق سے ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تفصیل بالا سے واضح ہے کہ فقط اتنا عقیدہ رکھنا کافی نہیں کہ عالم برزخ میں وہ زندہ ہیں، بلکہ اہل السنۃ اور اہل حق کے نزدیک یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ عالم برزخ (قبر) میں ان حضرات کو روح کے تعلق سے حیات حاصل ہے، یہ صرف روح یا صرف بدن کی حیات نہیں ہے کیونکہ بغیر تعلق روح حیات کا عقیدہ جمہور اہل السنۃ میں سے کسی کا نہیں یہ معتزلہ وغیرہ کی شاخ صالحیہ وکرامیہ اورروافض کا ہے،عقائد اہل السنۃ کی دوسری کتاب ''الخیالی'' کے مشہور محشی علامہ ابوبی اسی مسئلہ کی تشریح میں فرماتے ہیں :''اعلم ان المذھب فی ھذاالمقام ثلاثۃالاول المیت حی فی قبرہ فیعذب وھذاھو المذھب اھلالسنۃ والحق والثانی انہ جماد لایعذب ولا ید رک العذاب ھذا ھو المذھب جمھور المعتزلۃ والروافض والثالث انہ جمادیعذب وھذاھو مذھب الصالحیۃ من المعتزلۃ ومذھبابن جریر'' (الخیالی ۱۱۸)

اورعلامہ نووی شارح مسلم وغیرہ نے اعادہ روح کی تصریح کی ہےاور بغیر اعادہ روح کے تعذیب کو فاسد کہا ہے چنانچہ علامہ نووی شارح مسلم فرماتے ہیں: ثم المعذب عند اھل السنۃ الجسد بعینہ او بعضہ بعد اعادۃ الروح الیہ او الیٰ جزئٍ منہ وخالف فیہ محمد بن جریر وعبداللہ بن کرام وطائفۃ فقالوا لاتشترط اعادۃ الروح قال اصحابنا ھذافاسدلان الالم والاحساس یکون فی الحی الخ (شرح مسلم ص ۳۸۵ ج ۲) علامہ ملاعلی قاری حنفی رحمہ اللہ الفاظ حدیث فیعاد روحہ فی جسدہٖ کی شرح میں فرماتے ہیں:ظاھر الحدیث ان عود الروح الٰی جمیع اجزاء بدنہ فلاالتفات الی قول البعض ولا الٰی قول ابن جریر الٰی نصفہ فانہ لا یصح ان یقال من قبل العقل بل یحتاج الٰی صحۃ النقل (مرقات ص ۲۰۵ ج ۴)

امام ابوبکر الجصاص الرازی الحنفی (المتوفی ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں: واذاجاز ان یکون المؤمنون قد احیوا فی قبورھم قبل یوم القیامۃ وھم منعمون فیھا جاز ان یحی الکفار فی قبورھم فیعذبوا (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۵۸) علامہ سید محمود الحنفی آلوسی مفتی بغداد فرماتے ہیں:''وتحقیقہ فی شرح الشمائل للعلامۃ ابن حجر ثم اعلم ان اتصال الروح بالبدن لا یختص بجزء دون جزء بل ھی متصلۃ مشرقۃ علی سائر اجزاء البدن وان تفرقت وکان جزأبالمشرق وجزأبالمغرب ولعل ھذاالاشراق علی الاجزاء الاصلیۃ لانھاالتی یقوم بھا الانسان من قبرہٖ یوم القیمۃ علی مااختارہ جمع'' (تفسیر روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۳) (ترمذی ص ۲۱۷ تا ۲۱۳)

ان عبارات سے واضح ہے کہ قبر میں عام اموات کو بھی روح کے تعلق سے زندہ کر کے عذاب یا ثواب دیا جاتا ہے اور بغیر تعلق روح کے عذاب قبر متصور نہیں ہے،عذاب قبر کے حق ہونے پر تمام اہل السنۃ متفق ہیں۔ چنانچہ ''شرح مواقف'' میں ہے:

احیاء الموتیٰ فی قبورھم ومسئلۃ منکرونکیروعذاب القبر للکافر والفاسق کلھاحق عندنا، اتفق علیہ سلف الامۃ قبل ظھور الخلاف واتفق علیہ الاکثر بعدہ۔

جو شخص حیات فی القبر کا منکر ہے، درحقیقت وہ عذاب قبر کا انکار کر رہا ہے، چنانچہ علامہ سید شریف جرجانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''واذا ثبت التعذیب ثبت الاحیاء والمسئلۃ لان کل من قال بعذاب القبر قال بھما۔'' (شرح المواقف:۷۱۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حضرت علامہ شریف جرجانی رحمہ اللہ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ عذاب قبر کا ہر قائل حیات فی القبر کا قائل ہے، ظاہر ہے کہ قضیہ موجبہ کلیہ ہے چونکہ اس کا عکس نقیض سالبہ کلیہ ہی آتا ہے، اس لیے کہا جائے گا: کل من لم یقل بھما لم یقل بعذاب القبر۔ معلوم ہوا کہ جو منکر حیات ہے وہ عذاب قبر کا بھی منکر ہے کیونکہ بدوں حیات کے عذاب متصور نہیں، جیسا کہ علامہ خیالی فرماتے ہیں: ''جوز بعضھم تعذیب غیرالحی ولاشک انه سفسطة لان الجماد لاحس له فکیف یتصور تعذیبه۔'' (ص ۱۱۸)

عذاب وثواب قبر کا مسئلہ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد ضروریہ میں سے ہے، اس کا منکر اہل السنۃ سے خارج ہے، اسی طرح حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات فی القبر کا عقیدہ جمہور اہل السنۃ کا متفقہ ہے اور قبر میں انہیں جو حیات حاصل ہے وہ بتعلق روح ہے کیونکہ روح کے تعلق کے بغیر حیات متصور نہیں، کما مر۔ پس جو شخص اس تفصیل کے ساتھ حیات انبیاء کرام علیہم السلام کا قائل ہے اس کا عقیدہ بالکل اہل حق کے مطابق ہے لیکن جس کا عقیدہ اس تفصیل کے مطابق نہیں بلکہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات فی القبر الشریف کو محض برزخی روحانی مانتا ہے وہ دراصل انبیاء کرام کی حیات کا منکر ہے اور اتنی بات یقینی ہے کہ اس شخص کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں، جیسا کہ کتاب ''مقام حیات'' ص ۲۷۲ طبع اول پر تمام اکابر کے متفقہ فیصلہ سے واضح ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے سابق صدر مفتی حضرت مفتی مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ نے تو ایسے شخص کو بدعتی اور اہل السنۃ سے خارج قرار دیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ''آپ اپنے مزار میں حیات ہیں، مزار مبارک کے ساتھ آپ کا خصوصی تعلق بجسدہ وروحہ ہے، جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے وہ بدعتی ہے، خراب عقیدہ والا ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔''

آخر میں فرماتے ہیں: ''تین حدیثیں نقل کردی ہیں اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا جو انکار کرتا ہے بدعتی ہے اور خارج از اہل سنت والجماعت ہے۔' (مقام حیات: از: علامہ خالد محمود)

منکرین حیات، حیات انبیاء کرام علیہم السلام کے حوالہ سے اپنا جو عقیدہ بیان کرتے ہیں تفصیل بالا سے واضح ہے کہ ان کا یہ عقیدہ جمہور اہل السنۃ والجماعۃ اور علماء دیوبند کے عقیدہ کے خلاف ہے، ایسے عقیدہ رکھنے والے کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، اب یہ کہ اس عقیدہ کا قائل اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج اور بدعتی ہے یا نہیں، اس بارہ میں ایک طبقہ کی رائے یہ ہے کہ انہیں اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج قرار نہ دیا جائے، کیونکہ یہ ایک فروعی عقیدہ کے منکر ہیں، جبکہ ایک طبقہ کے مطابق یہ اہل السنۃ سے خارج اور بدعتی ہیں کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کا عقیدہ اگرچہ فروعی ہے لیکن یہ ان عقائد میں سے ہے جو اہل السنۃ کے لیے بمنزلہ علامت اور شعار کا درجہ رکھتے ہیں، اس لیے اس کا انکار اہل السنۃ سے خروج کا موجب ہوگا۔

مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ کی تحریر، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ کے فتویٰ میں بھی اس کی تصریح ہے۔ بندہ کے والد ماجد فقیہ وقت حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ کا رجحان اور فتویٰ بھی یہی ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب ''حیات ترمذی'' ص ۱۹۷)

انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات فی القبر سے متعلق کتنا عقیدہ ضروری ہے اور یہ کہ جو اس عقیدہ کا منکر ہے اس

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کا حکم کیا ہے، ان دونوں امور سے متعلق ضروری تفصیل ہم نے تحریر کر دی ہے۔

دراصل یہ وہی تفصیل ہے جس پر حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی صاحب قدس سرہ سابق رئیس دارالعلوم دیوبند نے فریقین کی صلح کرائی تھی اور وہی عقیدہ ہے جو اس نزاع کے حل کے لیے قدر مشترک تھا، لیکن آج اشاعۃ التوحید والسنۃ کا ایک بڑا طبقہ واضح طور پر اس قدر مشترک عقیدہ کے ماننے اور اسے تسلیم کرنے سے انکاری ہے، حتیٰ کہ مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم کے بارہ میں بھی ان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے اس قدر مشترک عقیدہ پر اس وقت دستخط حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کے حکم پر محض نزاع کے خاتمہ اور مصالحت کے لیے کئے تھے، مسئلہ حیات النبیا سے متعلق انہوں نے اس عبارت پر دستخط کیے تھے کہ: ''آپ علیہ السلام کو عالم برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور قبر مبارک پر حاضر ہونے والوں کا سلام آپ سماعت فرماتے ہیں۔''

اشاعۃ التوحید کے حضرات کا کہنا ہے کہ ان کا یہ عقیدہ ہرگز نہ تھا بلکہ ان کا عقیدہ یہی تھا جو اشاعۃ التوحید کا ہے کہ ''آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جسد اطہر قبر اطہر میں محفوظ ہے لیکن روح اقدس کا اس سے کوئی تعلق نہیں آپ کی روح اقدس اعلیٰ علیین میں ہے، اور اسی کا نام حیات برزخی ہے۔''

اشاعۃ التوحید کے اکثر حضرات کا یہی عقیدہ ہے، اصرار کے ساتھ ان کا دعویٰ ہے کہ حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم کا عقیدہ بھی یہی تھا، ان کے بعض تلامذہ اور جماعت کے ذمہ دار حضرات نے اس پر رسالہ بھی تحریر کیا ہے اور اس پر دلائل بھی قائم کیے ہیں جبکہ اشاعۃ التوحید کے بعض بزرگوں نے اس رسالہ کا رد کیا اور جوابی رسالہ میں یہ موقف اختیار فرمایا کہ حضرت شیخ کا عقیدہ بالکل وہی تھا جس پر انہوں نے دستخط فرمائے تھے، جوابی رسالہ تحریر فرمانے والے یہ بزرگ حضرت مرحوم کے خاص شاگرد اور فیض یافتہ، مؤلف کتب کثیرہ حضرت مولانا عبدالمعبود صاحب رحمہ اللہ ہیں۔ انہوں نے اپنی تالیف ''حیات شیخ القرآن'' میں بھی بڑی تفصیل سے اس موضوع پر کلام کیا ہے، لیکن جماعت کا ایک بڑے حصے کو ان کی تحقیق سے اتفاق نہیں۔ احقر نے پنڈی میں ان سے ایک ملاقات میں جب استفسار کیا کہ حضرت مولانا مرحوم کا عقیدہ کے بارے میں آپ نے اپنے رسالہ اور سوانح میں جو موقف اختیار کیا ہے، کیا حضرت شیخ کی جماعت اور ان کے صاحبزادگان اس کی تائید کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ نہیں بلکہ وہ مجھ پر اس وجہ سے ناراض ہیں کہ تم نے یہ کیوں لکھا ہے۔ (انتہیٰ)۔

حضرت مولانا مرحوم نے اپنا رسالہ بندہ کو بھی برائے تائید ارسال فرمایا تھا لیکن بندہ نے اسی لیے اس کی تائید نہیں کی کہ ایک تو جماعت کی اکثریت اور حضرت شیخ مرحوم کے بہت سے تلامذہ اس کی نفی کرتے ہیں دوسرے خود حضرت مرحوم کی بعض تحریریں اور ان کا طرز عمل بھی حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ کے معاہدہ کی نفی کرتا ہے، اس لیے جزماً حضرت مولانا مرحوم کے عقیدہ کو معاہدہ پنڈی کے مطابق قرار دینا محل نظر ہے۔ مزید تفصیل ''ہدایۃ الحیران'' اور رسالہ ''ردمنکرات'' میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے، ھذا ما عندی واللہ اعلم!

ملاحظہ: یہاں اس امر کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ علماء دیوبند کے بعض بزرگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا اور اشاعۃ التوحید کے حضرات کا اختلاف صرف مسئلہ حیات انبیاء کرام علیہم السلام میں ہے، یا یہ کہ ان حضرات سے ہمارا اختلاف مسائل کی تعبیر اور طریق ادا اور انداز بیان میں ہے مسائل میں نہیں، جبکہ حقیقت بالکل اس کے خلاف

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور برعکس ہے، کیونکہ ان حضرات کا مسلک علماء دیوبند سے صرف کسی ایک مسئلہ میں اختلاف نہیں بلکہ کئی مسائل میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف محض تعبیر کا اختلاف نہیں بلکہ مسلک کا اختلاف ہے، مثلاً حضرات علماء دیوبند آپ ﷺ کے لیے حیاتِ دنیوی کے بھی قائل ہیں، یہ حضرات دنیوی حیات کے منکر ہیں صرف روح کی حیات کے قائل ہیں، اسی طرح علماء دیوبند شدرحال الی زیارۃ قبر سید النساء والرجال کے قائل ہیں اور یہ منکر ہیں۔ علماء دیوبند توسل بالذوات القدسیہ کے قائل ہیں یہ منکر ہیں، سماع موتی کے قائلین کو علماء دیوبند اہل السنۃ کہتے ہیں، جبکہ ان کے بعض قائلین سماع موتی خارج اہل السنۃ اور بعض ان کی تکفیر کرتے ہیں، وغیرذٰلک۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علماء دیوبند سے ان کا تعبیری یا لفظی نزاع نہیں بلکہ حقیقی اور مسلکی اختلاف ہے یہ اور بات ہے کہ بعض اکابر اس پر مطلع نہیں ہوئے، اس لیے انہوں نے ان کے بارہ میں حسن ظن سے کام لیا اور اپنا ہم مسلک سمجھا۔

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ: میں نے جب مولانا غلام اللہ خان صاحب کے تفسیری تفردات پر کتاب ''ہدایۃ الحیران'' لکھی اور حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ سے ذکر کیا، حضرت نے فرمایا کہ تم نے اتنی محنت کی اور وقت لگایا لکھنے سے پہلے مشورہ کر لیتے تو میں تمہیں کسی اور اہم کام پر لگا دیتا، لیکن تم نے مشورہ ہی نہیں کیا اور اتنا وقت اس کے لکھنے پر لگا دیا۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے عرض کیا کہ حضرت ابھی یہ کتاب طبع نہیں ہوئی، آپ اس کا صرف ایک مقام سن لیجئے اس کے بعد جیسے آپ حکم فرمائیں گے اس کے مطابق عمل ہو گیا، اگر اس کی اشاعت مناسب نہ ہوئی تو نہیں کی جائے گی۔ حضرت مفتی اعظم نے فرمایا کہ سناؤ! حضرت والد صاحب نے ''تفسیر جواہر القرآن'' سے آیت کریمہ: قد نریٰ تقلب وجھک فی السماء پر جو کچھ ''جواہر القرآن'' میں لکھا تھا آپ کو پڑھ کر سنایا، سنتے ہی حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

''یہ تو تحریف ہے، ہم سمجھتے تھے ہمارا اور ان کا اختلاف صرف تعبیر کا اختلاف ہے، اہل بدعت کے مقابلہ کی وجہ سے ان میں تشدد ہے اور مسائل ہمارے اور ان کے ایک ہیں، آج پتہ چلا کہ مسائل میں بھی اختلاف ہے، آپ یہ کتاب شائع کر دیں۔''

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ حضرت نے ''تفسیر جواہر القرآن'' کے اس مقام پر میری تنقید اور گرفت کو نہیں سنا، فقط مؤلف ''جواہر'' کی تقریر کو سنتے ہی فرمایا کہ یہ تحریف ہے۔

معلوم ہوا کہ اکثر حضرات یہی سمجھتے رہے کہ ہمارا ان کا اختلاف تعبیری یا محض ایک دو فروعی مسائل میں اختلاف ہے، اس لیے وہ تسامح فرماتے رہے اور یہ حضرات اس تسامح کا بھرپور فائدہ اٹھاتے رہے، اگر ان بزرگوں کو ان کی صحیح صورت حال کا علم ہو جاتا تو وہ کبھی یہ تسامح نہ فرماتے۔ ادھر ان حضرات نے بزرگوں کے اس رویہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے آپ کو جماعت دیوبند میں شامل رکھا اور برملا اپنے آپ کو دیوبندی کہلوایا، مسلکی طور پر دیوبندیت کو اس کا جو نقصان ہوا وہ اپنی جگہ واضح ہے۔

ان حضرات کا مسلک دیوبند سے متعدد مسائل میں اختلاف کے باوجود دیوبندی کہلوانا اور اکابر دیوبند کا انہیں دیوبندی سمجھنا اور ان کے مدارس کا الحاق دیوبندی مدارس کی سب سے بڑی تنظیم وفاق المدارس العربیہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

پاکستان سے کرنا یہ سب ایسے امور ہیں جس کی وجہ سے ان حضرات کو دیوبندی قرار دیا گیا اور دیوبندیوں کا نمائندہ سمجھا گیا اور ان حضرات نے مسلک دیوبند کی جو تشریح اور تعبیر اور تصویر پیش کی دوسرے مکاتب فکر کے عوام وخواص نے اسے مسلک دیوبند سمجھ کر علماء دیوبند اور دیوبندیت پر اعتراض کئے اور انہیں بدنام کیا، جس کا سخت نقصان ہوا اور اب بھی ہو رہا ہے کہ عوام ان کو اصل دیوبندی سمجھ کر اصل علماء دیوبند سے دور ہو رہے ہیں۔

اس نقصان سے بچنے کے لیے ضروری تھا اور ہے کہ ان کے مدارس کے الحاق اور بقاء الحاق کے لیے کتاب ''المہند'' کی تصدیق کو معیار بنایا جائے ورنہ ماضی کی طرح یہ حضرات مسلک دیوبند کے خلاف نظریات رکھنے اور اکابر دیوبند کی صریح مخالفت کے باوجود دیوبندی مسلک کی بڑی تنظیم وفاق المدارس سے اسناد حاصل کر کے دیوبندی کہلواتے رہیں گے جو ایک دھوکہ کے سوا کچھ نہیں، جس کا سدباب بہرصورت ضروری ہے، احقر کو خوب یاد ہے کہ دارالعلوم کبیر والا کے سالانہ جلسہ پر ایک مرتبہ حضرت علامہ عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ سے طلبہ نے اجازت حدیث کا مطالبہ کیا تو علامہ تونسوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: ''صرف ان علماء وطلبہ کو اجازت ہے جن کا عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلہ میں علماء دیوبند کے مطابق ہے۔''

صدر وفاق سیدی حضرت شیخ الکل مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ بھی دارالعلوم کبیر والا میں تشریف لائے ہوئے تھے، احقر نے اس شرط اجازت کا ان سے ذکر کیا تو حضرت نے اس کی تائید کے ساتھ فرمایا کہ شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ بھی منکرین حیات کو اجازت حدیث نہیں دیا کرتے تھے، احقر نے اس پر عرض کیا کہ وفاق المدارس انہیں کیوں سندیں جاری کر رہا ہے؟ حضرت شیخ نے فرمایا کہ ہم اس کا سدباب کریں گے۔

چنانچہ آپ نے ۱۴۲۵ھ وفاق المدارس سے الحاق وبقاء الحاق کے لیے ''المہند'' کے عقائد کو معیار قرار دے کر ماہنامہ ''وفاق المدارس'' میں اس کا اعلان فرما دیا تھا۔ اشاعۃ التوحید کے حضرات نے اس کی مخالفت کی اور افسوس کہ بعض بزرگوں نے بھی ان کی تائید کی جس کی وجہ سے اب تک اس شرط پر عمل نہیں ہوا۔ اگرچہ منکرین حیات نے اب اپنا الگ وفاق بنا لیا ہے لیکن ایک طبقہ اب بھی وفاق المدارس سے منسلک ہے، اس لیے ضروری ہے کہ الحاق کے لیے شرط مذکور کا لحاظ رکھا جائے، جب تک علماء دیوبند کے صحیح مسلک کے مطابق عقائد رکھنے کی شرط کو لازم قرار نہیں دیا جائے گا اس وقت تک یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا اور تلبیس واختلاط مسلک کا یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا۔ اسی لیے سابق صدر وفاق سیدی حضرت شیخ سلیم اللہ خان رحمہ اللہ اور دوسرے وہ حضرات اکابر جنہیں مسلک دیوبند کا نہ صرف نمائندہ بلکہ ترجمان سمجھا جاتا ہے کی کوشش رہی کہ وفاق المدارس سے الحاق کے لیے کم سے کم اسی شرط کو لازم قرار دیا جائے لیکن تاہنوز ایسا نہ ہو سکا، ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا!

مسئلہ سماع موتی

کتاب حیات انبیاء کرام علیہم السلام میں ضمناً سماع موتی کی بحث بھی آئی ہے، اس مسئلہ میں چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے اختلاف چلا آ رہا ہے اس لیے اس میں شروع سے ہی دو گروہ موجود ہیں، ایک طبقہ اہل حق کا سماع موتی کا قائل نہیں ہے اور ایک گروہ سماع موتی فی الجملہ کا قائل ہے، لیکن اہل حق کے مابین یہ اختلاف راجح مرجوح کا اختلاف ہے حق وباطل کا نہیں جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں، علماء دیوبند اور جمہور اہل السنۃ سماع فی الجملہ کے

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

قائل ہیں اور اسی کو راجح سمجھتے ہیں، دیگر علماء دیوبند کی طرح حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع قدس سرہ اور آپ کے علمی جانشین حضرات کا عقیدہ بھی یہی ہے، چنانچہ ذیل کی تصریحات سے واضح ہے۔

حضرت مفتی اعظم قدس سرہ ایک سوال کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں: ''مسئلہ سماع موتی زمانہ قدیم سے مختلف فیہ ہے۔ کلام اس میں طویل ہے، میرا ایک مستقل رسالہ بزبان عربی، بنام ''اعدل الامور فی سماع اہل القبور'' بہ شکل مسودہ موجود ہے، مگر ہنوز شائع نہیں ہوا۔ اس سے خلاصہ کر کے حقیقت لکھتا ہوں۔

وہ یہ ہے کہ حیات بعد الموت انبیاء وشہداء کی تو اپنے اپنے درجوں کے موافق ثابت ہی ہے، عام اموات کی ارواح کا زندہ ہونا بھی ثابت ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ نوعیت اس حیات کی حیات ناسوتی سے مختلف ہے، وہ حیات ایک دوسرے عالم کی حیات ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایک عالم کے حالات کو دوسرے عالم کے حالات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ جو شخص اس دنیوی زندگی میں ہمارا کلام سنا کرتا تھا، وہ بعد الموت بھی اسی طرح سنا کرے، یہ ضروری نہیں، اس کے لیے کوئی دلیل مستقل ہونا ضروری ہے، اور ظاہر ہے دلیل عقلی نہ کوئی اثبات پر قائم ہے، نہ نفی پر، اب صرف دلیل نقلی رہ گئی، سو اس میں قرآن وحدیث کے متعدد نصوص ہیں، بعض اموات کا یا عام اموات کا خاص خاص حالات میں اَحیاء کا کلام سننے، بلکہ بعض جگہ جواب دینے کا بھی ثبوت موجود ہے، لیکن ان سے کوئی ضابطۂ کلیہ مستفاد نہیں ہوتا کہ ہر مردہ، ہر شخص کا کلام، ہر وقت سن سکتا ہے، اس لیے سیدھا راستہ یہ ہے کہ جن مقامات میں سماع موتی کسی روایت سے ثابت ہے، اس کا اقرار کرلیا جائے، اور جہاں قرآن وحدیث ساکت ہیں، وہاں یہ اختیار کیا جائے، نہ اثبات کرے، نہ نفی، ہاں اگر کسی شخص کو بذریعہ کشف سننا معلوم ہو جائے، اور وہ اس کو صحیح سمجھے، تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اس سے بھی یہ قاعدہ کلیہ نہیں بنتا کہ ہر میت، ہر وقت، ہر شخص کا کلام سن سکتی ہے۔ اس لیے معلوم ہوا کہ اس کے یقین کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ ہم جس وقت میت سے، جو کلام کریں گے، وہ ضرور سنے گا، اور ایسا عقیدہ رکھنا بے اصل اور بے بنیاد ہے۔'' (امداد المفتین جامع، ج ۵ ص ۲۰۶)

یہاں حضرت مفتی اعظم قدس سرہ نے اپنے جس عربی رسالہ کا حوالہ دیا ہے وہ رسالہ ''تکمیل الحبور بسماع اھل القبور'' کے نام سے ''احکام القرآن'' ج ۳ کا جزء بن کر شائع ہو چکا ہے اور حال ہی میں آپ کے فتاویٰ ''امداد المفتین جامع'' کی جلد پنجم ص ۲۱۲ سے ۲۳۰ تک میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

احقر نے تقریباً پچیس سال قبل اردو میں اس کا جو ترجمہ کیا تھا وہ بھی اسی کے ساتھ ۲۳۰ تا ۲۴۵ شائع ہو چکا ہے۔

مردے قبر میں سنتے ہیں یا نہیں؟ اس کے جواب میں آپ تحریر فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ جس کو چاہے جو چاہے سنوا دے، عام ضابطہ نہیں کہ ہر بات کو ضرور سنیں، قرآن وحدیث کی نصوص کا خلاصہ اور محققین کی تحقیق یہی ہے۔'' (امداد المفتین جامع، ج ۵ ص ۲۰۷)

حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی قدس سرہ

''سماع موتی کا مسئلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے لے کر اب تک مختلف فیہ ہے، بعض صحابہ کرام سماع موتی کے قائل تھے بعض منکر تھے، لہٰذا کسی بھی فریق کو گمراہ یا کافر کہنے کی کسی کو گنجائش نہیں، اس سے بہرصورت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہر فریق کو اجتناب لازم ہے، ورنہ صحابہ کرام کے کسی فریق کی تفسیق یا تکفیر لازم آئے گی جو کسی حال میں جائز نہیں الخ۔" (امدادالسالکین، ج ا ص ۲۵۲)

حضرت شیخ الاسلام دامت برکاتہم

''اصل یہ ہے کہ مردوں میں موت کے بعد سننے کی طاقت نہیں جیسا کہ قرآن کریم میں تصریح ہے، لیکن جس وقت اللہ تعالیٰ کسی مصلحت سے انہیں کوئی آواز سنانا چاہے تو سنا دیتا ہے، حدیث میں جو جوتیوں کی آواز سننے کا ذکر ہے وہ اسی پر محمول ہے کہ اللہ تعالیٰ عبرت کے لیے اس کو آواز سنا دیتا ہے۔" (فتاویٰ عثمانی، ج ا ص ۶۷)

مسلم شریف کی حدیث: قرع نعال پر بحث کرتے ہوئے حضرت شیخ الاسلام دامت برکاتہم نے سماع موتیٰ کا مسئلہ اپنی محققانہ اور مایہ ناز شرح ''تکملہ فتح الملہم'' ج ۶ میں سماع موتیٰ کا مسئلہ بیان فرمایا ہے، اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ کے اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد آپ فرماتے ہیں: ''وقد دل حديث الباب صريحا على ان الميت يسمع قرع نعال اصحابه الخ" (ج ۶ ص ۲۳۷)

حضرت شیخ الاسلام مدظلہم کی ان تصریحات سے واضح ہے کہ آپ مسئلہ سماع موتیٰ میں بھی علماء دیوبند کے ساتھ ہیں، دیگر اکابر کی طرح سماع فی الجملہ کے قائل ہیں۔

سورۂ نمل کی آیت ۸۰، ۸۱: انک لاتسمع الموتیٰ الی قوله: فهم مسلمون کے تحت ''معارف القرآن" جلد ششم میں حضرت مفتی اعظم تحریر فرماتے ہیں:

''اس پورے مضمون میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس جگہ سننے سنانے سے مراد محض کانوں میں آواز پہنچانا نہیں بلکہ مراد اس سے وہ سماع اور سننا ہے جو نفع بخش ہو۔ اور جو سماع نافع نہ ہو اس کو قرآن نے مقصد کے اعتبار سے عدم سماع سے تعبیر کیا ہے، جیسا کہ آخر آیت میں یہ ارشاد ہے کہ ''آپ تو صرف اُن لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ایمان لائیں۔" اگر اس میں سنانے سے مراد محض اُن کے کان تک آواز پہنچانا ہوتا تو قرآن کا یہ ارشاد خلاف مشاہدہ اور خلاف واقع ہو جاتا کیونکہ کافروں کے کانوں تک آواز پہنچانے اور اُن کے سننے، جواب دینے کی شہادتیں بے شمار ہیں کوئی بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ اس سے واضح ہوا کہ سنانے سے مراد سماع نافع ہے۔ ان کو مردہ لاش سے تشبیہ دے کر جو یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اس کے معنی بھی یہی ہوئے کہ جیسے مردے اگر کوئی بات حق کی سن بھی لیں اور اس وقت وہ حق کو قبول کرنا بھی چاہیں تو یہ ان کے لئے نافع نہیں کیونکہ وہ دنیا کے دارالعمل سے گزر چکے ہیں جہاں ایمان وعمل نافع ہو سکتا تھا، مرنے کے بعد برزخ یا محشر میں تو بھی کافر منکر ایمان وعمل صالح کی تمنائیں کریں گے مگر وہ وقت ایمان وعمل کے قبول ہونے کا وقت نہیں۔ اس لئے اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مردے کوئی کلام کسی کا سن ہی نہیں سکتے۔ اس لئے سماع اموات کے مسئلہ سے درحقیقت یہ آیت ساکت ہے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ قابل نظر ہے کہ مردے کسی کا کلام سن سکتے ہیں یا نہیں؟

مسئلہ سماع اموات

یہ مسئلہ کہ مردے کوئی کلام سُن سکتے ہیں یا نہیں اُن مسائل میں سے ہے جن میں خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا باہم

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اختلاف رہا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سماع موتی کو ثابت قرار دیتے ہیں اور حضرت ام المؤمنین صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی نفی کرتی ہیں۔ اسی لئے دوسرے صحابہ وتابعین میں بھی دو گروہ ہو گئے بعض اثبات کے قائل ہیں بعض نفی کے۔ اور قرآن کریم میں یہ مضمون ایک تو اسی موقع پر سورہ نمل میں آیا ہے، اور دوسرے سورہ روم میں تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ دوسری آیت آئی ہے اور سورہ فاطر میں یہ مضمون ان الفاظ سے آیا ہے وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ من فِي الْقُبُورِ (فاطر: ۲۲) یعنی آپ اُن لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو کہ قبروں میں ہیں۔

ان تینوں آیتوں میں یہ بات قابل نظر ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی یہ نہیں فرمایا کہ مردے سن نہیں سکتے بلکہ تینوں آیتوں میں نفی اس کی کی گئی ہے کہ آپ نہیں سنا سکتے۔ تینوں آیتوں میں اسی تعبیر وعنوان کو اختیار کرنے سے اس طرف واضح اشارہ نکلتا ہے کہ مردوں میں سننے کی صلاحیت تو ہو سکتی ہے مگر ہم باختیار خود ان کو نہیں سنا سکتے۔

ان تینوں آیتوں کے بالمقابل ایک چوتھی آیت جو شہداء کے بارے میں آئی ہے وہ یہ ثابت کرتی ہے کہ شہداء کو اپنی قبروں میں ایک خاص قسم کی زندگی عطا ہوتی ہے اور اس زندگی کے مطابق رزق بھی ان کو ملتا ہے اور اپنے پسماندہ متعلقین کے متعلق بھی منجانب اللہ ان کو بشارت سنائی جاتی ہے آیت یہ ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ۔ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِم مِّنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (آل عمران: ۱۶۹، ۱۷۰) (اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق بھی ملتا ہے وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچے ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کی بھی اس حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔)

یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ مرنے کے بعد بھی روح انسانی میں شعور وادراک باقی رہ سکتا ہے، بلکہ شہداء کے معاملہ میں اس کے وقوع کی شہادت بھی یہ آیت دے رہی ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ یہ حکم تو شہیدوں کے ساتھ مخصوص ہے دوسرے اموات کے لئے نہیں، سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے کم از کم اتنا تو ثابت ہو گیا کہ مرنے کے بعد بھی روح انسانی میں شعور وادراک اور اس دُنیا کے ساتھ علاقہ باقی رہ سکتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے شہداء کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ ان کی ارواح کا تعلق ان کے اجساد اور قبور کے ساتھ قائم رہتا ہے اسی طرح جب اللہ تعالیٰ چاہیں تو دوسرے اموات کو یہ موقع دے سکتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر جو سماع اموات کے قائل ہیں، ان کا یہ قول بھی ایک صحیح حدیث کی بناء پر ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر سے اسناد صحیح کے ساتھ منقول ہے وہ یہ ہے:

مَا مِنْ أَحَدٍ يَمُرُّ بِقَبْرِ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ كَانَ يَعْرِفُهُ فِي الدُّنْيَا فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِلَّا رَدَّ اللَّهُ عَلَيْهِ رُوحَهُ حَتَّى يَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔ (ذکرہ ابن کثیر فی تفسیرہ مصححا عن ابن عمر)

جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی قبر پر گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور وہ اس کو سلام کرے تو اللہ تعالیٰ اُس مُردے کی روح اس میں واپس بھیج دیتے ہیں تاکہ وہ سلام کا جواب دے۔

اس سے بھی یہ ثابت ہوا کہ جب کوئی شخص اپنے مردہ مسلمان بھائی کی قبر پر جا کر سلام کرتا ہے تو وہ مردہ اس کے سلام کو سنتا ہے اور جواب دیتا ہے اور اُس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس وقت اس کی روح اس دنیا

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

میں واپس بھیج دیتے ہیں۔اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں اول یہ کہ مردے سن سکتے ہیں، دوسرے یہ کہ اُن کا سننا اور ہمارا سنانا ہمارے اختیار میں نہیں البتہ اللہ تعالیٰ جب چاہیں سنا دیں، جب نہ چاہیں نہ سنائیں۔ مسلمان کے سلام کرنے کے وقت تو اس حدیث نے بتلا دیا کہ حق تعالیٰ مُردہ کی روح واپس لا کر اس کو سلام سنا دیتے ہیں اور اس کو سلام کا جواب دینے کی بھی قدرت دیتے ہیں۔ باقی حالات وکلمات کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ مردہ ان کو سنے گا یا نہیں۔اسی لیے امام غزالی اور علامہ سبکی وغیرہ کی تحقیق یہ ہے کہ اتنی بات تو احادیث صحیحہ اور قرآن کی آیت مذکورہ سے ثابت ہے کہ بعض اوقات میں مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں لیکن یہ ثابت نہیں کہ ہر مردہ ہر حال میں ہر شخص کے کلام کو ضرور سنتا ہے اس طرح آیات وروایات کی تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔

ہوسکتا ہے کہ مردے ایک وقت میں اُحیاء کے کلام کو سن سکیں دوسرے وقت نہ سن سکیں، یہ بھی ممکن ہے کہ بعض کے کلام کو سنیں اور بعض کے کلام کو نہ سنیں، یا بعض مردے سنیں بعض نہ سنیں، کیونکہ سورہ نمل، سورۂ روم، سورہ فاطر کی آیات سے بھی یہ ثابت ہے کہ مردوں کو سنانا ہمارے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں سنا دیتے ہیں۔اس لئے جن مواقع میں حدیث کی روایات صحیحہ سے سننا ثابت ہے وہاں سننے پر عقیدہ رکھا جائے اور جہاں ثابت نہیں وہاں دونوں احتمال ہیں اس لئے نہ قطعی اثبات کی گنجائش ہے نہ قطعی نفی کی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم!

حضرت امام اعظم اور مسئلہ سماع موتی

بعض حضرات نے حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے کہ آپ سماع موتی کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ حضرت علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے بھی اسے اکثر مشائخ کی طرف منسوب فرمایا ہے، چنانچہ ارقام فرماتے ہیں: واما التلقین بعد الموت وھو فی القبر فقیل یفعل لحقیقة ما روینا ونسب الی اہل السنة والجماعة وخلافه الی المعتزلة ۔۔۔۔ وعندی ان مبنی ارتکاب ھذا المجاز ھنا عند اکثر مشایخنا ھو ان المیت لا یسمع عندھم علی ماصرحوا به فی کتاب الایمان فی باب الیمین بالضرب لو حلف لا یکلمه فکلمه میتا لا یحنث لانها تنعقد علی۔۔۔ والمیت لیس کذلک لعدم السماع۔ (باب الجنائز ج ۲ ص ۶۸)

کتاب ''حیات انبیاء کرام'' کی تالیف کا سبب اور محرک

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کے حضرت مولانا دوست محمد صاحب قریشی رحمہ اللہ سرپرست تنظیم اہل السنة پاکستان سے بہتر گہرے تعلقات تھے۔حضرت قریشی رحمہ اللہ اکثر ہمارے علاقہ ساہیوال میں بیان اور متوسلین کی اصلاح کے لیے تشریف لاتے تھے اور آپ کا معمول تھا کہ جب بھی ساہیوال یا قرب وجوار میں تشریف لاتے تو حضرت والد صاحب رحمہ اللہ سے ضرور ملاقات فرماتے، اگر زیادہ وقت نہ ہوتا تو جامعہ حقانیہ میں تشریف لا کر کھڑے کھڑے سلام کر کے فرماتے: ''میرے پاس وقت نہیں میں جا رہا ہوں۔'' حضرت والد صاحب رحمہ اللہ ساہیوال اڈے تک اور بعض دفعہ تانگے میں فرو کہ اور دوسرے علاقہ میں ساتھ ہی تشریف لے جاتے اور یوں دونوں بزرگوں میں مختلف موضوعات پر خوب گفتگو ہوتی۔

حضرت قریشی صاحب تعلیم القرآن راولپنڈی میں حضرت مولانا غلام اللہ خاں صاحب کی دعوت پر جلسہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

میں تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت والد صاحب کو یہ بات پسند نہیں تھی اس لیے انہوں نے حضرت سے اس کا ذکر کیا اور فرمایا کہ آپ کے لیے اور حضرت مولانا نورالحسن شاہ صاحب کے پنڈی تعلیم القرآن کے اسٹیج پر جانے سے بہت سے حضرات کو شبہ ہوتا ہے کہ مسلک میں آپ ان کے ساتھ ہیں یا کم ازکم یہ کہ وہاں جانے سے ان کی تائید ہوتی ہے، اور آپ حضرات کے وہاں تشریف لے جانے کو وہ اپنی تائید پیش کرتے ہیں اس لیے آپ حضرات کو وہاں نہیں جانا چاہئے۔

حضرت قریشی صاحب کا فرمانا تھا کہ: مسلک میں ہم بالکل اپنے اکابر کے ساتھ ہیں۔ مولانا غلام اللہ صاحب کے مسلک سے ہمیں شدید اختلاف ہے، بلکہ اگر وہ اپنے عقیدہ حیات النبی ﷺ پر مناظرہ کا چیلنج کریں تو میں ان سے مناظرہ کے لیے بھی تیار ہوں۔ لیکن جہاں تک ان کے جلسہ میں شرکت کا تعلق ہے تو وہ جماعتی پالیسی کی وجہ سے ہے نہ کہ مسلک و مشرب کے اتحاد کی وجہ سے۔

لیکن چونکہ ان بزرگوں کے وہاں جانے سے عوام میں مسلک کے اعتبار سے بھی شدید تحفظات تھے، اس لیے حضرت والد صاحب کی خواہش تھی کہ تنظیم اہل السنۃ کے ذمہ دار حضرات اول تو پنڈی والے حضرات کے اسٹیج پر نہ جائیں یا پھر اس حوالہ اپنا مسلک تحریری طور پر واضح کریں۔

حضرت والد صاحب نے اس حوالہ سے جماعت کے سرپرست حضرت مولانا سید نورالحسن شاہ بخاری سے بھی یہی فرمایا، حضرت علامہ عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ سے جب بات ہوئی تو انہوں نے حضرت والد صاحب کی زبردست تائید فرمائی اور فرمایا کہ: ''میں کبھی بھی تعلیم القرآن کے اسٹیج پر نہیں گیا، حالانکہ مولانا غلام اللہ خان صاحب نے نہ صرف مجھے وہاں کی دعوت دی بلکہ جہاز کے ٹکٹ کی بھی پیشکش کی، ان کے اسٹیج پر جانے سے یقیناً عوام ان کی تائید سمجھتے ہیں جبکہ ان کا مسلک اکابر سے جدا ہے، اس لیے میری رائے بھی یہی ہے کہ تنظیم کے ذمہ دار حضرات وہاں نہ جائیں اور جن مسائل میں ان سے اختلاف ہے ان میں تنظیم کو اپنا موقف تحریری طور پر واضح کرنا چاہئے تاکہ کسی کو اشتباہ نہ رہے۔''

چنانچہ طے پایا کہ اس سلسلہ میں غور کے لیے دفتر تنظیم اہل السنۃ کا اجلاس بلایا جائے، جس میں تنظیم کے علاوہ دیگر علماء کرام کو بھی دعوت دی جائے اور اس مسئلہ پر غور کے بعد فیصلہ کیا جائے۔

حضرت مولانا نورالحسن شاہ صاحب بخاری نے یہ اہم اجلاس دفتر تنظیم ملتان میں منعقد کیا، اس میں تنظیم کے اکابر حضرت مولانا سید نورالحسن شاہ بخاری، حضرت مولانا دوست محمد قریشی، حضرت علامہ محمد عبدالستار تونسوی رحمہم اللہ کے علاوہ جامعہ خیر المدارس ملتان سے حضرت مولانا محمد شریف جالندھری رحمہ اللہ (مہتمم جامعہ خیر المدارس)، حضرت علامہ محمد شریف کشمیری، حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب، حضرت مولانا نذیر احمد صاحب اور ساہیوال سے حضرت والد صاحب نے بھی شرکت فرمائی، یہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۴ء کا واقعہ ہے، حضرت قریشی صاحب رحمہ اللہ اس وقت حیات تھے، پھر اسی سال ۷۴ء میں آپ کا انتقال ہوا۔

غور و خوض کے بعد اس اجلاس میں طے ہوا کہ اس موضوع پر کتاب لکھنے کی ضرورت ہے اور یہ کتاب سرپرست تنظیم حضرت مولانا نورالحسن شاہ صاحب لکھیں، حضرت بخاری صاحب نے اس موضوع پر مواد کی کمی کا عذر

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

فرمایا، اس پر فیصلہ ہوا کہ حضرت والد صاحب اور حضرت مفتی عبدالستار صاحب صدر مفتی جامعہ خیرالمدارس دونوں حضرات ان کو مواد فراہم فرمائیں گے، چنانچہ طے ہوگیا کہ حضرت بخاری صاحب اس موضوع پر کتاب لکھیں گے۔

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے حسب وعدہ ملتان سے واپس آکر ایک مبسوط اور مدلل تحریر عقیدہ حیات النبیا کے عنوان پر لکھ کر حضرت بخاری صاحب کو ارسال فرمادی، انہوں نے ''حیات الاموات'' کے نام سے کتاب لکھ کر شائع فرمادی جس کا مقصد ان مسائل میں اکابر تنظیم کے مسلک و موقف کو واضح کرنا تھا۔ لیکن دوسرے فریق نے کتاب شائع ہوتے ہی ''ردمنکرات'' کے نام سے رد لکھا اور مولانا غلام اللہ خان صاحب نے بھی اس کتاب کی تصدیق کرتے ہوئے اپنے عقیدہ کی وضاحت کی اور حضرت مولانا نورالحسن شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ کی خوب تردید کی، حضرت شاہ صاحب نے ''فتنہ کبریٰ'' کے نام سے رسالہ لکھ کر ہمیشہ کے لیے ان حضرات سے اپنے تعلقات ختم کرنے کا اعلان کردیا۔

حضرت والد صاحب کی ارسال کردہ تحریر سے اگرچہ کتاب ''حیات الاموات'' میں استفادہ کیا گیا تھا لیکن اس کے باوجود ضرورت تھی کہ حضرت والد صاحب کی تحریر کی افادیت کی بنیاد پر اسے الگ مستقل کتاب کی صورت میں شائع کیا جائے۔ اسی مقصد کے پیش نظر حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے اس پر دوبارہ محنت کی اور اسے مفصل کتاب کی صورت میں ڈھال کر اس کا ایک مستقل نام بھی رکھ دیا ''حیات انبیاء کرام علیہم السلام''

۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۴ء میں کتاب مکمل ہو چکی تھی، لیکن عرصہ دراز تک اشاعت کی نوبت نہیں آئی۔ اگرچہ پہلے بھی اپنے حضرات میں سے بہت سے علماء کرام نے کتابیں تحریر فرمائی تھیں لیکن کسی کتاب میں بھی موضوع کی واضح تعیین اور تنقیح نہ تھی، اس لیے اس کی سخت ضرورت تھی کہ دوسرے فریق کے ساتھ جو مابہ النزاع اور وجہ اختلاف ہے اس کی بھی تعیین کردی جائے۔ ساتھ ہی اس امر کی وضاحت اور ضرورت سامنے آئی کہ فریق دوم نے اس موضوع پر تحریری بیان سے کیوں اعراض کیا تھا اور یہ کہ پاکستان میں اس مسئلہ کے شروع ہونے کا سبب کیا تھا، اسے بھی تفصیلاً ذکر کردیا جائے تاکہ اس حوالہ اس مسئلہ کا تاریخی پس منظر سامنے آجائے۔ چنانچہ ان تفصیلات کے لیے حضرت والد صاحب نے دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان میں حضرت مولانا عزیز الرحمن جالندھری مدظلہم سے رجوع کیا۔ آپ نے از راہِ کرم وہ اصل فائل ارسال فرمادی جس میں ان امور کا مفصل جواب موجود تھا۔

حضرت والد صاحب نے ان حضرات کا شکریہ کے ساتھ اپنی کتاب کے آغاز میں وہ اصل تحریرات شامل فرما کر کتاب کی افادیت اور انفرادیت کو دوبالا کردیا۔

حضرت جالندھری رحمہ اللہ نے اپنی تحریر میں فریقین کے مابین محل نزاع کی تعیین فرما کر اپنے مسلک، دعویٰ اور مدلائل کا بھی ذکر فرمادیا ہے، حضرت کی یہ تحریر اپنے موضوع پر نہایت جامع، مدلل اور فیصلہ کن ہے۔ فریق دوم سے گفتگو اور مناظرہ کے لیے یہ تحریر کافی وافی اور ایک عظیم راہنما ہے، فللہ درہ وعلی اللہ اجرہ۔

مولانا اکاوڑوی رحمہ اللہ کا واقعہ

حضرت مولانا امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ جنہوں نے اس موضوع پر منکرین حیات کے مشہور مناظر و عالم

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مولوی احمد سعید ملتانی اور اس کے استاذ مولوی اللہ بخش گکھڑوی سے مناظرہ کرکے انہیں لاجواب کیا اور فتنہ غیر مقلدیت کی بھی انہوں نے خوب سرکوبی فرمائی، ایک مرتبہ حضرت والد صاحب سے سوال کیا کہ:

''حضرت ہمارا اور دوسرے فریق کا اصل اختلاف کس چیز میں ہے؟ میں نے اس موضوع پر علامہ خالد محمود صاحب کی کتاب ''مقامِ حیات'' اور حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر کی ''تسکین الصدور'' اور آپ کی کتاب ''ہدایۃ الحیران'' کو بغور پڑھا، لیکن مجھے محلِ نزاع کا پتہ نہیں چلا، حتیٰ کہ میں نے اس موضوع پر مناظرے بھی کئے اور ان میں نمایاں فتح بھی حاصل کی، لیکن محلِ نزاع اب تک بھی معلوم نہ ہو سکا''، شاید اس کی یہ وجہ ہو کہ یہ لوگ اپنا صحیح عقیدہ واضح نہیں کرتے تھے۔

حضرت والد صاحب نے جواب میں ایک تقریر فرمائی، لیکن پورے طور پر اس سے بھی محلِ نزاع کی وضاحت نہ ہوئی، اس کے بعد جب حضرت والد صاحب نے حضرت جالندھری رحمہ اللہ کی تحریر پڑھی تو اس میں بڑے محقق اور منقح انداز میں محلِ نزاع کی تقریر موجود ہے تو آپ نے یہ تحریر انہیں پیش کی، جسے پڑھ کر وہ بالکل مطمئن ہو گئے، احقر نے اس واقعہ کا یوں ذکر کیا ہے:

''حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ ایک مرتبہ ساہیوال تشریف لائے اور حضرت والد صاحب قدس سرہ سے فرمایا کہ میں نے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر منکرینِ حیات کے عمائدین سے مناظرے کیے ہیں اور مناظروں میں ان کو شکستِ فاش بھی دی۔ پھر اسی موضوع سے متعلق کافی کتب، تحریرات کا بھی بغور مطالعہ کیا ہے لیکن مجھے ابھی تک منقح طور پر واضح نہیں ہوا کہ ہمارے اور فریقِ مخالف کے مابین محلِ نزاع کیا ہے۔ اس پر حضرت نے ان کے سامنے ایک تقریر فرمائی جس سے محلِ نزاع کی قدرے تعیین ہوئی مگر مولانا اوکاڑوی فرماتے تھے کہ مجھے پورے طور پر اطمینان نہیں ہوا اور میں واپس چلا آیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد ساہیوال جامعہ حقانیہ میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ حضرت دروازہ میں کھڑے ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی فرمانے لگے کہ: میں تمہیں یاد کر رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھیج دیا، ہنس کے فرمایا کہ تم لوگ کرامتوں کے قائل نہیں ہو، کیا یہ کرامت نہیں کہ تم اس وقت پہنچ گئے۔ پھر فرمانے لگے کہ میں تمہیں اس لیے یاد کر رہا تھا کہ آپ نے جو سوال کیا تھا اس کا تفصیلی جواب مل گیا ہے۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ کسی طرح وہ آپ تک پہنچا دوں، پھر حضرت نے مجھے وہ مفصل تحریر پڑھ کر سنائی جو اس موضوع سے متعلق حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ نے تحریر فرمائی تھی۔ اس میں واضح طور پر محلِ نزاع اور موضوع کی تعیین تھی۔ یہ تحریر حضرت نے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر سے حاصل فرمائی تھی۔ اسے پڑھ کر پہلی مرتبہ واضح اور منقح طور پر اس موضوع اور محلِ نزاع کا علم ہوا، جس پر بڑی خوشی ہوئی۔ حضرت اوکاڑوی فرماتے تھے کہ اس کے بعد میں نے بہت سے حضرات کو یہ بات بتائی، پھر جب والد صاحب کی کتاب ''حیات انبیاء کرام علیہم السلام'' میں یہ تحریر مکمل طور پر طبع ہوئی تو مولانا مرحوم اس سلسلہ میں علماء کرام کو اکثر اس کتاب کا حوالہ دیتے تھے۔''　　(ماہنامہ ''الخیر'' اشاعت خاص: مولانا امین صفدر اوکاڑوی، ص: ۲۳۸)

کتاب ''حیاتِ انبیاء کرام علیہم السلام'' ایک نظر میں

کتاب شروع ہونے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک نظر اس کے مندرجات پر بھی ڈال لی

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جائے، تاکہ قارئین کے سامنے کتاب کے تمام اہم مضامین کے عناوین ابتداء میں ہی سامنے آجائیں، اور انہیں کتاب کی اہمیت وافادیت کا بھی اندازہ ہو جائے۔

حضرت رحمہ اللہ نے اس کتاب میں سب سے پہلے مسئلہ حیات الانبیاء علیہم السلام کا تاریخی پس منظر بیان فرمایا کہ پاکستان میں اس مسئلہ کا آغاز کب ہوا، کس فریق نے اسے عوامی اسٹیج پر پہلے بیان کیا اور دوسرے فریق کو مناظرہ کا چیلنج دیا اور پھر جب دوسرے فریق نے یہ چیلنج قبول کر لیا اور مناظرہ کے بعد فیصلہ کے لیے ثالث حضرات کا تقرر بھی ہو گیا تو فریق اول نے ثالث حضرات کے حکم کی تعمیل سے انکار کر کے مناظرہ سے کیسے راہ فرار اختیار کی۔

جس کا خلاصہ یہ کہ: چار سال تک اس مسئلہ میں فریقین کے مابین نزاع کی صورت حال جاری رہی، اور فضا میں اس کی آوازیں گونجتی رہیں، مناظرے کے چیلنج بھی ہوئے اور جگہ جگہ اس موضوع پر ایک دوسرے کے خلاف بیان بھی، عوام نے بھی اس میں حسب استعداد بڑی دلچسپی کا مظاہرہ کیا، وہ تو پہلے ہی جنگ وجدال اور ہنگامہ آرائی کے طلبگار اور خواہاں ہوتے ہیں، انہیں یہ اچھا موقع ملا کہ سوائے اس ایک موضوع کے ان کے ہاں گفتگو، تحریر وتقریر کے لیے گویا کوئی اور موضوع نہ رہا۔

بہرحال! عجیب صورت حال ہو گئی، سنجیدہ طبقہ اس کوشش میں رہا کہ فریقین میں اعتدال پیدا ہو اور مفاہمت کی کوئی شکل نکل آئے، بالآخر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ از ہر ہند دارالعلوم دیوبند کے رئیس ومہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی نوراللہ مرقدہ نے پاکستان کی سرزمین پر قدم رنجہ فرمایا اور انہوں نے بڑی حکمت وبصیرت اور فراست ایمانی، خداداد صلاحیت سے کام لیتے ہوئے فریقین کو ایک مشترکہ عبارت پر دستخط کے لیے راضی کر لیا، اور یوں چار سال کا جاری نزاع اپنے اختتام کو پہنچا، حضرت اقدس قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ نے مسئلہ سے متعلق ایک متفق علیہ تحریر فریقین سے لی، ایک تحریر اور تھی جو فریق ثانی سے مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے بائیکاٹ سے متعلق تھی، لیکن بعد میں اس دوسری تحریر کو منسوخ کر دیا گیا تھا، البتہ پہلی تحریر جو نفس مسئلہ سے متعلق تھی اسے نہ صرف برقرار رکھا گیا بلکہ اشاعت التوحید والسنۃ کی مرکزی شوریٰ سے اس کی تائید بھی کرائی گئی، اور پھر صلح کی تکمیل ۱۳ر جولائی ۱۹۶۲ء میں حضرت اقدس مخدوم العلماء مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ نے جامعہ خیر المدارس میں کرائی۔ اس کی پوری تفصیل کتاب ھذا کے پہلے حصہ میں آپ کی نظر سے گزرے گی۔

اس حوالہ سے یہ یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ فریق ثانی کے بعض حضرات یہ کہہ دیتے ہیں کہ حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ نے دیوبند جانے سے قبل دونوں تحریروں کو منسوخ فرما دیا تھا یہ بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے، نسخ کا تعلق صرف دوسری تحریر سے تھا جو شاہ صاحب بخاری کے بائیکاٹ سے متعلق تھی۔

اسی سلسلہ میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "خیر المدارس ملتان کے اجلاس میں جس میں حضرت علامہ محمد شریف کشمیری اور حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہما اللہ جیسے جید علماء کرام تشریف فرما تھے شاہ صاحب بخاری نے کتاب "المہند" طلب کی تو خیر المدارس سے کتاب نہ مل سکی، بالآخر حضرت شاہ صاحب بخاری نے اپنے تھیلے سے انہیں "المہند" نکال کر دی اور مجلس میں موجود حضرات سے مطالبہ کیا کہ وہ حیات النبیا سے متعلق اس کی عبارت پڑھیں

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

لیکن کسی کو عبارت پڑھنی نہ آئی، بالآخر حضرت کشمیری کے کہنے پر شاہ صاحب نے خود عبارت پڑھی اور بتایا کہ "المہند" کی اس عبارت میں تعارض ہے۔" (انتہی)

اس پر سوائے انا للہ اور سبحانک ھٰذا بہتان عظیم کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ ان حضرات اکابر کو کتاب نہیں ملی، اور پھر ملنے کے بعد وہ عبارت نہ پڑھ سکے، اور نہ ہی بخاری صاحب کا جواب دے سکے؟۔

ان حضرات کا "المہند" پر یہ پرانا اعتراض ہے، احقر اس کا جواب تفصیلاً پہلے لکھ چکا ہے، جسے بغور پڑھنے سے اس اعتراض کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

۱۹۹۰ء میں جب حضرت مولانا محمد حسین نیلوی شاہ صاحب مرحوم سے احقر کی ملاقات ہوئی، انہوں نے بھی اس اعتراض کا ذکر فرمایا تھا، احقر نے اسی وقت "المہند" ہی کی عبارت سے انہیں جواب دے دیا تھا۔

بہر حال! یہ محض دروغ بے فروغ اور اکابر پر بہتان ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا جواب دینا ہوگا۔

حیرت ہے کہ جھوٹے الزام اور بہتان لگاتے وقت انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈر کیوں نہیں لگتا والی اللہ المشتکی!

کتاب ھٰذا میں حضرت قاضی شمس الدین صاحب مرحوم کی تحریر اور مکتوب بھی شائع کی گیا ہے جس سے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان کے عقیدہ کی پنڈی کے معاہدہ وصلح سے موافقت اور اتفاق واضح ہے۔

۱۹۸۴ء محرم الحرام ۱۴۰۴ھ میں احقر جامعہ صدیقیہ گجرانوالہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے بخاری شریف سے متعلق اپنے مطبوعہ افادات عطا فرمائے۔ احقر نے مطالعہ کے بعد ان خدمت میں ایک عریضہ لکھا، جس میں عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ان کی عبارت اور "فتح الملہم" میں اسی سے متعلق حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت لکھ کر ان کی خدمت میں ارسال کی اور لکھا کہ:

"بظاہر ان دونوں عبارتوں کا مفہوم ایک ہی معلوم ہوتا ہے، اگر میں صحیح سمجھا ہوں تو تصدیق فرما دیں، اور اگر دونوں میں فرق ہے تو وضاحت فرما دی جائے۔"

حضرت نے جواب میں اپنے قلم سے صرف یہ عبارت تحریر فرمائی:

"روح کے اسی تعلق کا نام حیات برزخی ہے۔"

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی اصل عبارت یہ ہے: "ولا یتوھم من ھٰذا انکار حیاتہ فی قبرہ الشریف فانہ لروحہ صلی اللہ علیہ وسلم اشرافاً علی البدن المبارک المطیب واشراقا وتعلقاً بہ۔"
(فتح الملہم: ج ۳ ص ۴۲۱)

نیز ارشاد فرماتے ہیں: "ومن کشف ادراکہ وغلظت طباعہ عن ھذا الادراک فلینظر الی الشمس فی علو محلھا وتعلقھا وتاثیرھا فی الارض وحیات الحیوان والنبات بھا لہ" (فتح الملہم ج ۳ ص ۴۲۱)

اس کے بعد حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انہیں ایک تفصیلی مکتوب تحریر فرمایا تھا جس کا مقصد یہی تھا کہ اس مسئلہ میں اسی معاہدہ کو معیار قرار دیا جائے جو حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ نے ۱۹۶۲ء میں فریقین کے مابین کرایا تھا، تشدد، غلو اور تکفیر بازی کا سلسلہ ختم کیا جائے۔ جانبین اور فریقین اختلاف کو اپنی حدود اور علمی انداز میں

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

رکھیں، اور عوام کو وہ ان مباحث میں نہ الجھائیں۔ لیکن افسوس اکہ ضعف پیری اور امراض کے ہجوم میں حضرت اس کا جواب تحریر نہ فرما سکے اور کچھ ہی عرصہ کے بعد انتقال فرما گئے۔

اس فصل میں سب سے اہم تحریر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے سابق ناظم اعلیٰ مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ کی ہے، جو انہوں نے ثالث حضرات شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثانی رحمہ اللہ اور خطیب ملت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ کی فرمائش پر لکھی تھی، اس میں حضرت مولانا جالندھری رحمہ اللہ نے فریقین میں اختلاف کے پس منظر کے ساتھ مسئلہ حیات انبیاء کرام علیہم السلام میں اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند کا مسلک بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے اور ساتھ ہی فریقین کے مابین محل نزاع کی تعیین بھی بڑے واضح انداز میں بیان فرمائی ہے، نیز تنقیحات خمسہ اپنا دعویٰ، منکرین حیات کا حکم، اپنے دعویٰ پر قرآن وسنت، اجماع، قیاس اور مذاہب اربعہ کے ساتھ دلائل کی روشنی میں پیش کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اپنے موضوع پر حضرت جالندھری رحمہ اللہ کی یہ تحریر اس قدر جامع، مدلل اور مکمل ہے کہ اس موضوع پر اس سے جامع تحریر اور کتاب نظر سے نہیں گزری۔

اس تحریر کے بعد مسئلہ حیاۃ الانبیاء کرام علیہم السلام کو سمجھنا اور اس پر گفتگو کرنا بہت ہی آسان ہو جاتا ہے، یہ تقریر دلپذیر اس موضوع پر گفتگو کے لیے ایک اساس وبنیاد کی حیثیت کی حامل ہے، جو پہلی مرتبہ اس کتاب کی زینت بنی ہے اور بلاشبہ اس کے شامل ہونے سے کتاب کی اہمیت کہیں زیادہ ہو گئی ہے، یہ تحریر اپنے موضوع پر یہ بڑے ہی خاصہ کی چیز ہے، امید ہے کہ اہل علم اس کی قدر کریں گے۔ حضرت جالندھری کی تحریر کے چند اہم اور بنیادی نکات یہ ہیں:

۱...... ہم اس بات کے قائل ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جیسی بھی وفات مقدر تھی وہ آپ پر وارد ہوئی، ہم آپ پر موت کے وقوع کا ہرگز انکار نہیں کرتے، ہمیں موت کے ورود کا منکر قرار دینا جھوٹ ہے۔

۲...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بعد الوفات کو دنیوی کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ حیات طیبہ بجمیع الوجوہ اس دنیا کی حیات ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عالم برزخ کی حیات اسی دنیوی جسم اطہر میں ہے جو دنیا میں تھا۔

۳...... حیات برزخی میں تعلق ظرفیت کا ہے، یعنی ایسی حیات جو بہ تعلق روح دنیوی جسد اطہر میں عالم برزخ میں ہے۔ حیات کی کوئی اپنی برزکی قسم نہیں ہے۔ عالم برزخ کی ایسی حیات جو دنیوی جسد اطہر میں نہ ہو، ہم ہرگز اس کے قائل نہیں ہیں۔

۴...... ہمارے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم برزخ میں جو حیات حاصل ہے وہ روح مبارک کے تعلق سے اسی دنیوی جسد اطہر کے ساتھ ہے جو روضہ اطہر میں موجود ہے۔ اور اسی تعلق روح کی وجہ سے روضہ اطہر پر پڑھے گئے صلاۃ وسلام کو بغیر کسی واسطہ کے علی الدوام آپ سماعت فرماتے ہیں۔ ''المہند علی المفند'' میں اسی عقیدہ کو حیات دنیویہ اور برزخیہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۵...... یہ عقیدہ کتاب وسنت سے ثابت اور اہل السنۃ والجماعۃ اور جملہ اکابر دیوبند کا نہ صرف یہ کہ متفقہ عقیدہ بلکہ ان کے عقائد مسلمہ میں شامل ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

۶...... عالم برزخ میں حاصل ہونے والی آپ کی حیات طیبہ میں ایسی نہیں ہے جو ہر اینٹ پتھر میں ہے، کما قال تعالیٰ :"وان من شئ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم" جو شخص ایسی حیات کا قائل ہے وہ منکر حیات ہے۔

۷...... آنحضرت ﷺ کے جسم اطہر کو روح مبارک کے تعلق سے جو حیات حاصل ہے، جو لا بشرط شئ کے درجہ میں ہے، یعنی دنیوی جسد اطہر سے روح مبارک کا اتصال ہو یا دخول دونوں میں سے کسی طرح کا تعلق مراد لے لیا جائے، صحیح ہے۔ روح مبارک کے مستقر کو اعلیٰ علیین میں مان کر جسم اطہر میں اس کے اتصال سے حیات مان لی جائے، یا جسم اطہر میں اس کے تلبس اور دخول سے حیات مان لی جائے اس سے مسأ حیات پورا ہو جاتا ہے، اگر ان دونوں میں سے کسی قسم کا تعلق جسم اطہر سے نہ مانتا ہو تو ایسا شخص منکر حیات ہے۔

۸...... اگر روح مبارک کے جسد اطہر سے تعلق کا انکار ہو اور وہ صرف ایسے تعلق کا قائل ہو جو گھر کے مالک کو اپنے گھر سے ہوتا ہے، یہ شخص بھی منکر حیات ہے کیونکہ حیات النبی کے لیے جس تعلق کا ماننا ضروری ہے وہ تعلق حیات ہے، تعلق حیات کا انکار دراصل آپ کی حیات فی القبر کا انکار ہے۔

۹...... قبر اطہر پر پڑھے جانے والے درود وسلام کو حضرت نبی کریم ﷺ بغیر واسطہ کے علی الدوام خود سماعت فرماتے ہیں، عندالقبر الشریف صلاۃ وسلام کا سماع روح مبارک کے تعلق کے ساتھ ہے، یہ محض روحانی یا خرق عادت کے طور پر نہیں ہے۔

۱۰...... ہمارے نزدیک اس عقیدہ کا منکر کافر نہیں ہے بلکہ گمراہ ہے۔ تلک عشرۃ کاملۃ۔

فتاویٰ جات

دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی حضرت مفتی مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ (جو شاہ صاحب بخاری کے بھی استاذ محترم ہیں) سے جب عقیدہ حیات النبی ﷺ سے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے اس کا جو جواب تحریر فرمایا پاکستان کی عظیم اسلامی یونیورسٹی جامعہ اشرفیہ لاہور کے مفتی حضرت مولانا ضیاء الحق صاحب کے علاوہ استاذ الکل حضرت مولانا رسول خان صاحب، اور حضرت فقیہ وقت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہم اللہ کی تصدیق سے یہ فتویٰ "تسکین الصدور" میں شائع ہوا، اس وقت تو اس فتویٰ پر حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی نے فقط تائیدی دستخط فرمائے تھے لیکن ایک عرصہ کے بعد ۱۳۹۵ھ میں جب یہی سوال آپ سے دوبارہ ہوا تو آپ نے ایک تفصیلی فتویٰ جس میں قرآن وحدیث کے دلائل سے اس مسئلہ کو ثابت فرمایا، یہ فتویٰ اس موضوع پر ایک جامع اور مدلل فتویٰ ہے، چنانچہ اس کی اہمیت کے پیش نظر حضرت والد ماجد رحمہ اللہ نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے اس کی نقل طلب کی، حضرت نے از راہ عنایت یہ مدلل ومفصل فتویٰ برائے نقل ارسال فرمادیا، یہ برادرم مکرم ومحترم جناب مولانا قاری امتیاز الرحمن تھانوی مدظلہم کے ہاتھ سے بہت ہی شاندار خط میں لکھا ہوا تھا۔

حضرت والد ماجد نے احقر کو اس کی نقل کا حکم فرمایا، چنانچہ احقر کو اس کے نقل کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، کسی تفصیلی مضمون یا فتویٰ کی نقل کا احقر کے لیے یہ پہلا موقع تھا، جیسے کیسے بن پڑا احقر نے اسے نقل کرلیا، حضرت والد صاحب نے اصل سے سے تقابل فرما کر اس کی تصحیح خود فرمائی، بہرحال کتاب ھٰذا میں یہ فتویٰ پہلے آخر میں شائع کیا گیا تھا اب ابتدائی حصہ میں شائع کیا جارہا ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

گزارش احوال واقعی

کتاب ھذا کے لکھنے کی ضرورت کے بیان کے بعد حضرت نے اس عقیدہ کی اہمیت کو بیان فرمایا ہے۔اور اکابر کے متفقہ اعلان کے بعد حضرت مفتی مہدی حسن رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ نقل کیا گیا ہے۔

رسالہ ''تعلیم القرآن'' پنڈی۔اپریل،مئی ۱۹۸۴ء میں حضرت مفتی محمد وجیہہ رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کی وضاحت انہی کے قلم سے کی گئی ہے۔پھر حضرت محمد وجیہہ صاحب ہی کا ایک تفصیلی فتویٰ درج ہے،جس پر حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی کی بھی تصدیق ثبت ہے۔

''ندائے حق جدید'' ۵۹۶ پر مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ شائع کر کے یہ تاثر دیا گیا تھا کہ مولانا غلام اللہ خان صاحب کے متعلق یہ کہنا کہ ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی یہ غلو اور تشدد ہے۔

ظاہر ہے کہ سائل نے نام لے کر سوال کیا تھا،اس کا جواب یہی ہو سکتا تھا جو حضرت نے تحریر فرمایا۔اصل طریقہ یہ تھا کہ ان حضرات کے عقائد لکھ کر سوال کیا جاتا اور اس پر جو جواب آتا اسے شائع کیا جاتا۔چنانچہ حضرت والد صاحب نے ان کی کتابوں سے ان کے عقائد تحریر فرما کر سوال مرتب کر کے حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی اور حضرت مفتی اعظم رحمہما اللہ کو ارسال فرمائے،دونوں بزرگوں کا مصدقہ جواب یہی آیا کہ یہ عقائد صحیح نہیں اور ان عقائد رکھنے والوں کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

حضرت والد صاحب کا ارسال کردہ استفتاء اور ان اکابر کے مصدقہ جواب کو مکمل طور پر اس کتاب میں شائع کر کے اس پروپیگنڈہ اور باطل کا ازالہ کر دیا گیا ہے جو ''ندائے حق'' کے نام پر کیا جا رہا تھا،بحمد اللہ یہ اصل فتاویٰ احقر کے پاس محفوظ اور موجود ہیں۔

حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ ''تعلیم القرآن'' راولپنڈی ماہ صفر المظفر ۱۳۷۸ھ میں شائع ہوا،جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر الشریف کو حیات برزخی قرار دیا گیا تھا۔اس فتویٰ سے یہ تاثر دیا گیا کہ حضرت مفتی صاحب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قبر اطہر میں محض حیات روحانی کے قائل ہیں۔ایک بزرگ عالم دین کے استفسار پر حضرت مفتی اعظم نے بڑی تفصیل سے اس مسئلہ پر قلم اٹھایا اور دلائل سے ثابت فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی البرزخ محض روحانی حیات نہیں بلکہ حقیقی جسمانی مثل حیات دنیوی کے ہے۔

حضرت مفتی اعظم فرماتے ہیں کہ: جمہور امت کا یہی عقیدہ ہے اور یہ کہ میرے سابقہ فتویٰ سے حیات جسمانی کے انکار پر سند پکڑنا صریح ظلم اور میرے کلام کی تحریف ہے۔آپ کا یہ وضاحتی تفصیلی اور مدلل فتویٰ ماہنامہ ''الصدیق'' ملتان بابت ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۸ھ میں شائع ہوا۔

کتاب ھذا میں حضرت والد صاحب نے یہ تمام تفاصیل مع فتویٰ درج فرما دی ہے۔یہ فتویٰ اس مسئلہ میں فیصلہ کن حیثیت کا حامل ہے۔

''کفایت المفتی'' ج ا ص ۱۶۸ پر ایک فتویٰ میں مفتی اعظم ہند حضرت مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت جس میں آپ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کو برزخی قرار دیتے ہوئے دنیوی ہونے کی نفی فرمائی ہے۔اس عبارت سے بھی مغالطہ دیا جاتا ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

''المہند'' پر حضرت مفتی صاحب کی تصدیق کی عبارت اور دوسری عبارات کی روشنی میں اس کی وضاحت کردی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جن اکابر کی عبارت میں قبر اطہر کے دنیوی ہونے کی نفی ہے اس سے مراد دنیوی مطلق کی نفی ہے، یعنی ہر اعتبار سے دنیوی ہونے کی نفی ہے، مطلق دنیوی کی نفی نہیں ہے، یعنی اگر جسم مبارک دنیوی ہو اور اس میں روح مبارک کے تعلق سے ایسی حیات آجائے جس سے صلاۃ وسلام آپ سماعت فرما کر جواب دے سکیں اس کی نفی مراد نہیں ہے۔

''المہند'' پر حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی تقریظ سے یاد آیا کہ احقر نے ۱۹۹۰ء مولانا محمد حسین نیلوی صاحب مرحوم سے عرض کیا کہ آپ ''المہند'' کو کیوں نہیں مانتے؟ جبکہ آپ کے استاذ محترم حضرت مفتی اعظم ہند نے اس کی تصدیق فرمائی ہے۔ نیلوی شاہ صاحب نے فرمایا کہ: ''استاذ محترم نے اپنے بڑوں کے اعتماد پر تصدیق فرمادی، کتاب کو پڑھا نہیں۔'' احقر نے فوراً حضرت مفتی صاحب کی مصدقہ عبارت پڑھ کر سنادی، جس میں تصریح ہے کہ: ''میں نے ان تمام جواب کو پڑھا ہے، یہ سب حق ہیں اور یہی میرا اور میرے مشائخ کا عقیدہ ہے۔'' تو انہیں اس سوال کا جواب نہیں آیا۔

افسوس! کہ اپنے اکابر اساتذہ کرام کا دامن چھوڑ کر ہمیشہ یہ حضرات ان کی مخالفت کرتے رہے، اور اپنے بڑوں پر عدم اعتماد کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ حفظنا اللہ جمیعاً من الغوایۃ والضلالۃ ومن سوء الادب مع الاکابر!

مکتبہ فیصل سرگودھا کے بانی مولانا خدا بخش صاحب مرحوم سے پرانا تعلق تھا، وہی اس مکتبہ کے بانی اور مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے مرید بھی تھے۔ مناظرہ سلانوالی بابت ۱۳۵۵ھ ۱۹۳۶ء مطبوعہ لکھنو کا ذاتی نسخہ حضرت والد صاحب نے ہی انہیں اشاعت کے لیے دیا تھا، موصوف نے اسے شائع کیا تھا لیکن انہی کے ہم مسلک ایک اور مکتبہ نے اس کا عکس شائع کردیا جس کی وجہ سے انہیں بہت نقصان اٹھانا پڑا، موصوف ہمیشہ اس کا شکوہ کرتے رہے۔

بہر حال! ایک مرتبہ احقر نے ان سے ملنے اور کتابیں دیکھنے کے لیے ان کے مکتبہ پر حاضر ہوا تو انہوں نے ''اعلاء السنن'' ج ۱۷ کتاب الاضحیۃ کی ایک عبارت کا ایک فوٹو اسٹیٹ صفحہ پیش کیا، ان کا کہنا تھا کہ اس میں تصریح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر اطہر میں جو حیات حاصل ہے کہ وہ برزخی ہے۔ اسے دنیوی کہنا صحیح نہیں، نہایت ضروری تھا کہ اس مغالطہ کو بھی دور کردیا جائے، چنانچہ حضرت نے اس کتاب میں اس عبارت کی وضاحت بھی فرمادی۔

ان مباحث کے بعد مقدمۃ الکتاب کے عنوان سے حضرت نے مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کی حقانیت حدیث ما انا علیہ واصحابی کی تشریح، مسلک اہل السنۃ کے امتیازات پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، بعض لوگ سلف صالحین کی اتباع کو اہمیت نہیں دیتے، قرآن اور حدیث کا مفہوم ان سے ہٹ کر بیان کر کے اس بات کے مدعی بن جاتے ہیں کہ اصل قرآن وسنت ہے۔ اتباع سلف کی کوئی اہمیت نہیں۔ خوارج نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں یہی طریقہ اپنایا تھا، جس سے معلوم ہوا کہ اتباع سلف صالحین سے ہٹ کر قرآن وسنت کا آزادانہ معنیٰ کر کے اسے قرآن وسنت کے نام پر پیش کرنا یہ خوارج کا طریقہ ہے۔

قبر میں اعادۂ روح کو قرآن کریم کی نص کے خلاف قرار دینا بھی اسی کی ایک مثال ہے۔ بعض حضرات قبر میں اعادۂ روح اور قبر میں جسم سے روح کے تعلق کو نص قرآنی: اللہ یتوفی الانفس حین موتہا، الآیۃ کے خلاف قرار دے کر قبر میں میت کے جسم سے روح کے تعلق کے ماننے والوں کو کافر قرار دے رہے ہیں، ان کے زعم میں یہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اعادہ اور تعلق اس آیت کے خلاف ہے۔حالانکہ یہ مغالطہ ہے اہل حق اعادۂ روح اور تعلق روح کے قائل ہیں،ان کو نص قرآنی کے مخالف کہنا انتہا درجہ کی دلیری اور بے باکی ہے۔

بہرحال!اس مغالطہ کا مکمل جواب کتاب میں دے دیا گیا ہے، جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔منکرین حیات کی اعادہ روح الی القبر کے انکار پر:اللّٰہ یتوفی الانفس،الآیۃ۔بڑی مایہ ناز دلیل ہے، چنانچہ ان کے ایک مشہور عالم نے ''علماء پاکستان کے نام ایک کھلا خط'' کے عنوان سے اسی آیت کو پیش کر کے دعویٰ کیا تھا کہ اعادہ روح الی القبر قرآن کریم کی اس نص صریح کے خلاف ہے، جبکہ یہ ان کی کھلی خطا اور غلطی تھی۔یہ بالکل بدیہی اور عقلی بات ہے کہ اگر اعادہ روح کا عقیدہ قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف ہوتا تو علماء حق اس کے کیوں قائل ہوتے؟ کیا ان حضرات نے قرآن کریم کی اس آیت کو دیکھا اور سمجھا نہیں تھا؟ کیا ان سب کی تغلیط اور تخطیہ کی بجائے اس شخص کو خطا پر قرار دینا بہتر نہیں ہے جو ان سب کے خلاف اپنی سمجھ اور فہم کو حجت قرار دے کر سب کو غلط کہہ رہا ہے،فاعتبروا یااولی الابصار!

دراصل یہ سب غلط ہے،قرآن کریم کی آیت کا یہ معنیٰ ہے ہی نہیں جو ان منکرین حیات نے سمجھا ہوا ہے۔ تفصیل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں،حقیقت سمجھ آجائے گی۔اسی سلسلہ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ اور علامہ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ کا ارشاد چشم کور کے لیے سرمہ بصیرت کا درجہ رکھتا ہے۔

''جواہر القرآن'' میں حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ سے عدم سماع موتی پر استدلال کیا گیا ہے،اسی طرح اصحاب کہف کے واقعہ سے بھی نفس سماع موتی پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔کتاب ھذا میں اس کا تحقیقی جواب لکھ دیا گیا ہے،ان مباحث پر کتاب کا مقدمہ مکمل ہو جاتا ہے۔

اصل کتاب کا آغاز

اصل کتاب کے آغاز میں حضرت نے مسلک علماء دیوبند کی وضاحت فرما کر ثابت فرمایا کہ یہ کوئی الگ فرقہ یا جماعت نہیں بلکہ اہل السنۃ والجماعۃ ہی کا دوسرا نام مسلک دیوبند ہے۔سلف اور خلف سے مسئلہ حیات النبی ﷺ کا جو مسلک چلا آرہا ہے علماء دیوبند کا بھی وہی مسلک ہے،اس بارہ میں جو غلط نظریہ ہے اس کی مدلل تردید کرتے ہوئے قبر میں عود روح الی الجسد کو دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔

عذاب اور ثواب قبر کے بارے میں جمہور اہل السنۃ کا مسلک یہی ہے کہ یہ روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے اس کا اثبات اور اس کے خلاف دوسرے نظریہ کی تردید کی گئی ہے۔

اگر مردہ جلا دیا جائے،غرق ہو جائے،درندہ اسے کھا لے اس کا عذاب وثواب کہاں ہوگا؟ اس کا مفصل جواب بھی اہل سنت کی کتب سے دیا گیا ہے۔

انکار حیات کا مسأ اور عالم برزخ میں روح کا اعادہ جسم کے معذب ہونے کا ثبوت نیز حضرت حکیم الامت تھانوی کی عبارت سے استدلال،جسم سے روح کے تعلق پر حضرت مفتی اعظم مفتی عزیز الرحمن صاحب کا فتوئی، قبر کی حیات کے انکار پر آیت قرآنی :قالوا ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین سے استدلال کا مدلل جواب بھی دے دیا گیا ہے۔

ایک عظیم مغالطہ کہ اخبار احاد سے عقیدہ کیسے ثابت ہوگا؟ اس کے جواب کے بعد قبر کی حقیقت اور بعض

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

دیگر مغالطات کا جواب بھی لکھ دیا گیا ہے، حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی عبارات سے واضح کر دیا گیا ہے۔ قبر کا گڑھا بھی عالم برزخ کا حصہ ہے، البتہ عالم برزخ کو اس میں منحصر کرنا صحیح نہیں کیونکہ وہ عام ہے جو اس گڑھے کو بھی شامل ہے۔ منکرین حیات حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی کی بعض کتب ''اشرف الجواب'' وغیرہ کی عبارات کو اپنے مسلک کی تائید میں پیش کر کے مغالطہ دیتے ہیں، اسی طرح بعض اور بزرگوں کی عبارات سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ قبر سے مراد یہ گڑھا نہیں۔ جناب مولانا نیلوی صاحب مرحوم نے بھی اسی پر سارا زور لگا دیا ہے، لیکن افسوس انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ اس گڑھے سے قبر کی نفی کس درجہ میں ہے: ع

سخن شناس نہ ای دلبرا خطا ایں جاست

مولانا محمد امیر صاحب بندیالوی مرحوم بانی ضیاء العلوم سرگودھا نے اپنے رسالہ ''الاقوال المرضیۃ'' میں ایک انوکھی تحقیق پیش فرمائی کہ عالم مثال میں بغیر تعلق روح کے حیات بسیط کے ساتھ عذاب وثواب ہوتا ہے۔

یہ نظریہ چونکہ اہل السنۃ کے مسلک کے خلاف اور معتزلہ کی شاخ صالحیہ اور کرامیہ کی صدائے بازگشت ہے اس لیے اس کی مفصل اور مدلل تردید کی گئی۔

عالم برزخ میں ابدان کے ساتھ ارواح کا تعلق اہل السنۃ کے ہاں ثابت ہے لیکن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم اس کے قائل نہیں ہیں اور وہ اس سلسلہ میں سکوت کو سب سے احوط قرار دیتے ہیں۔

حضرت نے ان کے اس نظریہ پر بڑا بصیرت افروز تبصرہ فرما کر ثابت کیا ہے کہ یہ کسی طرح بھی احوط مسلک نہیں بلکہ جمہور اہل السنۃ کے خلاف ہے۔ بدن مثالی کے ساتھ عذاب وثواب کا قول اگرچہ بعض صوفیاء کا ہے لیکن علماء متکلمین اس کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہی منکرین حیات قرآن وسنت سے اسے ثابت کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد اس کتاب ''حیات الانبیاء'' میں حیات انبیاء کرام کے عقیدہ پر بحث کی گئی ہے، اس میں علماء دیوبند کا مسلک اور کتاب ''المہند'' کے مختصر تعارف کے ساتھ حیات دنیوی اور برزخی کی تشریح کے بعد حضرت اقدس نانوتوی رحمہ اللہ پر انکار وفات کے الزام کا رد فرمایا گیا ہے اور آپ علیہ السلام پر وفات شریفہ کے ورود کی تصریح خود حضرت نانوتوی ہی کی عبارت سے ثابت کی گئی ہے۔

پھر حضرت نبی کریم علیہ السلام کی حیات جسمانی پر قرآن کریم کے دلائل قائم کیے گئے ہیں، نیز حیات شہداء سے متعلق روایات کے ظاہری تعارض میں تطبیق کی ایسی تقریر کی گئی ہے جس سے تمام شبہات دور ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد عقیدہ حیات النبیا پر احادیث سے استدلال کا آغاز ہوا۔ اور علماء امت کے اجماع سے اس عقیدہ کو ثابت فرمایا گیا ہے۔

انکار حیات کا منشاء

معتزلہ کرامیہ کا عقیدہ تھا کہ آپ علیہ السلام وفات شریفہ کے بعد مکمل طور پر آپ نبی اور رسول ہیں، حقیقی اعتبار سے آپ نبی اور رسول نہیں رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ نبوت کے لیے شعور لازم ہے اور علم واحساس کے بغیر اس کا پایا جانا ممکن نہیں، جب وفات کے بعد شعور نہیں رہا تو نبوت کیسے باقی رہے گی۔

کرامیہ کے اس نظریہ کی تردید اور عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اکابر اہل سنت کی تصریحات کے ذکر کے بعد حیات دنیوی کے مفہوم کو واضح کیا گیا ہے، اسے سمجھنے کے بعد کوئی مغالطہ باقی نہیں رہتا۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مسئلہ سماع انبیاء کرام علیہم السلام

آنحضرت ﷺ کے سماع عند القبر الشریف پر تمام اہل السنۃ کا اتفاق اور اجماع ہے، لیکن منکرین حیات نے اس کا بھی انکار کیا ہے، وہ جیسے حیات روحانی کو مانتے ہیں ان کے ہاں سماع بھی روحانی ہے اور روضہ اطہر پر پڑھے جانے والے درود شریف کو بھی آپ خود سماع نہیں فرماتے، حالانکہ یہ اہل السنۃ کے مسلک کے خلاف ہے۔ کتاب ھذا میں اس اجماعی مسئلہ کو بھی دلائل سے ثابت کیا ہے۔

سماع عند القبر الشریف کے اثبات میں جن روایات واحادیث سے استدلال کیا گیا ہے، ان کی سند پر بھی بحث کی گئی ہے بطور خاص حدیث پاک: من صلی علی عند قبری سمعتہ پر تفصیلی کلام کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ اس کی جس سند میں مروان بن سدی صغیر ہے، ہمارا استدلال اس سے نہیں بلکہ دوسری سند ہے، اسی طرح اس مسئلہ کا اثبات اسی حدیث پر موقوف نہیں دیگر دلائل سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہے۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اپنے روایتی تشدد اور بعض مسائل میں تفرد کے باوجود علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے تلمیذ رشید علامہ ابن القیم بھی اہل حق کے ساتھ ہیں۔ ان کے حوالے اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی اور دیگر اکابر رحمہم اللہ کے حوالہ جات بھی نقل کئے گئے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور مسئلہ سماع موتی

کتاب ''حیات انبیاء کرام علیہم السلام'' کا اصل موضوع اگرچہ اصلی موضوع انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات فی القبور اور سماع کا مسئلہ ہے، لیکن ضمناً عام موتی کے سماع عند القبور کے مسئلہ کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔ عام سماع موتی کا مسئلہ شروع سے ہی اختلافی چلا آ رہا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین بھی اس مسئلہ میں اختلاف تھا اور بعد کے اہل حق میں بھی یہ مسئلہ اختلافی رہا ہے اہل حق میں اب تک اس میں دو گروہ موجود ہیں، علماء دیوبند اور جمہور فی الجملہ عام سماع موتی کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہی راجح ہے، جبکہ ایک طبقہ اس کا منکر ہے لیکن ان کے درمیان یہ کوئی حق و باطل کا اختلاف نہیں بلکہ راجح و مرجوح کا اختلاف ہے، دلائل کی روشنی میں جس کے ہاں جو رائے صحیح ہے وہ اس کا قائل ہے چونکہ دونوں مسلک صحیح ہیں، اس لیے جس مسلک کو بھی اپنا لیا جائے صحیح ہے، لیکن سماع موتی یا عدم سماع کے قائلین میں سے کسی کی بھی تفسیق وتجہیل اور تکفیر جائز نہیں، اور نہ ہی قائلین سماع کو شرک یا نص قطعی کا منکر کہنا صحیح ہے، کیونکہ یہ انتہا درجہ کا غلو تشدد اور تجاوز عن الحدود ہے، جس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہو، اس کا آج فیصلہ نہیں ہو سکتا اگر اس مسئلہ میں ایسی نص قطعی ہوتی جس کی دلالت بھی عدم سماع موتی پر قطعی ہوتی تو صحابہ کرام اور اہل حق میں اختلاف ہی نہ ہوتا، ان حضرات میں اختلاف ہونا ہی اس کی دلیل ہے کہ عدم سماع موتی پر قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ نص نہیں ہے۔

بہرحال! سماع موتی فی الجملہ کے قائلین کو نص قرآن کا مخالف بلکہ مشرک تک کہا جا رہا ہے۔ اور ''جواہر القرآن'' میں صحابہ کرام کے مابین اسے اختلافی مان کر بعد میں عدم سماع موتی کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا متفقہ عقیدہ قرار دیا جا رہا ہے، اس لیے ضرورتاً وضمناً اس مسئلہ پر بھی اہل حق کا موقف اور راجح مسلک کے دلائل بیان

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کر کے سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مسلک پر تفصیلی کلام کیا گیا ہے اس کے بعد منکرین سماع موتی جن آیات سے اپنے موقف پر استدلال کرتے ہیں ان کا مدلل جواب اوران آیات کی صحیح تفسیر ومفہوم بھی بیان کر دیا گیا ہے۔

استعارہ کی نفیس بحث

حق تعالی کے ارشاد گرامی :انک لاتسمع الموتی۔ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے، اس میں اللہ تعالی نے کفار کوموتی اور مردوں سے تشبیہ دی ہے۔ یہاں مردوں سے حقیقی مردے مراد نہیں ہیں بلکہ کفار مراد ہیں۔اور لاتسمع میں سماع نافع کی نفی کی گئی ہے،یعنی جیسے مردے سننے کے باوجود بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھاسکتے اورانہیں سنانے کا کوئی فائدہ نہیں،اسی طرح کفار بظاہر سنتے ہیں لیکن قبول نہیں کر سکتے توان کے حق میں آپ کا یہ سنانا یعنی تبلیغ کرنا مفید نہیں ہے۔

بہرحال ! یہاں کفار کومردوں سے تشبیہ دی گئی ہے اس لیے اس مقام کو کماحقہ سمجھنے کے لیے علم بلاغت میں ذکر کردہ استعارہ کی بحث سمجھنے کی ضرورت ہوگی اس لیے حضرت نے یہاں استعارہ کی نفیس بحث ذکرفرما کر واضح کر دیا کہ اس آیت سے عدم سماع موتی پر استدلال صحیح نہیں کیونکہ یہاں سرے سے سماع کی نفی ہی نہیں ہے بلکہ اسماع (سنانے) کی نفی ہے اور مراد سماع واسماع سے نافع ہے نہ کہ مطلق سماع،اس لیے اس آیت کریمہ کا یہ ترجمہ کسی نے بھی نہیں کیا کہ مردے نہیں سنتے۔

احقر کو یاد ہے کہ حضرت والد ماجد مدرسہ مدینۃ العلوم سرگودھا میں شہر کے علماء کرام سے خطاب فرمارہے تھے،اس میں اوقاف کے ضلعی خطیب صاحب جوسماع موتی کے منکر تھے وہ بھی موجود تھے،حضرت والدصاحب نے سماع موتی کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے اسی آیت کے بارہ میں فرمایا کہ اس کا یہ ترجمہ کہ:"مردے نہیں سنتے"، ہرگز صحیح نہیں اورنہ ہی کسی نے یہ ترجمہ کیا ہے،حتیٰ کہ"جواہرالقرآن" میں مولانا غلام اللہ خان صاحب نے بھی اس آیت کا یہ ترجمہ نہیں کیا،اس آیت کے علاوہ بھی پورے قرآن کریم میں سے کوئی شخص ایک آیت بھی ایسی پیش نہیں کرسکتا،جس میں یہ ہو کہ مردے نہیں سنتے،اسی طرح مرزاغلام احمد نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر"ازالۂ اوہام" میں جوتیس آیتیں لکھی ہیں منکرین حیات بھی انہی سے اپنے عقیدہ پراستدلال کرتے ہیں،ان آیات کے علاوہ وہ کوئی آیت اپنے دعویٰ پر پیش نہیں کر سکتے،اس وقت عجیب سا تھا اور ضلعی خطیب صاحب جو اپنے جلال ودبدبہ میں مشہور تھے بالکل دم بخود تھے۔

اسی سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ تحصیل شاہ پورصدر میں عرصہ دراز قبل منکرین حیات وسماع کے ایک عالم نے پورے علاقہ میں اس مسئلہ کو پھیلا رکھا تھا اور ہرجگہ ان کی تقریر کا موضوع یہی مسئلہ سماع موتی ہوتا تھا۔عوام میں وہ قرآن کریم کی آیت :ان لاتسمع الموتی، وماانت بمسمع من فی القبور وغیرہ پڑھ کر یہی ترجمہ اور تشریح کر رہے تھے کہ:اللہ تعالی کا کلام واضح طور پر کہہ رہا ہے کہ مردے نہیں سنتے اور جوسماع موتی کا قائل ہے وہ قرآن کریم کی اس نص کا منکراوردائرہ اسلام سے خارج ہے۔

جب کئی مقامات پر انہوں نے اس طرح کے بیان سے عوام کے ذہنوں کوخراب اور فضا کومسموم کیا،تو حضرت والدصاحب نے مقتضائے حال اور ضرورت کے پیش نظران کا تعاقب کیا،ان کی تقریر کارد،اہل السنۃ کے موقف کی وضاحت اور علماء دیوبند کے مسلک کی تبلیغ فرمائی،آپ تحصیل شاہ پور کے ایک موضع گجرانوالہ تشریف لے گئے،جہاں وہ مولوی صاحب اسی مسئلہ پر بیان کر چکے تھے،آپ نے ظہرتاعصر بڑی تفصیل اوردلائل سے اصل مسئلہ کو بیان فرمایا اور مختلف کتب تفسیر اور تراجم کا حوالہ دیا،دوران تقریر مسجد کے امام صاحب جوخیر سے مماتی تھے،ہاتھ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

میں مصحف لے کر کھڑے ہوئے، اور: "انک لاتسمع الموتیٰ" کا ترجمہ پیش کیا۔ حضرت والد صاحب نے فرمایا یہ کس کا ترجمہ ہے؟ امام صاحب نے کہا یہ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمہ اللہ کا ترجمہ ہے۔ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے، یہ حضرت شاہ عبدالقادر کا ترجمہ نہیں، اسے ترجمے سمیت پکڑ کر میرے پاس لاؤ، چنانچہ لوگ اسے پکڑ کر اسٹیج کے قریب لائے، حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ سرورق کھول کر دکھاؤ یہ کس کا ترجمہ ہے۔ جب اس نے سرورق کھولا تو اس پر حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کا نام نہیں تھا، اس طرح حضرت کی بات صحیح ثابت ہوئی اور سب کے سامنے وہ رسوا ہوا۔ اللہ کے گھر میں جھوٹ پر اس قدر دیدہ دلیری سے سب کو حیرت ہوئی اور ساتھ ہی حضرت والد صاحب کی گرفت اور ان کے استحضار پر سب لوگ حیران تھے۔

بہرحال! آیت بالا اور اس طرح کی دوسری آیات میں مردوں کو آپ کے سنانے کی نفی کی گئی ہے، یہ کسی آیت میں بھی نہیں کہ مردے نہیں سنتے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے: ان اللہ یسمع من یشاء میں تصریح فرمادی ہے کہ سنانا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، وہ جب چاہتا ہے سناتا ہے آپ ہر ایک کو نہیں سنا سکتے، ہاں البتہ جو مومن بالآیات ہے انہیں آپ یقیناً سناتے ہیں، ان تسمع الا من یومن بآیتنا، کیونکہ وہ آپ کی بات قبول کرتے ہیں۔ یہ ہے اصل صورتحال لیکن منکرین سماع نے ان آیات کی تشریح کچھ سے کچھ کر کے عدم سماع موتی کو قرآن کی نص قطعی سے ثابت ہونے کا دعویٰ کر دیا، اور قائلین سماع کو ان آیات کا منکر قرار دے دیا، نعوذ باللہ من ذٰلک۔

الغرض! استعارہ کی نفیس علمی اور مفید وافید بحث کے بعد عبارات اکابر کی روشنی میں سماع موتی کے راجح ہونے کو ثابت کیا گیا ہے۔

پھر حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کی کتاب "عبارات حدیث" سے دو حدیثیں پیش کی گئی ہیں جن سے سماع صلاۃ وسلام عند القبر الشریف پر استدلال کیا گیا ہے۔

حضرت الوانی رحمہ اللہ نے ان دو حدیثوں کو صرف پیش نہیں فرمایا بلکہ ان سے استدلال بھی فرمایا ہے۔

ان دونوں حدیثوں کی تحقیق اور حدیث میں رد اللہ علی روحی کے مطلب کی تقریر اکابر کے حوالہ سے بیان کر کے اس پر ہونے والے اشکال کو دور کیا گیا ہے، ساتھ ہی ایک دوسرے عامیانہ بلکہ گستاخانہ اعتراض کہ آپ علیہ السلام اتنے سلام کا جواب کیسے دیتے ہوں گے، اسے بھی دور کیا گیا ہے، اور اس کے بعد عقلی طور پر کئے جانے والے شبہات کا ایسا جواب جو انتہائی اہم اور اصل کلی کا درجہ رکھتا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے جسے بغور پڑھنے کے بعد تمام عقلی استبعادات اور شبہات دم توڑ جاتے ہیں، اور تمام برزخی اور اخروی معاملات کے حوالہ سے شرح صدر ہو جاتا ہے۔

منکرین حیات کا مشہور اشکال ہے کہ اگر آپ ﷺ کی قبر مبارک میں دنیوی حیات ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسئلہ خلافت وغیرہ کا فیصلہ آپ سے کیوں نہیں کرا لیا؟ انا للہ، یا للعجب۔ یہ کس نے کہا ہے کہ قبر شریف کی یہ حیات مبارکہ ہر اعتبار سے دنیوی ہے اور تکلیفی حیات ہے، حد ہو گئی۔

بہرحال! کتاب میں اس کا جواب بھی موجود ہے اور غیر متعلقہ آیات سے استدلال کا جواب بھی دیا گیا ہے، جس میں غیر متعلقہ آیات سے عدم سماع موتی پر استدلال کے شافی کافی جواب دیے گئے ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

استشفاع عندالقبر الشریف

آنحضرت ﷺ کی قبراطہر پر حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کرنا اور یہ کہنا کہ حضرت آپ میری مغفرت فرمائیں، جائز اور درست ہے۔

کتاب ھذا میں اس مسئلہ پر بحث فرمائی گئی ہے، متعدد کتب کے حوالہ جات اور اکابر کی عبارات نیز آیت قرآنی اور صحابہ کرام کے اثر سے اس کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد صاحب ''جواہر القرآن'' مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم کا نظریہ نقل کر کے اسے رد کیا گیا ہے، آیت قرآنی: ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک سے جن حضرات نے استشفاع من قبر النبی ﷺ کے جواز پر استدلال کیا ہے ان کتابوں کے حوالے جدید صفحات لکھ دیے گئے ہیں۔

کتاب ''حیات انبیاء کرام علیہم السلام'' کی سب سے اہم اور آخری بحث بلوغ صلاۃ وسلام سے متعلق ہے، اہل السنۃ اس کے قائل ہیں کہ آپ علیہ السلام کی قبراطہر پر حاضر ہو پڑھے گئے درود وسلام کو آپ خود سماعت فرماتے ہیں اور دور سے پڑھے جانے والے صلاۃ وسلام کو آپ خدمت میں فرشتے پہنچاتے ہیں، اس اجماعی موقف کے خلاف کتاب ''شفاء الصدور'' کے مؤلف اور مترجم نے لکھا ہے کہ: ''باقی رہا سلام و درود کا بلوغ سو اس سے مراد ثواب ہے جو ہر فوت شدہ کو ملتا ہے'' (ص ۴۴)

حضرت والد ماجد ﷫ نے اس موقف کی تردید فرما کر اصل مسلک کی تائید فرمائی ہے اور اسی بحث پر کتاب کی مباحث بخیر و خوبی مکمل ہو جاتی ہے، فللہ الحمد و لہ الشکر!

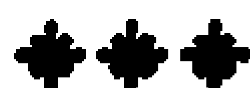
مکتبہ اشرفیہ لاہور سے کتاب کے دو ایڈیشن شائع ہوئے۔ عرصہ دراز سے ضرورت تھی کہ اسے شائع کیا جائے، چنانچہ اسی لیے ایک عرصہ قبل اس کی کمپوزنگ کرائی گئی تھی، خیال تھا کہ تصحیح اور نئی ترتیب کے بعد اسے شائع کر دیا جائے، لیکن کئی سال تک اس کی نوبت نہ آئی، اب جبکہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کے مالک محترم و مکرم جناب حافظ محمد اسحاق صاحب زید مجدہم نے اپنے ادارہ سے اس کی اشاعت کا تقاضہ کیا تو پوری کتاب کی از سر نو خواندگی اور مطبوعہ کتاب سے تقابل، تصحیح اور ترتیب جدید کا اہتمام کیا گیا۔ برادر زادہ برخوردار مولوی عبدالناصر ترمذی سلمہم نے اس کے لیے خاص وقت نکالا اور شب و روز محنت کر کے ان تمام مراحل کی تکمیل کی۔ بندہ نے بھی پوری کتاب کی خواندگی، جدید ترتیب اور بعض مقامات کی تصحیح کی سعادت حاصل کی اور ساتھ ہی ایک مفصل و مبسوط مقدمہ بھی تحریر کیا جس میں بہت سی ضروری اور مفید ابحاث کا اضافہ کر دیا ہے، نیز کتاب ہذا کا مفصل تعارف بھی کرا دیا ہے جس سے اس کی اہمیت اور عظمت واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب مساعی کو قبول فرمائیں اور حضرت مؤلف ﷫ کے درجات کی بلندی کا سبب اور ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے، آمین۔

وصلی اللہ علی النبی الکریم محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین!

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

خادم الافتاء والحدیث جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

۲۷ رشعبان المعظم ۱۴۴۵ھ ۹ رمارچ ۲۰۲۴ء



For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

عقیدۂ حیات انبیاء کرام علیہم السلام کے انکار کا پس منظر

ازقلم

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبد الشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ

حرف اولین

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:

اہل علم میں غالباً ۱۹۵۸ء سے پاکستان میں بعض مسائل وجہ نزاع اور سبب افتراق بنے ہوئے ہیں، بعض وہ علماء جو خود کو اکابر علماء دیوبند کی طرف منسوب کرتے ہیں وہی اکابر دیوبند کی تحقیق سے ان مسائل میں اختلاف و انحراف کررہے ہیں۔ ان مسائل میں سرفہرست مسئلہ حیات النبی ﷺ ہے اور اس کی فرع آنحضرت ﷺ کا سماع عند القبر الشریف اور استشفاع من القبر المنیف کا مسئلہ بھی ہے، عالم برزخ اور قبر کے عذاب وثواب کا مسئلہ بھی انہیں مسائل میں شامل بلکہ متذکرہ مسائل کے لئے بمنزل اصل الاصول کے ہے جن میں اختلاف شدت اختیار کرگیا ہے۔

پاکستان میں نزاع کی ابتداء

(پاکستان میں ان مسائل میں) اس نزاع کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ملک کے مشہور دینی مدرسہ خیر المدارس ملتان کے سالانہ جلسہ پر مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری گجراتی نے داعی حضرات کی رواداری اور حسن سلوک اور تمام تر آداب مجلس سے قطع نظر کرکے اپنے خاص نظریات کی تبلیغ شروع کردی اور اس خالص مسلک دیوبند کے سٹیج کو اپنے خصوصی نظریات کی اشاعت کا ذریعہ بنایا۔ جس کا اسی موقعہ پر شدید ردعمل ہوا اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ نے مسلک اکابر دیوبند کی تائید وحمایت کرتے ہوئے علمی انداز میں باحوالہ مخالف مسلک ونظریات کی تردید اسی جلسہ میں کردی مگر افسوس معاملہ اسی پر ختم نہیں کیا گیا بلکہ اکابر دیوبند کے گروہ علماء اپنے ذاتی نظریات کی ہر جگہ برملا تشہیر وتبلیغ شروع کردی اور ملک کے طول وعرض میں یہ مسائل عوامی سطح پر مشتہر کردیئے گئے۔

نزاع کے ختم کرنے کی کوشش

اس اختلاف کو سلجھانے اور عوام کو افتراق سے بچانے کے لئے حضرت مولانا ظفر احمد عثانی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمہ اللہ کی ثالثی کی تجویز بھی فریقین نے تسلیم کی اور دونوں ثالث حضرات نے فریقین کو اپنے اپنے مؤقف اور اس کے دلائل لکھنے کے لئے خط بھی ارسال کیا۔ چنانچہ مولانا محمد علی صاحب جالندھری رحمہ اللہ اور مولانا لال حسین اختر مرحوم نے تحریری طور پر اپنے مؤقف کو مدلل کرکے ثالث حضرات کی خدمت میں بھیج دیا۔ مگر دوسرے فریق نے اس سے پہلو تہی کی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ناظرین کی آگاہی کے لئے اس جگہ مذکورہ ثالثی کی ضروری تفصیل بیان کردی جائے۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کا شکریہ: یہ تفصیل مولانا محمد علی صاحب جالندھری رحمہ اللہ مرحوم کی اس قلمی فائل سے مرتب کی گئی ہے جو مرکزی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان کے دفتر میں موجود ہے اور اس فائل میں اس سلسلے کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ فریقین کی تحریرات محفوظ ہیں۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کارکنان عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا شکریہ

یہ احقر مجلس تحفظ ختم نبوت کے کارکنوں اور منتظمین کا بے حد شکرگزار ہے کہ انہوں نے یہ قیمتی معلوماتی فائل محفوظ رکھی ہوئی ہے اور استفادے کے لئے حقیر کے پاس بھیج دی۔ جزاھم اللہ خیرا!

محب محترم مولانا عبدالرحیم اشعر ناظم اعلیٰ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان خصوصیت سے احقر کے لئے شکریے کے مستحق ہیں کہ ان کی توجہ اور عنایت سے اس علمی تحریر کی نقل مہیا ہو سکی جو مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ اور مولانا لال حسین اختر مرحوم نے ثالث حضرات کی خدمت میں مسئلہ حیات النبی ﷺ کے بارے میں ان کی طلب پر بھیجی تھی۔ جس سے فریقین کے اختلاف ونزاع کا پتہ چلتا اور موضوع اختلاف کا تعین ہوتا ہے۔ ہم اس مفصل تحریر کی نقل افادہ عام کے لئے آگے ہدیہ ناظرین کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

نزاع کے خاتمہ کے لئے ثالثی اور معاہدہ سکھر

واضح ہو ۵ رجنوری ۱۹۶۱ء کو سکھر کے ایک اجتماع میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ اور مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ کو فریقین مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ، مولانا لال حسین اختر، مولانا غلام اللہ خانؒ، مولانا سید عنایت اللہ شاہ نے درج ذیل تحریر پر دستخط کر کے ثالث تسلیم کر لیا تھا۔

ثالث نامہ از فریقین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

بخدمت گرامی حضرت شیخ الحدیث علامہ مولانا ظفر احمد عثمانی

وحضرت مولانا احتشام الحق تھانوی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! ہم مندرجہ ذیل فریقین نے مسئلہ حیات النبی ﷺ (حیات برزخی وحیات دنیوی) کے تصفیے کے لئے آپ دونوں بزرگوں کو حکم تسلیم کیا ہے۔ امید ہے کہ آپ مہربانی فرما کر مسئلہ مذکور میں فریقین کے دلائل سن کر جو فیصلہ فرمائیں گے فریقین اسے تسلیم کریں گے۔

مکرر آں کہ ہم نے آپ کو حکم تسلیم کر کے آپ کا فیصلہ ماننا باہمی تسلیم کر لیا ہے۔ ہم آپ کے فیصلے کے پابند ہوں گے۔ نہایت ادب سے التماس ہے کہ آپ ہماری درخواست کو شرف قبولیت بخش کر موجودہ نزاع کو ختم کرنے میں امداد فرمائیں۔ یہ اجتماع سکھر میں ہوگا تاریخ ۱۷، ۱۸ رجنوری ۱۹۶۱ء مقرر کی گئی ہے۔

والسلام المرقوم ۵ رجنوری ۱۹۶۱ء

محمد علی جالندھری — بقلم لال حسین اختر — لاشیٔ غلام اللہ — عنایت اللہ

ہوا یہ کہ اس مقررہ تاریخ مناظرہ پر بوجہ وارنٹ گرفتاری مولانا محمد علی رحمہ اللہ سکھر نہ پہنچ سکے اور ان تاریخوں میں سکھر میں اجتماع نہ ہو سکا۔ اس کے بعد مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ نے مناسب سمجھا کہ زبانی مناظرے اور گفتگو سے پہلے فریقین سے ان کے اپنے اپنے دعوے اور دلائل کی تحریر حاصل کر لی جائے تا کہ زبانی

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بحث ومناظرے اور فیصلے کے وقت اس سے مدد لی جا سکے۔ چنانچہ مجوزہ ان دونوں ثالث حضرات کا مکتوب گرامی جس کو انہوں نے اس مقصد کے لئے فریقین کی طرف ارسال فرمایا تھا حسب ذیل ہے:

ثالث حضرات کا مکتوب گرامی

محترم گرامی قدر مولانا محمد علی صاحب جالندھری

السلام علیکم! آپ نے مسئلہ حیات النبی ﷺ میں ہمیں ثالث تسلیم کیا ہے اس سلسلہ میں تحریر ہے کہ آپ اپنا دعویٰ اور اس کے دلائل تحریر کر کے ارسال کریں اور اپنی تحریر کی دو کاپیاں بھیجیں تاکہ ایک کاپی ہم دوسرے فریق کو روانہ کر سکیں۔ اسی طرح چار چار پرچہ تحریر کرائے جائیں گے۔

۲...... جو آپ تحریر کریں اس پر مولانا لال حسین صاحب اختر کے بھی دستخط ہوں اگر مولانا لال حسین صاحب کو آپ سے کوئی اختلاف ہو تو وہ اپنا اختلافی نوٹ تحریر کریں۔

۳...... اس کا جواب دس روز کے اندر اندر روانہ کریں۔

(دستخط ثالث حضرات ۱۴ر فروری ۱۹۶۲ء، ترجمان اسلام ص ۱۳ لاہور ۲۷ر اپریل ۱۹۶۲ء)

فریقین کا ردعمل

اس مکتوب گرامی کے جواب میں مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ نے دس روز کے اندر اندر موضوع و دلائل سے متعلق مفصل تحریر لکھی اور اس پر مولانا لال حسین اختر صاحب رحمہ اللہ کی تصدیقی تحریر بھی حاصل کر لی۔ وہ تحریر مع تصدیق مولانا لال حسین اختر ۲۴ر اپریل ۱۹۶۲ء کو ثالث حضرات کی خدمت میں بھیج دی۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس کی وصول یابی کی اطلاع دیتے ہوئے مولانا محمد علی صاحب رحمہ اللہ کے نام اپنے ۷ر ذوالحجہ ۱۳۸۱ھ (۱۲ر مئی ۱۹۶۲ء) کے گرامی نامے میں ارقام فرمایا۔

''آپ کا خط مع مضمون حیات النبی ﷺ موصول ہوا۔''

اب سنئے کہ مذکورہ ثالث نامہ لکھنے والے دوسرے فریق، مولانا غلام اللہ خان صاحب اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب نے اس مکتوب گرامی کے جواب میں کیا طرز عمل اختیار کیا۔ چونکہ اسی مضمون کا مکتوب گرامی ثالث حضرات کی طرف سے دوسرے فریق کے نام بھی بھیجا گیا تھا۔ اس کے جواب میں مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری نے تو حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ کے نام اپنے طویل خط میں لکھا۔

''ہم جماعتی فیصلہ کی پابندی میں سکھر کے معاہدہ (شرائط نامہ) کے مطابق موضوع مناظرہ (حیات برزخی و دنیوی) پر بالمشافہ گفتگو کرنے کے لئے تیار ہیں اور فریق ثانی کے لئے اعلان کے مطابق مقام مناظرہ مسجد جامع کالری دروازہ گجرات ہوگا، ثالث حضرات اصول مناظرہ کے مطابق فریقین سے بالمشافہ موضوع مذکور پر دلائل کتاب اللہ، حدیث صحیح، اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم اجتہاد وقیاس حضرت امام ابوحنیفہ، امام محمد، امام ابویوسف (رحمہم اللہ) سن کر اور باقاعدہ جرح فرما کر نقض ومعارضہ وارد کر کے اصل حوالہ جات ملاحظہ فرما کر جو فیصلہ فرمائیں گے، ہمیں منظور ہوگا۔ معاہدہ سکھر (شرائط نامہ) میں یہ طے ہو چکا ہے کہ ثالث حضرات فریقین کے دلائل سن کر فیصلہ فرمائیں گے۔ واقعی مسائل کے اختلاف ونزاع میں سنت نبوی ﷺ اور طریقہ صحابہ رضی اللہ عنہم بالمشافہ گفتگو کا ہے۔ الخ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور مولانا غلام اللہ خان صاحب نے ۲۴ اپریل ۱۹۶۲ء کے اپنے خط میں مولانا احتشام الحق صاحب رحمہ اللہ ہی کو لکھا...... "تحریری مناظرہ اندریں حالات کہ یہ مسئلہ اب ہر جگہ پہنچ چکا ہے اور خواص تو خواص عوام بھی منتظر ہیں کہ ہم بھی دلائل سنیں گے۔ اب آپ کے ارشاد سے مولوی محمد علی اور اس کی جماعت کا مقصد پورا ہو گیا کہ سامنے بھی نہ آئیں اور بدنام کرنے کے لئے پوری طرح سازشیں کرتے رہیں۔ عوام وخاص کو بے خبر رکھیں۔ لہٰذا میں عرض کرتا ہوں کہ مناظرہ تو سامنے ہوگا ہر فریق کے علماء کرام جمع ہوں گے اور کتابیں ساتھ ہوں گی دلائل پر جرح اور قدح ہوگی بلکہ لوگوں کو موقع عنایت فرمائیں وہ صرف مناظرہ سن سکیں تا کہ لوگوں کو صادق وکاذب معلوم ہو سکے۔" (از پمفلٹ بار بار عہد شکنی حافظ حبیب الرحمن نائب ناظم جمعیت اشاعت التوحید والسنہ راولپنڈی)

تبصرہ: ثالث نامے میں فریقین کے اجتماع کا مقام سکھر مقرر کیا گیا تھا۔ مگر ثالث حضرات کے مکتوب گرامی کے جواب میں مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب مقام مناظرہ جامع مسجد کالری دروازہ گجرات مقرر کر رہے ہیں۔ یہ تبدیلی کیسے کر دی گئی؟ مختصراً اس کی حقیقت یہ ہے کہ سکھر کے معاہدہ کے علاوہ درمیان میں ایک اور مناظرہ کے انعقاد کے لئے حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب چکوال سے مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کی خط وکتابت شروع ہو چکی تھی۔ اس لئے مناظرے کے لئے جس میں حضرت قاضی صاحب مناظر ہوتے مقام جامع مسجد کالری دروازہ گجرات مقرر کیا جا رہا تھا اور حضرت قاضی صاحب موصوف کی طرف سے ثالث بنا کر انہیں دو بزرگوں کو گجرات لانے پر اصرار کیا جا رہا تھا۔ لیکن یہ ایک بالکل مختلف اور علیحدہ مناظرہ تھا۔ حضرات ثالثان کے مذکورہ مکتوب گرامی کے جواب میں اس نئے مناظرے کے مقام کا ذکر بے تعلق اور اجنبی تھا۔ اصل مناظرہ معاہدہ سکھر کے مطابق سکھر میں ہی ہونا تھا یا پھر ثالث حضرات کی تجویز کے مطابق کسی مقام پر ہوتا اور اس میں فریقین یہی اشخاص ہوتے جنہوں نے سکھر میں ثالث نامے پر دستخط کر کے ان دونوں بزرگوں کو ثالث تسلیم کیا تھا۔

اور مولانا غلام اللہ خان صاحب کے خط سے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس مناظرے کو تحقیق مسئلہ کے طور پر نہیں بلکہ عوامی سطح پر ہار جیت کا مسئلہ بنانا چاہتے تھے اور ثالث حضرات کی تجویز کے خلاف عوام کے سامنے مناظرہ کرنا چاہتے تھے اور فریقین میں سے کسی کے صادق وکاذب معلوم کرنے کا مدار عوام پر رکھنا چاہتے تھے، گویا ان کے نزدیک یہ حضرات علماء مسلمہ فریقین مناظرے کے ثالث نہیں تھے اور نہ ان کے فیصلہ پر مدار تھا بلکہ عوام پر ثالثی کردار کی ذمہ داری ڈالنا چاہتے تھے۔ ان دونوں کے خطوط کے جواب میں مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ کا گرامی نامہ جس پر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے دستخط بھی ثبت ہیں اور ۲۴ ذوالحجہ ۱۳۸۱ھ کی تاریخ تحریر ہے۔ مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے نام بدیں مضمون جاری ہوا۔

مکتوب گرامی مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ

گرامی قدر جناب مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری

السلام علیکم! یہاں سے رخصت ہوتے وقت آپ کا پرچہ اور بعد میں ایک تار ملا جس میں اس بات کا اظہار کیا گیا تھا کہ آپ تحریری مناظرہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ میری تحریر کا مدعا نہیں سمجھے...... اس کا مقصد تحریری مناظرہ کرنا نہ تھا جیسا کہ آپ نے سمجھ لیا بلکہ دونوں فریق کی طرف سے اپنے اپنے مدعا

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کی وضاحت مطلوب تھی تا کہ زبانی بحث میں اس سے مدد لی جا سکے اور فیصلے کے وقت دستخط شدہ ذمہ دارانہ تحریر ہمارے پاس ہونا چاہئے تا کہ اس میں کسی فریق کے لئے ردوبدل اور انکار کا امکان نہ رہے۔ لہٰذا میں آپ کو یہ خط اس لئے لکھ رہا ہوں کہ آپ خط ملنے کے دس روز کے اندر اندر اپنا مدعا دلائل کے ساتھ لکھ کر بھیج دیجئے تا کہ ہم قریبی مدت میں اجتماع کی کوئی تاریخ مقرر کر لیں اور ٹنڈو الہ یار میں مولانا ظفر احمد صاحب رحمہ اللہ کی موجودگی میں دونوں فریق کی زبانی گفتگو کا اندازہ کیا جا سکے، مجھے امید ہے کہ تحریری مناظرے کی جو غلط فہمی پیدا ہوگئی تھی وہ میری اس تحریر سے دور ہوگئی ہوگی۔　　والسلام

دستخط از مولانا ظفر احمد عثمانی　　احتشام الحق تھانوی ۲۴ رذوالحجہ ۱۳۸۱ھ (۲۹ رمئی ۱۹۶۲ء)

(نوٹ) میرے پہلے خط کے جواب کی اب ضرورت نہیں۔ ظفر احمد عثمانی

ثالث حضرات کا مقصد

ثالث حضرات کے اس خط سے واضح ہو گیا کہ ان حضرات کا مقصد تحریری مناظرہ نہیں بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ مناظرہ زبانی ہی ہوگا۔ فریقین سے تحریری مضمون پہلے اس لئے طلب کیا گیا تھا کہ زبانی بحث میں اس سے مدد لی جا سکے اور فیصلے کے وقت فریقین کے دستخط شدہ مضامین ان کے پاس ہوں اور اس طرح کسی فریق کے لئے ردوبدل اور انکار کی گنجائش نہ رہے۔ مگر اس وضاحتی خط کے بعد بھی تحریری مناظرے کی جو غلط فہمی پیدا ہوگئی تھی وہ دور نہیں ہو سکی اور ثالث حضرات کے بار بار طلب کرنے پر بھی اپنے دعوے اور دلائل پر مشتمل وہ مطلوبہ تحریر مولانا غلام اللہ خان صاحب اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری نے ثالث حضرات کی خدمت میں نہیں بھیجی۔ اس وجہ سے نہ تو فریقین کا زبانی مناظرہ ہی ہو سکا اور نہ ہی ثالث حضرات کو اپنا ثالثی کردار ادا کرنے اور فیصلہ دینے کا موقع مل سکا۔

کیا اچھا ہوتا کہ ثالث حضرات کی تجویز کے مطابق فریقین کا دعویٰ مع دلائل منضبط ہو جاتا اور کسی فریق کے لئے بھی اپنے دعوے کے بدلنے اور روزمرہ نئے نئے دعوے کرنے کا موقع نہ رہتا اور اس طرح آنے والی نسلوں اور اپنے معتقدین ومتوسلین کے لئے بھی اس مسئلے میں فریقین کے اختلاف ونزاع اور دلائل میں غور وفکر کا سامان جمع ہو جاتا۔ پھر اس تحریر کے بعد جب حسب تجویز ثالث حضرات اور بقول مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور طریقہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مطابق فریقین کا زبانی مناظرہ ثالث حضرات کی موجودگی میں ہوتا تو یقیناً مولانا غلام اللہ خان صاحب کی زبان میں صادق اور کاذب کا علم ہو جاتا اور صرف اس مجلس مناظرہ ہی میں نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے وہ تحریریں صادق اور کاذب ہونے پر گواہ رہتیں۔ مگر افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا اور اس کا اصل سبب بھی معلوم نہ ہو سکا کہ ایک فریق نے اپنے مدعا کو مع دلائل کے ضبط وتحریر میں لانے سے راہ فرار کیوں اختیار کی؟ اگر تحریری مناظرہ سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم اور طریقہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف تھا تو پھر بالمشافہ گفتگو اور زبانی مناظرے میں ثالث کا باقاعدہ جرح وتنقیص اور معارضہ وارد کرنا وغیرہ جن امور پر مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب اپنے خط مذکور میں اصرار کر رہے ہیں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور طریقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عین مطابق ہوں گے؟ اور مناظرہ نبوی اور صحابہ کرام کے مناظروں میں اسی طرح ثالث بنائے جاتے ہوں گے؟

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بامقصد مناظرے سے گریز

ثالث حضرات کے درست اور جائز اقدام میں رکاوٹ ڈال کر بامقصد مناظرے سے گریز کی راہ اختیار کرنے کا مقصد نہ معلوم کیا تھا۔ جب کہ ثالث حضرات زبانی مناظرہ کرانے کے لئے بھی تیار اور آمادہ تھے اور اس کا اظہار ان دونوں بزرگوں نے اپنی اسی تحریر میں بھی کر دیا تھا؟ اگر پہلے مطلوبہ تحریر دے دی جاتی تو کیا کسی شرعی دلیل سے یہ ناجائز ہوتا؟ اور ثالث حضرات کا اس کو طلب کرنا کیا ناجائز تھا؟ اس کے بعد زبانی مناظرے کی سنت پر بھی عمل کر کے اپنا شوق پورا اور ثواب حاصل کر لیا جاتا۔ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایسی تحریر کے دینے سے انکار و فرار کہ جس میں دعویٰ اور دلائل منضبط ہوں اس لئے تھا کہ فریق مخالف یا ثالث حضرات میں سے کوئی شخص ان پر گرفت نہ کر سکیں اور کسی طرح کی ان پر حجت قائم نہ ہو سکے۔ واللہ اعلم!

فریقین کے دلائل پر جس قسم کے نقض و معارضہ کا مطالبہ اپنے جوابی خط میں مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب نے ثالث حضرات سے کیا تھا۔ ازراہ انصاف اس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ فیصلے کے وقت فریقین کا دعویٰ اور دلائل ثالث حضرات کے ذہن میں مستحضر ہوں اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد بہ نسبت زبانی مناظرے کے تحریر سے بہتر طریقے پر حاصل ہو سکتا تھا۔ ایک طرف تو ثالث حضرات سے دلائل پر معارضہ اور نقض و جرح کا مطالبہ کیا جا رہا تھا اور ان پر یہ بھاری ذمہ داری ڈالی جا رہی تھی کہ وہ اصول مناظرہ کے مطابق فریقین سے نہ صرف یہ کہ دلائل سن کر بلکہ ان پر باقاعدہ جرح اور نقض معارضہ وارد کر کے اور اصل حوالہ جات ملاحظہ فرما کر فیصلہ فرمائیں اور دوسری طرف اس ذمہ داری کے تقاضوں سے گریز کیا جا رہا تھا۔

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کی کوشش

انہی ایام میں حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند پاکستان تشریف لائے حضرت موصوف نے اپنے حکیمانہ انداز اور تحریر و بیان سے فریقین کے عمائد کو ایک متفقہ تحریر پر دستخط کرنے کے لئے آمادہ کر لیا۔ چنانچہ حسب ذیل تحریر پر اس وقت کی جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ پاکستان کے صدر مولانا قاضی نور محمد صاحب مرحوم قلعہ دیدار سنگھ گوجرانوالہ اور ناظم اعلیٰ مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ راجہ بازار راولپنڈی اور دوسری طرف سے مولانا محمد علی صاحب جالندھری مرحوم، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ موصوف کے دستخط ثبت ہیں۔ اس مسلمہ فریقین تحریر کو ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی بابت ماہ اگست ۱۹۶۲ء سے بعینہٖ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ جو یہ ہے:

فریقین کی مسلّمہ تحریر

”وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں۔“

اس تحریر میں برزخ سے قبر شریف کا مراد ہونا اور روح مبارک کے تعلق سے دنیا والے جسد اطہر میں حیات کا حصول، پھر اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس کے پاس سے صلوٰۃ و سلام سننے کو واضح طور پر تسلیم کیا گیا تھا۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مسلمہ تحریر سے انکار

چونکہ یہ تحریر اصل اختلاف اور نزاع قائم کرنے والے بزرگ سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کی مرضی کے موافق نہیں تھی۔ اس لئے انہوں نے اس سے سخت اختلاف کیا۔ باوجودیکہ ان کی جماعت کے اعلیٰ عہدہ دار، صاحب صدر اور ناظم اعلیٰ، دونوں نے اس تحریر کو منظور کرلیا تھا اور اسی روز راولپنڈی کے جلسہ عام میں اس مصالحت کا اعلان بھی کردیا گیا تھا۔ مگر شاہ صاحب موصوف کی بے جا ضد اور شدت نے اس معاملہ کو پھر الجھا دیا اور ملک میں بدستور اختلاف وافتراق کی فضا قائم رہی۔ بلکہ بڑھتی چلی گئی۔ پھر اس کے بعد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب ؒ کے حکم کے مطابق خیر المدارس ملتان میں علماء فریقین کا مصالحت کے لئے اجتماع ہوا۔ مگر نتیجہ بجائے اتحاد واتفاق کے نزاع وجدال اور ہاتھا پائی کی صورت میں نکلا اور بڑی تلخی وبدمزگی کی حالت میں یہ اجتماع ختم ہوا اور اندازہ ہوگیا کہ کسی طرح کی مصالحتی گفتگو نتیجہ خیز تو کیا ثابت ہوگی، مزید تلخی کا باعث ہوگی، اس طرح مجلسی شریفانہ گفتگو سے بھی ناامیدی ہوگئی۔

سمجھوتہ راولپنڈی کی تفصیل

سمجھوتہ راولپنڈی

۲۶/اپریل ۱۹۶۲ء کو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب ؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند پاکستان تشریف لائے اور باہمی صلح کا آغاز ہوا، حضرت قاری صاحب ؒ نے اپنے پہلے خط میں مولانا غلام اللہ خان صاحب کو حسب ذیل مشترکہ عنوان لکھا: ''نبی کریم ﷺ جسمانی طور پر برزخ میں حیات ہیں۔''

مولانا غلام اللہ صاحب نے اس کے جواب میں اس عنوان کو رد کئے بغیر ایک اور عنوان تجویز کرکے محترم قاری صاحب ؒ کی خدمت میں ارسال کیا۔ مگر حضرت قاری صاحب ؒ نے اپنے تجویز فرمودہ عنوان کو ہی راجح خیال فرمایا۔ چنانچہ اس عنوان سے مولانا غلام اللہ خان صاحب، قاری نور محمد صاحب، مولانا شمس الدین صاحب، مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب نے کلی اتفاق کرکے اور چاروں حضرات نے اس پر دستخط کرکے حضرت مولانا قاری صاحب ؒ کی خدمت میں پیش کردیا۔ مگر دوسرے حضرات نے اس عنوان سے اتفاق نہیں کیا۔ بالآخر فریقین سے خط وکتابت اور گفت وشنید کے بعد ۲۲/جون ۱۹۶۲ء یوم الجمعہ کو دونوں جانب کے اکابر حضرت مولانا خیر محمد صاحب ؒ، حضرت مولانا محمد شفیع صاحب سرگودھوی، مولانا محمد علی جالندھری ؒ اور مولانا غلام اللہ خان صاحب، مولانا قاضی نور محمد صاحب، مولانا مفتی عبدالرشید صاحب، حضرت قاری محمد طیب صاحب ؒ کی قیام گاہ، مدرسہ حنفیہ عثمانیہ ورکشاپی محلہ راولپنڈی میں جمع ہوئے۔

اس مجلس میں حضرت قاری صاحب ؒ نے مسئلہ حیات النبی ﷺ کا صحیح قدر مشترک دونوں جانب کے ان ذمہ دار حضرات کے سامنے رکھا دونوں حلقوں نے حضرت قاری صاحب ؒ کی پیش کردہ قدر مشترک کے عنوان کو قبول کرلیا اور اس قدر مشترک کی تحریری یادداشت پر جو حضرت قاری صاحب ؒ نے اپنے دستخطوں سے پیش کی۔ فریقین نے دستخط فرمادیئے اس یادداشت کا متن حسب ذیل ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

عامۃ المسلمین کو فتنۂ نزاع وجدال سے بچانے کے لئے مناسب ہوگا کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ کے سلسلے کے ہر دو فریق کے ذمہ دار حضرات عبادت ذیل پر دستخط فرمائیں۔ یہ مسئلے کا قدر مشترک ہوگا ضرورت پڑنے پر اسے عوام کے سامنے پیش کر دیا جاوے۔ تفصیلات پر زور نہ دیا جائے عبارت مجوزہ حسب ذیل ہے۔

''وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔''

محمد طیب حال وارد راولپنڈی ۲۲؍جون ۱۹۶۲ء

محمد علی جالندھری لاشیٔ غلام اللہ نور محمد خطیب جامع مسجد قلعہ دیدار سنگھ ۱۸؍محرم ۱۳۸۲ھ

(از تعلیم القرآن ماہ اگست ۱۹۶۲ء)

راولپنڈی کے اس اجتماع کے پروگرام کی اطلاع مولانا غلام اللہ خان صاحب نے مولانا قاضی نور محمد صاحب، مولانا قاضی شمس الدین اور سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کو پہلے ہی دے دی تھی۔ چنانچہ قاضی نور محمد صاحب اور مولانا قاضی شمس الدین صاحب ۲۱؍جون ۱۹۶۲ء جمعرات کو راولپنڈی پہنچ گئے تھے۔ مگر قاضی شمس الدین صاحب نے راولپنڈی پہنچنے کے بعد مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب کو راولپنڈی فی الحال نہ آنے کا ٹیلی فون کرا دیا اور خود بھی پنڈی گھیب جلسے پر تشریف لے گئے۔ اس لئے مؤخر الذکر دونوں حضرات اس اجتماع میں شریک نہیں ہوئے۔ مگر چونکہ قاضی شمس الدین صاحب اپنے خطوط میں اس مختصر مجوزہ عبارت کی کافی تفصیل لکھ کر مولانا محمد علی جالندھری کے پاس بھیج چکے تھے۔ اس لئے یہ عبارت بالا ان کی بھی مسلمہ سمجھی گئی اور قاضی نور محمد صاحب اور مولانا غلام اللہ خان صاحب دونوں حضرات قاضی شمس الدین صاحب کی طرف سے مطمئن تھے۔ (از ماہنامہ تعلیم القرآن ماہ اگست ۱۹۶۲ء)

البتہ اس موقع پر مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے راولپنڈی اس اجتماع میں شریک نہ ہو سکنے کا خلاء پر نہیں ہوسکا۔ حالانکہ ۲۲؍جون ۱۹۶۲ء کو جمعہ کے دن صبح ۸ بجے ان کو گجرات فون کیا گیا تھا کہ فوراً راولپنڈی پہنچ جائیں۔ کسی دوسرے آدمی کی وساطت سے یہ فون کیا گیا تھا۔ اس لئے شاہ صاحب کو دس بجے اس کی اطلاع ملی۔ حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے بارہ میں مولانا قاضی نور محمد صاحب اور مولانا غلام اللہ خان صاحب سے اس صلح کی مجوزہ مذکورہ عبارت پر دستخط لینے اور شاہ صاحب بخاری کو اس صلح کی پابندی کرانے کی ضمانت حاصل کرنے کی غرض سے ایک تحریر کا مطالبہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے فرمانے اور مسودہ پیش کرنے پر حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحب اور مولانا غلام اللہ خان صاحب نے مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب کے بارے میں حسب ذیل تحریر پر دستخط کر کے حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کو دے دی۔ جس کا متن بلفظہٖ حسب ذیل ہے۔

''ہم اس کی پوری کوشش کریں گے کہ سید عنایت اللہ شاہ صاحب سے بھی اس تحریر پر دستخط کرائیں جس پر ہم نے دستخط کئے ہیں اگر ممدوح اس پر دستخط نہ کریں گے تو ہم مسئلہ حیات میں اس تحریر کی حد تک ان سے برأت کا اعلان کر دیں گے۔ نیز اپنے جلسوں میں ان سے مسئلہ حیات پر تقریر نہ کرائیں گے اور اگر وہ کوئی مناظرہ وغیرہ کریں گے تو ہم انہیں اس بارے میں مدد نہ دیں گے۔ نور محمد خطیب جامع مسجد قلعہ دیدار سنگھ ۱۸؍محرم ۱۳۸۲ھ، لاشی غلام اللہ''

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مجلس اشاعۃ التوحید والسنۃ کی توثیق

چونکہ جناب مولانا قاضی نور محمد صاحب مرحوم صدر (امیر) اشاعۃ التوحید والسنۃ اس فیصلے کے بعد ۲۵ رجون ۱۹۶۲ء کو دنیا سے رحلت فرما گئے تھے۔ اس لئے ۲۲ رجولائی ۱۹۶۲ء کو جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ کا جو خصوصی اجتماع زیر صدارت حضرت مولانا خدا بخش صاحب سجادہ نشین حضرو منعقد ہوا۔ اس میں قاضی نور محمد صاحب مرحوم کی جگہ مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کو امیر (صدر) منتخب کیا گیا۔

جمعیت کے اس نمائندہ اجتماع میں ۸۴ علماء کرام کو مختلف اضلاع سے دعوت دی گئی تھی۔ اس میں بھی ''مسئلہ حیات النبی ﷺ کا فیصلہ'' کے زیر عنوان اس سمجھوتے کی توثیق اور اس سے متعلق درج ذیل لفظوں میں قرار داد منظور کی گئی جس کا متن حسب ذیل ہے۔

۳...... ''جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کا یہ اجتماع اس بات کا فیصلہ کرتا ہے اور اپنی تمام جماعت کو اس کی پابندی کرنے کی درخواست کرتا ہے کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تجویز کردہ عبارت پر فریقین کے درمیان جو صلح ہوئی ہے، اسے قائم رکھا جائے اور اسے ہرگز نہ توڑا جائے۔ (مگر یہ کہ فریق ثانی صلح کے خلاف کسی قسم کا اقدام کرے) ہماری جماعت جس طرح پہلے متحد ہو کر اشاعت التوحید والسنۃ کا کام کرتی رہی ہے اسی طرح کرتی رہے۔'' (ماہنامہ تعلیم القرآن ص ۵۳ راولپنڈی ماہ اگست ۱۹۶۲ء)

جمعیت کی اس قرارداد سے ثابت ہو گیا کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کی تجویز کردہ عبارت پر فریقین کے درمیان جو صلح ہوئی وہ کسی شخص واحد یا چند اشخاص کے مابین نہیں بلکہ اس کو بحیثیت جماعت کے جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ نے نہ صرف یہ کہ تسلیم وقبول کیا بلکہ اس پر عمل کرنے اور اسے قائم رکھنے کے لئے اپنی ''تمام جماعت'' سے درخواست بھی کی تھی۔

فریقین کی متفقہ اس عبارت میں چونکہ برزخ سے قبر شریف کا مراد ہونا اور روح مبارک کے تعلق سے دنیوی جسد اطہر میں حیات کا حصول اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس کے پاس سے صلوٰۃ وسلام سننے، کو فریقین نے واضح طور پر تسلیم کر لیا تھا اور یہ مقصد پہلی مجوزہ عبارت سے حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ اس لئے معاہدہ سکھر میں جو ثالثی تحریر ''برزخی حیات و دنیوی حیات'' میں نزاع کے فیصلہ سے متعلق فریقین نے لکھی تھی، راولپنڈی کے اس سمجھوتے سے اس کا مقصد بھی پورا ہو گیا تھا اور فیصلہ ہو گیا تھا کہ عالم برزخ میں حاصل ہونے والی اس حیات کو دنیوی کہنے والوں کی مراد صرف یہ ہے کہ ''دنیوی جسد اطہر میں روح مبارک کے تعلق سے وہ حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ وسلام آپ ﷺ سنتے ہیں۔'' جس کو سمجھوتے کی عبارت بالا میں فریقین نے صراحتاً تسلیم کر لیا تھا اور مرکزی جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ نے اپنے محولہ بالا اجلاس میں بطور قرارداد کے منظور کر کے اس کی پابندی کی اپنی پوری جماعت سے درخواست کی تھی۔

اقتباس مکتوب گرامی قاضی شمس الدین صاحب

مکتوب مولانا قاضی شمس الدین صاحب بنام مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ

از شمس الدین گوجرانوالہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

محترم حضرت مولانا صاحب السلام علیکم

''کافی مدت کے بعد نوازش نامہ ملا یاد آوری کا شکریہ''......

''آپ جب یہ معلوم کر چکے کہ ہماری عام جماعت مسئلہ حیات النبی ﷺ میں یہ تسلیم کرتی ہے کہ رسول کریم ﷺ اس جہان سے رحلت فرمانے کے بعد قبر مبارک میں زندہ ہیں جسد اطہر تغیرات سے بالکل صحیح سالم محفوظ ہے روح کا ایک غیر مدرک بالکنہ تعلق بھی جسد اطہر سے ہے اور آپ قبر کے نزدیک سے صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔ گو روح اطہر کا مقام اعلیٰ علیین ہے۔ جیسا کہ علمائے اہل سنت والجماعت نے اس کی تصریح فرمائی ہے تو اب ہماری عام جماعت سے آپ لوگوں کا کیا اختلاف باقی رہا؟ ہم میں سے بعض حضرات جن کے متعلق آپ کو معلوم ہے حیات روحانی کے قائل ہیں۔ ہمارے پاس کوئی ایسی پاور ہے نہیں کہ ان کو ہم اپنا ہم مسلک بنا سکیں۔ ان حضرات سے ہمارے تعلقات مسئلہ توحید کی اشاعت کی بناء پر قائم ہیں وہ ٹوٹ نہیں سکتے۔ بایں ہمہ ہم آپ حضرات سے پرانے تعلقات خوشگوار ہی چاہتے ہیں۔ اگر آپ لوگ از راہ کرم اس استدعا کو منظور فرمالیں تو اس میں اسلام...... اہل اسلام اور جماعت علماء دیوبند کا بھلا اور خیر خواہی ہوگی۔ والسلام احقر شمس الدین'' (از قلمی فائل مولانا محمد علی جالندھری مرحوم)

اقتباس مکتوب ثانی مولانا قاضی صاحب موصوف

از احقر شمس الدین از گوجرانوالہ

محترم حضرت مولانا صاحب السلام علیکم

(تمہیدی مضمون کے بعد)''احقر اپنا مسلک پھر عرض کر دیتا ہے کہ اس سے آپ کو قریب آنے کو موقع ملے اور کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں اور جب ہمارے قریب آنے کی ہم پر نوازش کریں تو ہمیں سمجھ کر کریں کہ ہم یہ کچھ ہیں۔

۱...... آنحضرت ﷺ کو موت انقباض روح اور انحیاز روح فی القلب سے نہیں بلکہ خروج اور نزع روح طیب سے ہوئی۔ (صحیح بخاری ص ۲۳۸ فی ہذا نزروحہ)

۲...... پھر قبل از یوم قیامہ اعادہ روح الی الجسد الاطہر بمعنی نفخ فی الجسد نہیں، قرآن کریم کی نص قطعی اس پر ناطق ہے۔ فیمسک التی قضی علیھا الموت!

۳...... اگر کوئی خبر واحد صحیح بھی ان کے خلاف آجاوے تو اس سے کتاب اللہ پر زیادتی نہیں کریں گے۔ جس کی علمائے اصول اجازت نہیں دیتے۔ البتہ اس کی کوئی صحیح تاویل اور محمل نکالیں گے۔

۴...... روح طیب کے اعلیٰ علیین میں ہوتے ہوئے اس کا جسد اطہر کے ساتھ تعلق (جس کی کنہ اور پوری کیفیت ہم نہیں جانتے) تسلیم کرتے ہیں جیسے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ وغیرہم نے لکھا ہے۔

۵...... آنحضرت ﷺ کے روضۂ اقدس قبر اطہر کے پاس سے آنحضرت ﷺ کی سماع کے (جیسا حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اور شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ نے لکھا ہے) قائل ہیں۔'' (از فائل مولانا محمد علی مرحوم)

محترم جناب مولانا قاضی شمس الدین صاحب موصوف کے مذکورہ بالا دونوں خطوط اس کا واضح ثبوت ہیں کہ آں موصوف سمجھوتہ راولپنڈی کی تجویز شدہ عبارت بالا سے بالکل متفق تھے اور وہ مجوزہ عبارت ان کی مسلمہ تھی۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اشاعۃ التوحید والسنۃ کی قرارداد پر تبصرہ

البتہ مرکزی جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ کی قرارداد مذکور میں حسب ذیل فقرے کا مفہوم قابل غور ہے۔ وہ فقرہ یہ ہے (مگر یہ کہ فریق ثانی صلح کے خلاف کسی قسم کا اقدام کرے) غور طلب بات یہ ہے کہ صلح تو بغیر کسی شرط کے عقیدہ مذکورہ کو تسلیم کرنے پر ہوئی تھی پھر اس قرارداد میں اس صلح کے بقاء کو دوسرے فریق کے صلح کے خلاف کسی قسم کے اقدام نہ کرنے پر معلق کیوں کیا گیا تھا؟

اگر اس عقیدے کو حق سمجھ کر تسلیم کیا جارہا تھا اور اس کو حقیقت واقعہ کے طور پر قبول کرلیا گیا تھا تو دوسرے فریق کی طرف سے صلح کے خلاف کسی قسم کے اقدام سے کیا اس عقیدہ حقہ سے انحراف درست ہوگا؟ کیونکہ راولپنڈی کے سمجھوتے میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی تجویز کردہ جس عبارت پر فریقین کے درمیان صلح ہوئی تھی جس کے قائم رکھنے اور اس پر پابندی کرنے کی درخواست مرکزی جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ اپنی تمام جماعتوں سے اس قرارداد میں کررہی تھی۔ اس میں نفس مسئلہ حیات النبی ﷺ اور سماع عندالقبر کا عقیدہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ تحریر نفس مسئلے سے متعلق تھی۔ بظاہر نظر اس کے کسی شرط پر معلق ہونے کا کوئی معنی نہیں مفہوم ہوتا؟

اور اگر اس فقرہ کا تعلق حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس دوسری تحریر سے ہو جس کا تعلق مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب سے اس تحریر پر دستخط کرانے اور بصورت دستخط نہ کرنے کے ان سے برأت کا اعلان کردینے اور اپنے جلسوں میں مسئلہ حیات پر ان سے تقریر نہ کرانے اور ان کے مناظرے میں ان کی مدد نہ کرنے سے تھا تو بھی یہ بات قابل فہم معلوم نہیں ہوتی۔

اوّل تو اس لئے کہ وہ تحریر ۸ رجولائی ۱۹۶۲ء کو کالعدم قرار دے دی گئی تھی جس کی تفصیل آگے آرہی ہے اور ۳۱ رجولائی کی صلح ابھی تک ہوئی نہیں تھی۔ دوسرے اس لئے کہ نفس مسئلہ سے متعلق پہلی تحریر کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہی ہونا چاہئے تھا کہ جو شخص بھی اس مسئلہ فریقین عقیدے اور سمجھوتے کے خلاف تحریر وتقریر اور مناظرے وغیرہ میں مشغول ہو اس کے ساتھ کم سے کم عدم تعاون کا سلوک اور برتاؤ کرنا چاہئے تاکہ فریقین کی یہ صلح دائم اور قائم رہ سکے اور جماعت فتنہ انتشار وافتراق سے محفوظ رہے۔ چونکہ سید عنایت اللہ شاہ صاحب نے پہلی تحریر پر جو مسئلہ سے متعلق تھی دستخط کرنے سے انکار کردیا اور اب دوسری تحریر کا تقاضا تھا کہ ان سے برأت کا اظہار کردیا جاتا۔ مگر ہوا یہ کہ مولانا غلام اللہ صاحب، قاضی شمس الدین صاحب وغیرہ حضرات ۷ رجولائی ۱۹۶۲ء کو لاہور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی خدمت میں پہنچے اور سید عنایت اللہ شاہ صاحب کے بارے میں جو تحریر لکھی گئی تھی اس کے منسوخ کرانے کی کوشش کی۔ کیونکہ بقول ''تعلیم القرآن'' اس تحریر کی وجہ سے صلح نامہ میں توازن قائم نہیں رہا تھا۔ اس لئے حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کی روانگی کے دن یعنی ۸ رجولائی ۱۹۶۲ء کو بمقام لاہور اسے کالعدم قرار دے دیا۔ (ص ۵۳)

اس کی تفصیل حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کے ذریعہ آگے آرہی ہے۔ اس جگہ اتنا عرض کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ۸ رجولائی کو سید عنایت اللہ شاہ صاحب کے بارہ میں اس تحریر کے منسوخ ہوجانے کے باوجود ۲۲ رجولائی ۱۹۶۲ء کے اجلاس جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ میں اس صلح کو برقرار رکھا گیا اور نفس مسئلہ پر

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

صلح قائم رہی۔ مقام مسرت ہے کہ دوسری تحریر کی وجہ سے پہلی تحریر کو منسوخ نہیں سمجھا گیا۔ جیسا کہ جمعیت کی مذکورہ قرارداد نمبر ۳ سے واضح ہے۔

مسئلہ حیات النبی ﷺ پر صلح کی تکمیل بمقام خیر المدارس بتاریخ ۱۳ر جولائی ۱۹۶۲ء

مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری چونکہ راولپنڈی کی صلح میں موجود نہیں تھے۔ اس لئے عبارت نمبر ۲ تحریر ہو کر اس پر مولانا قاضی نور محمد صاحب مرحوم اور مولانا غلام اللہ خان صاحب کے دستخط کرائے گئے تھے۔ مگر سید عنایت اللہ شاہ صاحب نے عبارت نمبر ا پر جس میں نفس مسئلہ حیات تحریر کیا گیا تھا دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا اور حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بمعہ قاضی شمس الدین صاحب اور دیگر احباب کے ان کی روانگی ہندوستان سے ایک دن قبل ملاقات کی اور عبارت نمبر ۲ کی تنسیخ کی نسبت درخواست کی۔ اس پر حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام حسب ذیل گرامی نامہ لکھ دیا:

گرامی نامہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بملاحظہ گرامی حضرت المخدوم مولانا خیر محمد صاحب مدفیوضہم

سلام مسنون! آں کہ عرض ہے مسئلہ حیات النبی ﷺ کے سلسلہ میں راولپنڈی میں مصالحت ہوئی تو اس میں دو تحریریں مرتب ہوئی تھیں جس پر فریقین کے ذمہ داروں کے دستخط ہوئے تھے۔ ایک تحریر نفس مسئلہ اور اس کے قدر مشترک کے بارہ میں تھی اور دوسری مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب کے بارہ میں۔ اس دوسری تحریر کے سلسلہ میں کچھ پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں اور اندازہ یہ کیا جا رہا ہے کہ اس میں توازن باقی نہیں رہتا اور بہت ممکن ہے کہ عملی میدان میں اس کی پابندی دشوار ہو جائے اور اس سے معاہدہ شکنی کا کسی فریق پر الزام آئے۔ اس لئے احقر کے خیال میں مناسب یہ ہے کہ آں محترم ہر دو جانب کے حضرات کو جمع کر کے اس دوسری تحریر کی بجائے اور ایسا عملی معاہدہ قلمبند کر دیں جس سے یہ مصالحت بھی برقرار اور کوئی ایک فریق پابند اور مقید ہو کر نہ رہ جائے۔ آپ کی سرکردگی میں اگر فریقین اس تحریر کو (جو عمل کے دائرہ کی ہے) ختم کر کے دوسری تحریر مرتب کریں تو بندہ کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ بلکہ جب تک دوسری تحریر مرتب نہ ہو احقر کی رائے میں اس تحریر ثانی کو کالعدم تصور کیا جائے اور اس لئے جدید تحریر مرتب کرانے میں امکانی حد تک عجلت سے کام لیا جائے۔ والسلام

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند ۸ر جولائی ۱۹۶۲ء

تکمیل صلح میں حضرت مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کوشش

اس پر حضرت مولانا خیر محمد صاحب نے فریقین کے پانچ پانچ حضرات کو خیر المدارس ملتان میں بتاریخ ۱۳ر جولائی جمع فرمایا۔ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس گرامی نامہ کو نقل فرما کر تحریر فرمایا:

''چنانچہ میں نے آج کے لئے فریقین کو بلایا اس موقع پر مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے سوال کیا کہ جب مسئلہ میں دو فریقین کا ذکر کیا جاتا ہے جیسا کہ آپ نے دونوں فریق کے پانچ پانچ کس بلائے ہیں۔ دوسرے فریق

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

سے ان حضرات (مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب اور ان کی جماعت) کے کون لوگ مراد ہیں۔ بعض لوگ ہمیں بتاتے رہے کہ آپ یوں فرماتے رہے کہ مسئلہ حیات میں ہمارے مخالف کوئی نہیں، صرف احرار سے ہمارا مقابلہ ہے اس پر مولانا غلام اللہ خان صاحب اور مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ غلط ہے۔ ہم نے کبھی احرار کو اپنا مدمقابل نہیں کہا، بلکہ دو فریق سے ہماری مراد مسئلہ حیات میں دو رائے رکھنے والے ہیں۔ ہم اور ہم سے سب اختلاف کرنے والے مراد ہیں۔ اس بات سے صلح میں فائدہ ہوا۔

قاری صاحب رحمہ اللہ کے خط کی عبارت جس میں درج ہے کہ جب تک دوسری تحریر مرتب نہ ہو احقر کی رائے میں اس تحریر ثانی کو کالعدم تصور کیا جائے۔ ایک فریق نمبر ۲ کو منسوخ سمجھتا ہے اور دوسرا دوسری تحریر کرنے تک التواء سمجھتا ہے اور منسوخ ہونا قبول نہیں کرتا۔ جس کی وجہ سے صلح کی صورت خطرہ میں پڑتی نظر آتی ہے۔ اس پر میں یہ بیان مرتب کرتا ہوں فریقین اس پر دستخط کر دیں۔

نزاع مسئلہ حیات النبی ﷺ کے متعلق حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے فیصلہ کیا تھا، پھر لاہور میں قاری صاحب رحمہ اللہ نے مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب کے متعلق جو لکھا تھا اس کو کالعدم قرار دیا۔ جب تک تحریر ثانی پر فیصلہ نہ ہو جائے اور اس معاملہ کو خیر محمد پر چھوڑا گیا۔ اس پر قرار پایا کہ مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب، مولانا غلام اللہ خان صاحب کے جلسہ اور طلباء کے سامنے کبھی مسئلہ حیات النبی ﷺ پر تقریر نہیں کریں گے اور مولانا غلام اللہ خان صاحب ان سے اپنی برأت نہیں کریں گے اور ان کے ساتھ مناظرہ میں شریک ہوسکیں گے۔ نیز قرار پایا کہ موجودہ تلخی دور کرنے کے لئے مولانا غلام اللہ خان صاحب اور مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب مع اپنی جماعت کے اور مولانا محمد علی صاحب اور مولانا لال حسین صاحب مع اپنی جماعت کے کسی سٹیج پر اور نہ کسی مدرسہ کے طلباء کے مجمع میں اس مسئلہ پر مفصل تیاریاں نہیں کرائیں گے۔ خیر محمد عفا اللہ عنہ بمقام خیر المدارس ملتان ۱۳ر جولائی ۱۹۶۲ء

۱......	محمد علی جالندھری بقلم خود،	بقلم لال حسین اختر،	عبدالرحمن میانوی بقلم خود،
	محمد عبداللہ بقلم خود،	منور حسین صدیقی بقلم خود۔	
۲......	لاشئ غلام اللہ خان،	عنایت اللہ،	احقر شمس الدین عفی عنہ،
	احقر احمد حسین سجاد بخاری،	محمد یار عفی عنہ۔	

اس صلح کی تکمیل میں یہ دوسری تحریر لکھی گئی جس میں مولانا غلام اللہ خان صاحب سے برأت وغیرہ کی پابندی ختم ہوگئی اور فریقین پر پابندی لگا دی گئی کہ وہ کسی اسٹیج پر اور نہ کسی مدرسہ کے طلباء کے مجمع میں اس مسئلہ پر مفصل تیاری نہیں کرائیں گے۔ مگر پہلی تحریر جو نفس مسئلہ حیات النبی ﷺ کے متعلق تھی اس میں کسی طرح کا تغیر و تبدل نہیں کیا گیا وہ بدستور باقی رہی اور نفس مسئلہ پر بحیثیت مجموعی صلح بھی قائم رہی۔ البتہ سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کا اس صلح اور تحریر سے بھی اختلاف رہا جو نفس مسئلہ کے بارے میں ہوئی تھی۔

اب حسب وعدہ مسئلہ حیات النبی ﷺ سے متعلق اس تحقیقی علمی غیر مطبوعہ تحریر کی نقل ناظرین کے افادہ کے لئے پیش کی جاتی ہے۔ جس کو مولانا محمد علی جالندھری مرحوم نے ثالث حضرات رحمہم اللہ کی خدمت میں بھیجا تھا۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مسئلہ حیات النبی ﷺ سے متعلق ایک تحقیقی علمی تحریر

از قلم: حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ

تمہید

۱...... مسئلہ حیات النبی ﷺ کے موجودہ نزاع میں دو سال تک فریق مخالف مناظرہ کا چیلنج زور شور سے دیتا رہا۔ جوں جوں یہ بات ظاہر ہوتی گئی کہ ان کا عقیدہ اکابر دیوبند اور سلف کے خلاف ہے۔ علماء و عوام ان سے علیحدہ ہوتے گئے۔ اب ان کو ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی جدید پہلو بدلیں۔ چنانچہ انہوں نے اب یہ کہنا شروع کیا کہ محمد علی جالندھری، مولانا غلام غوث اور احرار نے مولانا غلام اللہ خان صاحب کا بڑھتا ہوا اقتدار برداشت نہیں کیا۔ از راہ حسد یہ مسئلہ کھڑا کر دیا۔ ورنہ ہم اکابر دیوبند کے مسلک کے پابند ہیں اور ملک میں مسئلہ حیات میں دراصل کوئی نزاع نہیں۔ پنجاب و سرحد میں تو ان کا اعتبار نہیں رہا۔ البتہ کراچی کے بزرگوں کو مغالطہ دینے کی کوشش کی جو ایک عرصہ تک کامیاب رہی۔ اس لئے میں تمہید میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ اس گروہ (جس کو پنجاب و سرحد میں غلام اللہ خانی گروہ کہا جاتا ہے) کے ساتھ باقی دیوبندیوں کا اختلاف اس وقت سے ہے جب کہ میرا ان سے تعارف نہ تھا۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی رائے

الف: کسی زمانہ میں قطب عالم حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ہاں اس گروہ کا تذکرہ آیا اور ان کے بعض مسائل سامنے آئے جو سلف کے خلاف تھے۔ چنانچہ بلغۃ الحیران (جو دراصل تفسیری نوٹ مولوی غلام اللہ خان کے ہیں اور حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر دیئے گئے ہیں) تھانہ بھون میں حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کی گئی۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا کہ میں پسند نہیں کرتا کہ ایسی کتاب میرے کتب خانہ میں رکھی بھی جائے۔ اس وجہ سے ایک بزرگ نے اس کتاب کو تھانہ بھون میں[1] آگ کی نذر کیا۔ (یہ واقعہ امداد الفتاویٰ ج ۶ ص ۱۲۳ میں لکھا ہوا موجود ہے)

مفتی محمد حسن امرتسری رحمہ اللہ کا سفر راولپنڈی

ب: غالباً ۱۰/۸ سال کا ذکر ہے کہ مولوی غلام اللہ خان صاحب نے مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ امرتسری کو اپنے مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی کے سالانہ جلسہ میں شریک ہونے کی درخواست کی تو حضرت مفتی صاحب مرحوم نے فرمایا کہ تم اکابر دیوبند کا مسلک چھوڑ چکے ہو۔ اس لئے میں نہیں جاتا۔ اس پر مفتی صاحب سے کہا گیا کہ ہم سب ساتھی راولپنڈی میں جمع ہوں گے۔ آپ ہمارے بڑے ہیں ہمیں سمجھا دیں۔ ہم آپ کی بات قبول کر لیں گے۔ چنانچہ اس گروہ کو سمجھانے کی نیت سے حضرت مفتی صاحب نہ صرف خود ہی تشریف لے گئے بلکہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب، مولانا محمد ادریس صاحب، مولانا بدر عالم صاحب، حضرت مولانا سید سلیمان ندوی اور دو ایک اپنے رفقاء کو بھی ساتھ لے گئے۔ بعض[2] مسائل پر گفتگو ہوئی۔ مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب اب تک کہتے ہیں کہ یہ حضرات ہمارے دلائل کا جواب نہیں دے سکے۔

---

۱ مگر حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو بعد میں اس کا علم ہوا۔ سید عبدالشکور ترمذی

۲ زیادہ تر گفتگو اسی میں رہی کہ بریلویوں کی بحیثیت جماعت ہمارے اکابر تکفیر نہیں کرتے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تلمیذ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے مناظرہ

ج: موضع سکھر ضلع کیمل پور میں کئی برس ہوئے ایک مناظرہ ہوا، ایک طرف مولوی غلام اللہ خان صاحب ومولوی عنایت اللہ شاہ صاحب وغیرہ تھے۔ دوسری طرف کے دیوبندی علماء میں اس علاقہ کے پرانے فاضل لوگ جو حضرت شیخ الہند صاحب رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے تھے شریک ہوئے۔

احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کا ارشاد

د: کئی برس ہوئے حضرت مولانا احمد علی صاحب سے مولوی غلام اللہ خان صاحب نے اپنے ہاں تقریر کی غرض سے تاریخ لی۔ جب تاریخ نزدیک آ گئی تو حضرت مولانا احمد علی صاحب نے ان کو فرمایا کہ تم مسئلہ حیات النبی ﷺ میں اکابر دیوبند اور سلف کا مسلک ترک کر چکے ہو۔ اس لئے اگر میں آؤں گا تو مسئلہ حیات بیان کروں گا اور فرمایا کہ یہ مسئلہ وہ سمجھ سکتا ہے جس کو یا عقیدت ہو یا بصیرت حاصل ہو۔ بصیرت تم کو حاصل نہیں اور عقیدت تم کو رہی نہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا احمد علی صاحب پھر راولپنڈی تشریف نہ لے گئے۔

مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کا سالانہ جلسہ میں تردید نہ فرمانا

ہ: جس طرح مرزا محمود قادیانی کسی زمانہ میں سر ظفر اللہ اور میجر نذیر ودیگر سرکاری قادیانی ملازمین کے اقتدار کی وجہ سے آپے سے باہر ہو گیا اور غرور کے نشہ میں ایسی تقریریں کیں جس سے اس کے خفیہ ارادے ظاہر ہو گئے اور ایک بے نظیر تحریک شروع ہو گئی۔ اسی طرح مولوی عنایت اللہ اسی غرور میں کہ انہوں نے ہر مدرسہ میں طلباء کی ایک تعداد اپنے ہم خیال بنالی ہے آپے سے باہر ہو گئے اور خیر المدارس کے سالانہ جلسے میں اپنے مخصوص خیالات بیان کئے ان کی تقریر میں خوب نعرے لگتے رہے۔

حضرت مولانا خیر محمد صاحب ان کی تقریر میں موجود نہ تھے صبح دوسرے روز حضرت مولانا خیر محمد صاحب کو علم ہوا اور علماء دیوبند کی ایک جماعت نے جو جلسہ سالانہ میں شریک تھی اور اس نے مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب کی تقریر سنی تھی۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب سے عرض کیا کہ ہم نے ضبط سے کام لیا آپ کے جلسہ کی وجہ سے تقریر میں مداخلت نہیں کی۔ اس پر حضرت مولانا خیر محمد صاحب نے اگلی رات اکابر دیوبند اور سلف کے عقائد بیان فرمائے اور مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب کی تقریر کی تردید فرمائی۔

مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب نے اس کے بعد ملتان کی ایک مسجد کو اپنا اڈہ بنا کر اپنی تقریر کی تائید اور مولانا خیر محمد صاحب کی تردید میں اکثر تقریریں کیں اور مولانا غلام اللہ خان صاحب اور ان کے اکثر ساتھی مولوی عنایت اللہ کی تائید اور مولانا خیر محمد صاحب کی تردید کے لئے ملتان سال بھر کے بعد دیگرے آتے رہے اور مناظرہ کا چیلنج دیتے رہے اور یوں بھی کہا گیا کہ مولانا خیر محمد صاحب کو شیخ الحدیث کس نے بنا دیا جن کو یہ بھی پتہ نہیں وہ بھی پتہ نہیں تو میرا فرض تھا کہ میں ان کو جواب دیتا۔ جس وجہ سے انہوں نے مجھ کو فریق قرار دے دیا ہے۔

تفصیلی حالات تو مولانا خیر محمد صاحب سے دریافت کرلیں صرف نمونہ کے چند واقعات عرض ہیں۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مسلک سلف کا ترک کرنا

۱...... کراچی سے پشاور تک دیو بندی مسلک کے مدارس عربیہ کے مہتمم صاحبان و مدرسین حضرات کا اجتماع بلایا جائے اور دریافت فرمایا جاوے کہ کیا مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب و مولوی غلام اللہ خان صاحب نہ صرف مسئلہ حیات بلکہ کتنے اور چیدہ چیدہ مسائل میں سلف کا مسلک ترک کر چکے ہیں یا نہیں۔ یہ لوگ بعض اور مسائل میں بھی اکابر سے جدا ہو گئے ہیں۔ مثلاً عذاب قبر، توسل بالذوات، درخواست شفاعت جس کا ذکر قرآن مجید کی آیت ولو انھم اذ ظلموا میں ہے اور کیا ہر مدرسہ عربی میں ان طلباء کے درمیان جنہوں نے مولوی غلام اللہ خان صاحب سے ترجمہ پڑھا ہے اور دوسرے طلباء میں بھی اچھی خاصی جنگ سال بھر رہتی ہے یا نہیں؟ اور ان کے شاگردوں کی گفتگو اکابر کے حق میں گستاخانہ ہے یا نہیں۔ اگر چیدہ چیدہ بیس حضرات کا اجتماع بلایا جاوے تو اس اجتماع کے کل اخراجات کا بار میرے ذمہ ہوگا۔

میرا اختلاف

۲...... میرا اختلاف صرف مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب سے ہے کیونکہ انہوں نے اکثر تقریروں میں اپنا مسلک واضح کر دیا ہے۔ مولانا غلام اللہ خان موقعہ کے مطابق اپنے خیال تبدیل فرماتے رہتے ہیں۔ جب تک وہ یہ صریح اعلان نہ کر دیں کہ مولوی عنایت اللہ سے کوئی اختلاف ان کا ہے یا نہیں۔ ان کی نسبت رائے قائم کرنا اور مشکل ہے۔ البتہ مولوی غلام اللہ خان جب طلباء کو ترجمہ پڑھاتے ہیں تو چند روز کے لئے مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب کو بلاتے ہیں اور مسئلہ حیات مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب ہی پڑھاتے ہیں۔

ثالثی سے گریز

۳...... تین چار سال تک یہ جھگڑا رہا کہ مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب مناظرہ کا چیلنج پہ چیلنج دیتے تھے۔ مگر میں بدون ثالث تسلیم کئے مناظرہ قبول نہ کرتا تھا۔ کیونکہ بدوں ثالث مناظرہ جھگڑوں کا دروازہ تو کھلتا ہے مگر فیصلہ نہیں ہو سکتا اور دیوبندی جماعت تفریق سے نہیں بچتی۔ اگر شروع ہی میں دوسرا فریق، ثالث تسلیم کر لیتا تو جھگڑا کبھی کا ختم ہو گیا ہوتا۔ سکھر کے اجتماع میں صبح سے عشاء تک جھگڑا رہا حتی کہ بدمزگی بھی ہوئی۔ مگر یہ لوگ ثالثی پر نہ آئے۔ آخر حاضرین کے دباؤ سے ثالثی تسلیم کرنی پڑی۔

سلف کا مسلک

۴...... ہم کیا اور ہماری تحقیق کیا۔ ہم اکابر دیوبند کی تحقیق کو صحیح و درست اور کتاب و سنت کے مطابق سمجھتے ہیں۔ جو کچھ میں نے صحیح سمجھا تحریر کر دیا ہے اگر میری تحریر کا کوئی جزء اکابر کی تحقیق کے خلاف ہوا تو میری تحریر غلط ہوگی اور صحیح وہی ہوگا جو اکابر رحمہم اللہ نے فرمایا ہوگا۔ اس لئے ثالثان کی رائے میرے نزدیک صحیح و درست ہوگی اور میں اپنی تحریر سے رجوع کر لوں گا۔ میں یہ سمجھتا ہوں: ''میرے اکابر اور جمیع سلف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد عنصری دنیوی مدفون فی القبر الشریف میں حیات بسبب تعلق روح تسلیم کرتے ہیں اور اسی تعلق روح بالجسد العنصری کی وجہ سے سماع علی القبر علی الدوام تسلیم کرتے ہیں۔''

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

دوسرا فریق اگر یہ تسلیم کرے تو نزاع ختم ہو جائے گا ورنہ جیسے قادیانی حضور علیہ السلام کو خاتم النبیین تسلیم کرنے کا اعلان کرتے ہیں اور خاتم النبیین کی ایسی تفسیر کرتے ہیں جس سے ختم نبوت کا انکار پایا جاتا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کی حیات کا اقرار کرنا اور حیات کی ایسی تفسیر کرنا جس سے حیات ہی کا انکار پایا جاتا ہے دھوکہ اور فریب ہے۔

کتاب ''آب حیات'' اور مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب

۵...... مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت آب حیات کے مضمون حیات النبی کی وجہ سے بارہا یوں فرمایا:

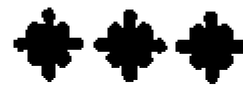
الف: مولانا قاسم اس مسئلہ میں متفرد ہیں۔

ب: ان کا مضمون کتاب و سنت کے خلاف ہے۔

ج: ان کے مضمون سے انکار موت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم لازم آتا ہے۔ حالانکہ وقوع موت پر اجماع امت ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

***

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق



الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

تعیین موضوع

موضوع زیر بحث یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد جو حیات طیبہ حاصل ہے وہ دنیوی جسد اطہر کے ساتھ ہے جو روضہ اطہر میں موجود ہے یا وہ حیات کسی اور بدن برزخی میں ہے اور جسد عنصری تعلق حیات سے بالکل خالی ہے؟ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم برزخ میں حیات دنیوی جسد اطہر کے ساتھ ہے یا کسی برزخی جسد سے ہی متعلق ہے۔ تعیین موضوع میں یہ امور مسلمہ ملحوظ ہیں۔

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ورود مدت

۱...... ہم اس بات کے قائل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جیسی بھی وفات مقدر تھی وہ آپ پر وارد ہوئی یہ غلط اور جھوٹ ہے کہ ہم آپ پر ورود موت کے منکر ہیں قرآن پاک میں تو موت کے تحقق کا وقوع کا بیان تو ہو نہیں سکتا محض پیشین گوئی ہے تاہم اس کے وقوع پر مندرجہ ذیل دلائل ہمارے پاس موجود ہیں۔

(الف) خطبہ صدیقی۔ (بخاری ج۱ ص۱۶۶)

(ب) تصریح حضرت نانوتوی حسب ہدایت: ''تمام انبیاء کرام علیہم السلام خاص کر سرور امام صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت موت کا بھی اعتقاد ضرور ہے۔ (لطائف قاسمی مجتبائی ص۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حیات کا مفہوم

چونکہ غرض موضوع زیر بحث حسب معاہدہ سکھر حیات النبی ﷺ ہے۔ وفات النبی نہیں ۔ اس لئے ہم وفات النبی ﷺ کی مزید تفصیل میں نہیں جاتے کیونکہ یہ خروج عن البحث ہوگا۔ جس معنی میں بھی حضور علیہ السلام کے لئے وفات مقدر تھی اس کا ورود ہوا اور آپ نے عالم برزخ کی طرف انتقال فرمایا۔ ہاں ورود وفات کے بعد آپ اپنے روضۂ اطہر میں بھی فائض الحیات ہیں۔ اب موضوع زیر بحث یہی ہے کہ آپ کی وہ حیات طیبہ کیسی ہے اسی دنیوی جسد اطہر کے ساتھ ہے یا کسی اور برزخی بدن کے ساتھ ہے اور بدن عنصری سے کوئی تعلق حیات نہیں۔

حیات دنیوی کا مفہوم

۲...... ہم جب آنحضرت ﷺ کی حیات بعد الوفات کو دنیوی حیات کہتے ہیں تو اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی عالم برزخ کی حیات اسی دنیوی جسد اطہر میں ہے جو روضۂ اطہر میں موجود ہے نہ یہ کہ وہ حیات طیبہ بجمیع الوجوہ اس دنیا والی حیات ہے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی خود تصریح فرماتے ہیں: ''انبیاء کرام کو انہیں اجسام دنیوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔'' (لطائف قاسمی مجتبائی ص ۳)

پس ہر اصطلاح کا وہی مفہوم معتبر ہونا چاہئے جو اس اصطلاح کو اختیار کرنے والے مراد لیتے ہیں۔

حیات برزخی

حیات برزخی میں علاقہ ظرفیت کا ہے نوعیت کا نہیں یعنی اس سے مراد حیات فی البرزخ ہے نہ یہ کہ حیات کی کوئی اپنی قسم برزخی ہے اس اعتبار سے ہم آنحضرت ﷺ کو عالم برزخ میں ہی فائز الحیات سمجھتے ہیں۔ لیکن آپ کی یہ حیات طیبہ اسی دنیوی بدن کے ساتھ ہے اور برزخ کا کسی ایک جہت سے مواطن دنیوی میں سے بھی ہونا ہرگز ممتنع نہیں۔ حضرت امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں ''برزخ صغریٰ چوں از یک وجہ از مواطن دنیوی است گنجائش ترقی وارد واحوال ایں وطن نظر مع اشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد الانبیاء یصلون فی القبور شنیدہ باشد۔ (مکتوبات شریف دفتر دوم نمبر ۱۶ ص ۲۹، ۳۰)

معلوم ہوا کہ برزخی اور دنیوی میں مختلف جہات کا اجتماع کوئی امر ناممکن نہیں اور اگر حیات برزخی سے مراد حضور اکرم ﷺ کی عالم برزخ کی ایسی حیات ہے جو دنیوی جسد اطہر میں نہیں اور دنیوی جسد اطہر تعلق حیات سے یکسر خالی ہے تو ہم اس حیات برزخی کے قطعاً منکر ہیں۔ یہ تفصیل اس لئے ضروری ہے کہ بزرگوں کے کلام میں جہاں جہاں حیات برزخی کے الفاظ ہیں وہاں علاقہ ظرفیت کا مراد ہے۔ یعنی حیات فی البرزخ اور حیات النبی ﷺ کے موجودہ مبحث میں فریق مخالف جہاں حیات برزخی کے الفاظ استعمال کرتا ہے وہاں علاقہ نوعیت کا مراد لیتا ہے۔ یعنی حیات دنیوی جسد میں نہ ہو بلکہ صرف کسی اور بدن برزخی میں ہو۔ حاصل آں کہ موضوع زیر بحث یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنی وفات شریفہ کے بعد اسی دنیوی جسد اطہر سے فائض الحیات ہیں یا آپ کی یہ حیات محض کسی اور بدن برزخی کے متعلق ہے۔ موضوع زیر بحث کی تعیین کے بعد ہمارے عقیدہ کی تصریح۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہمارا عقیدہ

آنحضرت ﷺ کو اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد عالم برزخ میں جو حیات حاصل ہے وہ روح مبارک کے تعلق سے اسی دنیوی جسد اطہر کے ساتھ ہے جو روضہ انور میں محفوظ موجود ہے اور اسی تعلق روح کی وجہ سے آپ روضہ انور پر پڑھے گئے درود وسلام کو بغیر کسی واسطہ کے علی الدوام خود سماعت فرماتے ہیں اسی عقیدہ کو ہمارے اکابر نے المہند میں حیات دنیویہ برزخیہ سے تعبیر کیا ہے۔

ہمارا دعویٰ

ہمارا دعویٰ ہے کہ ہمارا یہ عقیدہ کتاب وسنت سے ثابت ہے اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے اور جملہ اکابر دیو بند نہ صرف اس پر متفق ہیں بلکہ ان کے نزدیک یہ عقائد مسلمہ میں داخل ہے۔

تنقیحات خمسہ

پیش تر اس کے کہ ہم اپنے دعویٰ پر دلائل کا آغاز کریں اس اجماعی عقیدہ کی تنقیح کرنا ضروری سمجھتے ہیں تا کہ کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو سکے۔

پتھری حیات

۱...... حضور اکرم ﷺ کے دنیوی جسد اطہر کو جو حیات حاصل ہے وہ روح مبارک کے تعلق سے ہے وہ ایسی حیات ہرگز نہیں جو ہر اینٹ پتھر وغیرہ میں بلحوائے آیت کریمہ: ''وان من شئ الا یسبح بحمدہ ولکن لاتفقھون تسبیحھم '' موجود ہے اگر کوئی حضور کے دنیوی جسد اطہر میں اس پتھری حیات کا قائل ہو تو اہل سنت والجماعت کے عقیدہ میں وہ حیات النبی کا منکر ہے۔ اس لئے کہ ہم اہل سنت حضور کے دنیوی جسد اطہر میں جو حیات مانتے ہیں وہ ان کی روح کے تعلق سے مانتے ہیں۔ پتھری حیات اس انسانی روح سے یکسر خالی ہوتی ہے۔ اس لئے اس پتھری حیات کا اکابر اہل سنت میں سے کوئی قائل نہیں۔ پس جو آنحضرت ﷺ کے دنیوی جسد اطہر میں اس پتھری حیات کا قائل ہو وہ اہل سنت والجماعت کے اجماعی عقیدے کا منکر بلکہ آنحضرت کا موہن ہے۔

حیات کی کیفیت

۲...... آنحضرت ﷺ کے دنیوی جسد اطہر کو روح مبارک کے تعلق سے جو حیات حاصل ہے وہ تعلق تعلق حیات ہے اور لابشرط شئی کے درجہ میں روح مبارک کے اتصال اور دخول دونوں سے عام ہے۔ اگر روح مبارک کا مستقر اعلیٰ علیین میں مان کر اس کے اتصال ونفوض (شاید ناقل کی غلطی ہے صحیح نفوذ ہو، عبدالشکور ترمذی) سے دنیوی جسد اطہر میں حیات تسلیم ہو اور ایسی تعلق حیات سے سماع عند القبر الشریف کا اعتقاد ہو تو بھی عقیدہ حیات النبی قائم ہو جاتا ہے اور اگر روح مبارک کا آنحضرت ﷺ کے جسد اطہر میں دخول وتلبس مان کر آپ کی حیات تسلیم کی جائے اور سماع کا اقرار کر لیا جائے تو بھی عقیدہ حیات النبی کا تحقق ہو جاتا ہے۔ کیفیت وصولی حیات کا اختلاف دنیوی جسد اطہر کے فائز الحیات ہونے کے اجماعی عقیدے کو ہرگز متاثر نہیں کرتا۔ اس لئے کہ اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حیات النبی دنیوی جسد اطہر کے روح مبارک کے تعلق سے فائز الحیات ہونے سے پورا ہو جاتا ہے اور یہ تعلق دخول روح واتصال روح کے باب میں لابشرط شیٔ کے درجہ میں ہے۔

تعلق روح کا مفہوم

۳...... اگر کوئی روح مبارک کے جسد اطہر سے تعلق حیات کا قائل نہ ہو بلکہ صرف اس تعلق کا اقرار کرے جو صاحب خانہ کو اپنے گھر سے باہر ہونے کی صورت میں اپنے گھر سے تعلق ہوتا ہے یا مالک کو اپنے مال میں غیر متصرف ہونے کی حالت میں ہوتا ہے تو حقیقت میں وہ روح مبارک کے جسد اطہر سے حقیقی تعلق کا منکر ہے۔ اس لئے کہ حیات النبی کے مسئلہ میں جس تعلق کا اعتبار ہے وہ تعلق حیات ہے۔ ہاں اگر صاحب خانہ کا وہ تعلق تسلیم کیا جائے جو صاحب خانہ کو اپنے گھر کے اندر ہونے کی صورت میں ہوتا ہے یا مالک کو اپنے مملوک میں متصرف ہونے کی حالت میں ہوتا ہے اور پھر اصل حیات کا انکار نہ کیا جائے تو اس صورت میں روح مبارک کا جسد اطہر سے تعلق تسلیم ہو جاتا ہے اور بدوں اس تعلق کا اقرار ایک مغالطے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

سماع درود شریف

۴...... جو درود وسلام آنحضرت ﷺ کے روضہ انور پر پڑھا جائے حضور اکرم ﷺ اسے بغیر واسطہ کے خود سماعت فرماتے ہیں اور آپ کا یہ سماعت فرمانا دائما ہے اور یہ سماع عندالقبر تعلق حیات بسبب روح سے ہے۔ پس اگر کوئی سماع عندالقبر کو تو تسلیم کرے لیکن اسے دائمانہ مانے بلکہ خرق عادت قرار دے یا اس سماع کو تعلق حیات سے تسلیم نہ کرے تو وہ بھی اہل سنت کے نزدیک سماع عندالقبر الشریف کے حقیقی معنوں کا منکر ہے۔

منکر حیات گمراہ

۵...... ہمارے نزدیک اہل السنت والجماعت کے اس عقیدہ حیات کا منکر کافر نہیں گمراہ ہے۔ اس لئے کہ اس عقیدہ کے لئے ثبوت یا دلالت میں کسی ایک اعتبار سے ظنیت ہمارے راستے میں حارج نہ ہوگی جس عقیدہ کے لئے ثبوت و دلالت دونوں کی قطعیت ضروری ہے اس کا منکر کافر ہوتا ہے۔ جن عقائد کے انکار سے حکم کفر نہیں آتا ان کے لئے ثبوت و دلالت دونوں کی قطعیت لازم نہیں اور اسی وجہ سے بعض ایسے امور کا منکر کافر نہ ہوگا۔ عقائد کی یہ تفصیل اسی طرح کتب کلام میں بھی موجود ہے۔

"ان المسائل الاعتقادية قسمان احدهما ما يكون المطلوب فيه اليقين كوحدة الواجب وصدق النبى وثانيهما ما يكتفى فيه بالظن كهذه المسئلة والاكتفاء بالدليل الظنى انما لا يجوز فى الاوّل بخلاف الثانى۔" (نبراس علی شرح العقائد ص ۵۹۸)

حیات بعد الوفات پر قرآنی فیصلہ

کتاب اللہ کی دلیل

"ولا تقولوا لمن يقتل فى سبيل الله اموات بل احياء ولكن لا تشعرون"

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

استدلال: جب شہداء کے لئے وقوع قتل کے باوجود یہ حیات طیبہ ثابت ہے تو انبیاء کرام کے لئے اس سے بھی ارفع واعلیٰ حیات بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگی۔ یہ آیت دلالۃ النص کے اعتبار سے انبیاء کرام کی حیات بعد الوفات پر ایک واضح دلیل ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ شہداء کرام کے لئے قرآن عزیز میں جس حیات کا اعلان کیا ہے وہ حیات جسدی ہے یا محض روحانی۔ اس آیت شریفہ پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ وہ حیات جسدی ہے جسد یکجا ہو یا اجزاء منتشرہ میں ہو حیات جسدی کے اقرار سے بہر صورت چارہ نہیں، اس پر قرآنی شہادتیں موجود ہیں۔

کتاب اللہ کی پہلی شہادت

اس آیت شریفہ میں اسی وجہ کو مردہ کہنے سے روکا گیا جس پر کہ فعل قتل وارد ہوتا ہے ظاہر ہے کہ قتل جسم پر ہی وارد ہوتا ہے۔ پس زندہ وہی ابدان مقتولہ ہوں گے اور قرآنی حکم کے مطابق ہم انہیں کو زندہ ماننے کے مکلف ہیں ”من یقتل“ میں ضمیر من کی طرف راجع ہے جو جسم وروح دونوں کا مجموعہ ہے اور مشاہدہ بھی مقتول جسم ہی ہوتا ہے اموات کا مبتداء ہم اور احیاء کا مبتداء ہم (جو مقدر ہیں) یہ ضمیریں اسی من کی طرف راجع ہوں گی جو ”من یقتل“ میں مذکور ہے اور وہ جسم ہی تھا۔ لہٰذا شہداء کرام کے اجسام ہی وہ ہیں جن کی دائمی موت کا اعتقاد ممنوع اور ان کی دائمی حیات کا اقرار لازم ہے۔

کتاب اللہ کی دوسری شہادت

آیت ہذا میں اموات بتقدیر مبتداء مقولہ ہے یعنی ہم اموات (وہ مردہ ہیں) یہ مقولہ ہے جس سے روکا گیا ہے اور ہم اموات جملہ اسمیہ ہے جو دوام واستمرار پر دلالت کرتا ہے۔ حاصل اینکہ شہداء کرام کو مردہ کہنے کی ممانعت ہے۔ مراد یہ ہے کہ انہیں ہم اموات یعنی مستمر الموت یا دائم الموت نہ کہا جائے ”قتلو ایاماتو ایا یقتل وغیرہ“ (جملہ فعلیہ جو حدوث پر دلالت کرتا ہے) کہنے سے ممانعت نہیں۔ پس موت کا ورود تو حق ہے لیکن وہ موت غیر مستمر اور غیر دائم ہوگی۔ دائمی حقیقت وہی ہے جو ہم احیاء میں بیان کی۔ یہ جملہ جملہ پر معطوف ہے اور ہم احیاء جملہ اسمیہ واستمراریہ اور دوامیہ ہے۔ لہٰذا حیات دائمی ہے۔ خلاصہ المرام اینکہ دوام واستمرار وفات کا قول وظن ممنوع اور دوام حیات کا عقیدہ ماموریہ ہے۔

کتاب اللہ کی تیسری شہادت

”ولکن لا تشعرون“ شعور علم بالحواس کا نام ہے علم بالعقل کا نام نہیں۔ پس اس کا اطلاق اسی جگہ ہی ہوسکتا ہے جو مدرک بالحواس ہو سکے۔ استدراک اور رفع استدراک کا ہم نوع ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا شبہ احساس کا اور جواب احساس نہ ہونے کا ہے اور یہ ایسی چیز سے ہی متعلق ہو سکتے جو قابل احساس ہو۔ پھر اس کا احساس نہ ہو رہا ہو۔ ظاہر ہے کہ حیات جسدی ہی قابل احساس ہے اور حیات بغیر جسد قابل احساس نہیں وہ صرف قابل علم ہے۔ اگر حیات غیر جسدی کا ذکر شبہ اور رفع شبہ ہوتا تو ”ولکن لا تعلمون“ ہوتا ”لا تشعرون“ محسوسیت کی دلیل ہے جو حیات جسدیہ ہی سے متعلق ہوسکتی ہے۔

کتاب اللہ کی چوتھی شہادت

حیات شہداء کا یہ بیان چوتھے پارے سورت آل عمران میں بھی موجود ہے وہاں یہ مضمون بھی ہے

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"یرزقون۔ فرحین بما اٰتاھم اللہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم " اس آیت شریفہ میں حیات شہداء کے لئے رزق کا بیان ہے ظاہر ہے کہ رزق کی ضرورت حیات جسدیہ ہی کو ہوتی ہے حیات برزخیہ روحیہ کو نہیں۔ جب حیات شہداء کے لئے یرزقون فرمایا تو حیات جسدی کی تعیین ہوگئی۔

کتاب اللہ کی پانچویں شہادت

شہداء کرام کے لئے جام شہادت نوش کر لینے کے بعد یستبشرون کی صفت بیان فرمائی اور استبشار اصلاً اس خوشی اور مسرت کو کہتے ہیں جس کا اثر انسانی چہرے میں محسوس ہونے لگے۔ بشر لغۃً انسانی کھال ہے "قال اللہ تعالیٰ: لواحۃ للبشر " وراستبشار وہی خوشی ہے جو جسدی طور پر محسوس ہونے لگے۔ پس یستبشرون سے بھی شہداء کی حیات جسدی ہی ثابت ہوئی۔

قرآن عزیز کی یہ پانچ شہادتیں بڑی وضاحت سے یہ دلیل قائم کر رہی ہیں کہ شہداء کرام کی ورود قتل کے بعد کی زندگی حیات جسدی ہے اوران ابدان میں حاصل ہے جن پر کہ فعل قتل وارد ہوا تھا اور انہیں ابدان کا ھم احیاء میں بیان ہے۔ خواہ وہ ابدان یکجا ہوں یا اجزاء منتشرہ میں ہوں وہ بہر حال فائز الحیات ہیں۔ پس جب شہداء کرام کا یہ حال ہے کہ تو انبیاء کرام اپنے اصل اجساد کے ساتھ زندہ کیوں نہ ہوں گے بلکہ انبیاء کرام کی حیات جسد عنصری ان سے بھی ارفع واعلیٰ ہے کہ شہدائے کے ابدان کا یکجا ہونا ضروری نہیں لیکن انبیاء کرام کے ابدان مطہرہ کا یکجا ہونا اور بالکل محفوظ ہونا بھی لازمی ہے۔

قاضی شوکانی لکھتے ہیں "ورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشھداء انھم احیاء یرزقون وان الحیاۃ فیھم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء المرسلین۔ " (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۱۱ مصری)

توضیحات

شہداء کرام کے ابدان مقتولہ میں جوزندگی ہے وہ ضروری نہیں کہ ارواح کے دخول کامل سے ہی ہو، اگر ان کی ارواح قدسیہ اعلیٰ علیین میں بھی ہوں یا سبز رنگ کے پرندوں کی شکل میں متشکل ہو کر قنادیل عرش میں سیر پذیر ہوں اور وہاں سے وہ ابدان مقتولہ میں نفوذ کر رہی ہوں تو بھی قرآن مجید کی بیان کردہ حیات جسدی عنصری کا مضمون پورا ہو جاتا ہے یعنی حیات شہداء کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ان کی ارواح ان کے ابدان مقتولہ میں داخل ہی ہوں وہ سبز رنگ کے پرندوں کی شکل میں متشکل بھی رہیں تو ایسا ہونا قرآن عزیز کی بیان کردہ حیات جسدی عنصری کی نفی نہیں کرتا۔ اسی طرح انبیاء کرام کی ارواح قدسیہ کا حسب تصریح بعض علماء اعلیٰ علیین میں ہونا ان کے اجساد قبریہ عنصریہ کی حیات کے ہرگز منافی نہیں۔

"ولا یتوھم من ھذا انکار حیاتہ فی قبرہ الشریف فان لروحہ ﷺ اشرافاً علی البدن المبارکۃ المطیبۃ واشراقاً وتعلیقاً بہ۔ " (فتح الملھم ج ۳ ص ۴۲۱ ونحوہ فی زاد المعاد ص ۴۹)

جن علماء نے تفریق اجزاء کے مشاہدہ کی وجہ سے یا ارواح شہداء کے جو اصل طیور میں استقرار پذیر ہونے کے باعث شہداء کی حیات روحانی بیان کی ان کا مقصد ظاہر قرآن کی تردید ہرگز نہ تھا۔ محض اس امر مزید کا

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بیان تھا جو قرآنی دلالت کے علاوہ روایات کی روشنی میں ملتی ہے اور اگر ہو بھی تو وہ قول مرجوح اور خلاف تحقیق جمہور ہوگا۔ تحقیق کی روشنی میں ارواح شہداء کے علیین میں ہونے یا جواصل طیور میں بطلاقہ راکب بمرکب ہونے سے اصل اجساد مقتولہ کا مردہ ہونا قطعاً لازم نہیں آتا۔ ہاں اس اختلاف تعبیر کی وجہ سے دلالت میں کچھ ظنیت ضرور ہے تاہم قواعد عربیت جمہور کی تحقیق اور محققین کا راجح فیصلہ وہی ہے جو علامہ محمود آلوسی نقل فرماتے ہیں: ''اختلف فی هذه الحياة مذهب كثير من السلف الى انه حقيقة بالروح والجسد ولكن لا ندر كها في هذه انشاة''

(روح المعانی ج دوم ص ۱۷)

پھر اس کے آگے صاحب روح المعانی اسے ہی مشہور اور راجح قول قرار دیتے ہیں۔

پیش نظر رہے کہ حیات شہداء طیور خضر کی شکل میں ہونا صرف روایات پر موقوف ہے قرآن عزیز نے شہداء کی مطلق حیات جسدی کو بیان کیا ہے اور یہی مطلق حیات جسدی دلالۃ النص سے انبیاء کرام کے لئے ثابت ہوگی۔ حیات جسدی کی جملہ تفاصیل انبیاء کی حیات جسدی کے لئے لازم نہ ہوں گی۔ شہداء کے لئے حیات جسدی اگر طیور خضر کی صورت میں ہے تو انبیاء کرام کی حیات جسدی ان کے اجساد عنصریہ قبریہ میں ہی ہے۔ حدیث صحیح ہے ''الانبياء احياء فی قبورهم يصلون'' شہداء جیسی حیات جسدی کو ہی انبیاء کے لئے لازم کرنا مبنی بر قیاس ہے اور قیاس صحیح حدیث کے سامنے قائم نہیں رہ سکتا۔ قرآنی آیت کی حیات الانبیاء پر دلالت مطلق حیات جسدی میں ہے جس کی تفصیل اپنے اپنے مقام پر اپنی اپنی ہوگی۔ شہداء کی حیات کے لئے طیور خضر کی روایات اور انبیاء کے لئے حیات قبریہ کی روایات اس باب میں کافی ووافی ہیں۔ یہ توجیہ محض اس صورت میں ہے کہ حیات شہداء کے روحانی ہونے کے مرجوح قول کو اختیار کیا جائے اور اگر حیاۃ شہداء کے مع الجسد ہونے کے مشہور وراجح اور مختار عند الجمہور قول کا اعتبار کیا جائے تو پھر ارواح شہداء کا طیور خضر کی صورت میں متشکل بھی ہونا ابدان مقتولہ کی حیات کی ہرگز نفی نہیں کرتا۔ اگر ہمیں اس کا ادراک نہیں ہوتا تو یہ امر دیگر ہے جو حقائق پر اثر انداز نہیں۔

۲...... ورود وفات کے بعد زندگی کے لئے ابدان مقتولہ کا یکجا ہونا ضروری نہیں وہ حیات بعد الوفات اجزاء متفرقہ میں بھی رہ سکتی ہے۔ علامہ شامی باب الیمین فی الضرب والقتل میں فرماتے ہیں ''والبنيه ليست بشرط عند اهل السنة بل تجعل الحياة فی تلك الاجزاء المتفرقة لا يدر كها البصر'' (ج ۳ ص ۱۰۳ مصری)

حیات بعد الوفات پر احادیث شریفہ

حدیث اوّل

''عن انس بن مالك رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبياء احياء فی قبورهم يصلون''

(مسند ابی یعلیٰ، جامع الصغیر ص ۱۰۳ مصری، حیات الانبیاء للبیہقی ص ۳ مصری)

تصحیح از محدثین کرام

فتح الباری ص ۱۳ کتاب الانبیاء نمبر ۲۷۸، مرقاۃ ج ۲ ص ۲۱۲، فتح الملہم ج ۱ ص ۳۲۹، فیض الباری ج ۲

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ص ۶۴ بنقل ثقات از روایت انس بن مالک (جذب القلوب ص ۱۸۰) اس حدیث میں نہ صرف قبر شریف کی حیات طیبہ کا بیان ہے بلکہ ان نفوس قدسیہ کا زندوں جیسے اعمال میں اشتغال بھی ثابت ہے اور یہی اس حدیث کا محط نظر ہے۔

حدیث دوئم

''عن النبی ﷺ قال من صلّی علیّ عند قبری سمعتہ و من صلّی علیّ نائیاً ابلغتہ'' (مشکوۃ ص ۸۷، ابوالشیخ اصفہانی، مرقاۃ ج ۲ ص ۱۰، ابن حبان، مرقاۃ، ابن ابی شیبہ، شرح شفاء ملا علی قاری ج ۲ ص ۱۴۲ مصر، القول البدیع ص ۱۱۶)

تصحیح از محدثین کرام

بسند جید (فتح الباری ص ۱۳)، سندہ جید (القول البدیع السخاوی ص ۱۱۶) بسند جید (مرقاۃ ج ۲ ص ۱۰) سند جید (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۱۳)

پیش نظر رہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ سننا تعلق حیاۃ سے ہے: ''ان الانبیاء فی قبورھم فیمکن لھم سماع صلوۃ من صلّی علیھم۔'' (مرقاۃ ج ۲ ص ۲۰۹)

''قال انّ اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فاخبر انہ یسمع الصلوۃ من القریب و یبلغ ذالک من البعید'' (رسائل ابن تیمیہ الکلام فی المناسک ج ۱۶ ص ۳۹۱)

حدیث سوئم

''ان رسول اللہ ﷺ قال مررت علی موسٰی لیلۃ اسری بی عند الکثیب الاحمر و ھو قائم یصلی فی قبرہ۔'' (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۹۸، نسائی ج ۱ ص ۱۸۵)

دفع اشتباہ

معراج کی رات پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بیت المقدس میں ملنا اور پھر آسمانوں پر ملنا، حدیث سوئم کی حیاۃ قبریہ سے ہرگز متصادم نہیں۔ محدثین کرام کہتے ہیں: ''وصلاتھم فی اوقات مختلفۃ و فی اماکن مختلفۃ لا یردہ العقل و قد ثبت بہ النقل فدل ذالک علی حیاتھم'' (فتح الباری ج ۱ ص ۱۳، ۲۷۸)

''وصلاتھم فی اوقات بمواضع مختلفات جائز فی العقل کما ورد بھما خبر الصادق و فی کل ذالک دلالۃ علی حیاتھم'' (حیاۃ الانبیاء للبیہقی ص ۸ مصری)

حدیث چہارم

''کیف تعرض صلوتنا علیک و قد ارمت فقال ان اللہ حرّم علی الارض اجساد الانبیاء''

(سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۵۰ و ۲۱۴، نسائی ج ۱ ص ۱۵۴، ابن ماجہ ص ۷۷ و ۱۱۹، احمد کمافی ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۴)

استدلال

آنحضرت ﷺ کا جواب صرف ارمت سے متعلق نہیں کہ کیف تعرض کے جواب میں ہے یعنی انبیاء کرام کے اجساد مطہرہ اس طرح محفوظ ہیں کہ ان پر صلوٰۃ و سلام پیش ہو سکتا ہے۔ ثابت ہوا کہ ان اجساد مطہرہ میں

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

شعور ہے اور وہ اس طرح فائض الحیاۃ ہیں کہ وہ صلوٰۃ وسلام سن سکتے ہیں۔" والجواب بقوله ﷺ ان الله حرم علی الارض اجساد الانبیاء کنایة عن کون الانبیاء احیاء فی قبورهم" (حاشیہ نسائی الشیخ سندی ص ۱۵۵)

"وکذالک فی المرقاة ج۲ ص ۲۰۹ وفی العینی علی البخاری ج۶ ص ۲۹ وفی بذل المجهود ج۲ ص ۱۶۰ وغیرها"

تصحیح حدیث از محدثین کرام

علی شرط البخاری (تلخیص المستدرک الذهبی ج۱ ص ۲۴۸) باسانید الصحیحة (کتاب الاذکار للنووی ج۱ ص ۱۴۸) حدیث صحیح (فتح الباری ص ۲۶۲ و ۵۶ صح عنه عینی علی البخاری ج۶ ص ۲۹) صحح هذا الحدیث ابن خزیمه وابن حبان ودار قطنی ونووی (تفسیر ابن کثیر ج۳ ص ۵۱۴) من قال انه منکر او غریب بعلة فقد استروح لان الدار قطنی رذها (مرقاة ج۲ ص ۲۱) من تأمل هذا الاسناد لم یشک فی صحته لثقة رواته۔ (جلاء الافہام لابن القیم ۴۴)

حدیث پنجم

"قال النبی ﷺ لا تخیرونی علی موسی فان الناس یصعقون یوم القیامة فاصعق معهم فاکون اول من یفیق فاذا موسی باطش جانب العرش فلا ادری کان فمن صعق فافاق قبلی او کان ممن استثنی الله"

(بخاری ج۱ ص ۳۲۵، ص ۳۸۱)

استدلال

صعقۂ اولی کے وقت جمیع زندگان ارض وسما (جن پر ابھی تک موت نہ آئی ہوگی) موت کی نیند سو جائیں گے (باستثنی من شاء اللہ) اور صعقۂ ثانیہ سے مردگان بھی اور پہلے کے وفات یافتہ لوگ بھی سب کے سب زندہ ہو جائیں گے، اس وقت اس حدیث کے اقتضا کے مطابق انبیاء کرام کو صرف افاقہ ہوگا معلوم ہوا کہ وہ اس صعقہ ثانیہ سے پہلے بھی زندہ ہوں گے۔ نفخہ اولی سے صرف ان پر معمولی غشی کی سی حالت طاری ہوئی ہوگی اور یہ صرف اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ انبیاء کرام اپنی اپنی قبور میں زندہ ہوں۔ علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ غشی کا محل وررود وہی ابدان ہو سکتے ہیں جو پہلے سے زندہ ہوں صرف روح پر غشی کا اطلاق نہیں ہوتا اور نہ ہی مردہ اجساد غشی کا محل وررود ہو سکتے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ انبیاء کرام کو اپنی اپنی قبور شریفہ میں جو زندگی حاصل ہے وہ نفخہ اولی کے وقت بھی ختم نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ اس سے پہلے عالم دنیا سے انتقال کرتے وقت وررود موت کے بنیادی قانون سے عہدہ براء ہو چکے ہوں گے اور پھر قبر میں پہلے سے فائض الحیاۃ ہونے کے باعث نفخہ ثانیہ کے وقت ان کے نئے سرے سے زندہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث کے پورے دفتر میں نفخہ ثانیہ کے وقت ان کے زندہ ہونے کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔ بلکہ احادیث صحیحہ صریحہ کی رو سے انہیں محض افاقہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ افاقہ کا محل ان کے اجساد عنصریہ ہی ہوں گے جیسا کہ حدیث کے سیاق وسباق سے واضح ہے۔ پس اگر وہ نفوس قدسیہ پہلے سے اپنے اپنے

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

روضات عالیہ میں ابدان عنصریہ سے فائض الحیات نہیں تو قیامت کے دن نفخہ ثانیہ سے جب تمام مردے زندہ ہو رہے ہیں انبیاء کرام کے زندہ ہونے کی بجائے افاقہ پانے کا آخر کیا مطلب ہوگا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ بھی استدلال کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''وھذا انما یصح علی ان اللہ جل ثناء رد الی الانبیاء ارواحھم فافھم احیاء عند ربھم (حیاۃ الانبیاء) اما صعق غیر الانبیاء فموت واما صعق الانبیاء فالاظھر انہ غشی فاذا نفخ فی الصور نفخۃ البعث فمن مات حیٰ ومن غشی علیہ افاق . . .

(راجع لہ العینی علی البخاری ج ۶ ص ۶۹)

اس حدیث کی تشریحات جو اور منقول ہیں سب اس کے بعد کی ہیں اوّل وراجح یہی تعبیر ہے۔ نیز ہم نے اسے اپنے مدعا کی تعیین میں نقل احادیث صحیحہ کے ان واضح فیصلوں کے بعد کیا ہے۔ اب سلف صالحین اہل سنت والجماعت کی ان اجماعی شہادتوں کو بھی لیجئے۔

شہادات اجماع

۱...... ''نحن نؤمن و نصدق بانہ ﷺ حیٌ یرزق فی قبرہ وان جسدہ الشریف لاتاکلہ الارض والاجماع علی ھذا'' (القول البدیع ص ۱۲۵)

۲...... ''الاجماع علی انہ ﷺ حیٌ فی قبرہ علی الدوام۔ دلیل الفالحین شرح ریاض الصالحین للعلامہ محمد بن علان الشافعی الاشعری اکملی'' (ج ۴ ص ۱۹۲)

۳...... حیات متفق علیہ است کس را دروے خلاف نیست۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۱۳)

۴...... زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں مخالفت نہیں کہ حیات ان کی وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے۔ (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۴۵)

۵ قبر کے پاس انبیاء کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۰۰)

تصریحات علماء اعلام از حنفیہ کرام

۱...... ''المعتقد المعتمد انہ ﷺ حیٌ فی قبرہ کسائر الانبیاء فی قبورھم احیاء عند ربھم وان لارواحھم تعلقاً بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی حال الدنیوی'' (شرح شفا ملا علی قاری ج ۲ ص ۱۴۲)

''ان الانبیاء احیاء فی قبورھم فیمکن لھم سماع صلاۃ من صلّٰی علیھم'' (مرقاۃ ج ۲ ص ۲۰۹)

۲...... ''ان الانبیاء احیاء فی قبورھم''

(شامی باب المغنم وقسمۃ بعد قسمۃ الخمس ج ۲ ص ۲۶۶ رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۲۰۳ الرحیق المختوم)

۳...... ''انھم لایموتون فی قبورھم بل ھم احیاء واما سائر الخلق فانھم یموتون فی القبور ثم یحیون یوم القیامۃ ومذھب اھل السنۃ والجماعۃ ان فی القبر حیاۃ وموتاً فلا بد من ذوق الموتتین لکل احد غیر الانبیاء'' (عینی علی البخاری ج ۷ ص ۶۰۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

۴...... ''ولما هو مقرر عند المحققين انه ﷺ حیّ یرزق متمتع بجميع الملاء اذو العبادات غير انه احجب عن العباد القاصرين عن شريف المقامات'' (نور الایضاح ص ۱۷۳)

''فانه يسمعها اى ذا كانت منه ﷺ تبليغ اليه اى يبلغها الملك اذا كان المصلى بعيداً''

(طحاوی ص ۴۰۵ مصر)

تصریحات علماء شافعیہ وحنابلہ ومالکیہ

۱...... ''عندنا رسول الله ﷺ حیّ یحسّ ویعلم وتعرض عليه اعمال الامة ويبلغ الصلاة والسلام''

(طبقات شافعیہ ج ۲ ص ۲۸۲)

۲...... ''ان حياته ﷺ فى القبر لا يعقبها موت بل يستمر حياً والانبياء احياء فى قبورهم''

(فتح الباری ج ۷ ص ۲۲ مصری)

۳...... ''قال ابن عقيل من الحنابلة هو ﷺ حیّ فى قبره يصلى'' (الروضۃ البہیہ ص ۱۴ وکذا فی البدائع لابن قیم)

۴...... ''قال ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء فاخبر انه يسمع الصلوة من القريب ويبلغ ذالك من البعيد'' (رسائل ابن تیمیہ الکلام فی مناسک الحج نمبر ۱۶ ص ۳۹۱)

۵...... ''نقل عن الامام مالك انه كان يكفره ان يقول رجل زرت قبر النبى ﷺ قال ابن رشد من اتباعه ان الكراهة لغلبة الزيارة فى الموت وهو ﷺ احياه الله تعالى بعد موته حياة تامة واستمرت تلك الحياة''

(نور الایمان ص ۱۳، وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۱۳، ۴۱۴)

تصریحات حضرات فرقہ اہل حدیث

قاضی شوکانی رحمہ اللہ

۱...... ''روحه ﷺ لا تفارقه لما صح ان الانبياء احياء فى قبورهم'' (تحفۃ الذاکرین شرح حصن حصین للشوکانی ص ۲۸)

''ذهب جماعة من المحققين الى ان رسول الله ﷺ حیّ بعد وفاته'' (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۱۰، ۲۱۱)

شیخ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدی رحمہ اللہ

۲...... ''والذى نعتقد ان رتبة نبينا ﷺ اعلى مراتب المخلوقين على الاطلاق وانه حیّ فى قبره حياة مستقرة ابلغ من حياة الشهداء المنصوص عليها فى التنزيل اذ هو افضل منهم بلا ريب وانه يسمع من يسلم عليه'' (رسالہ شیخ نجدی مندرجہ اتحاف النبلاء ص ۴۱۵ مصنفہ نواب صدیق حسن خان صاحب)

علامہ وحید الزمان حیدر آبادی رحمہ اللہ

۳...... ''انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''جو کوئی میری قبر کے پاس آ کر درود پڑھتا ہے تو میں سن لیتا ہوں اور جو کوئی دور سے پڑھتا ہے تو فرشتے مجھ کو لا کر پہنچاتے ہیں۔''

(لغات الحدیث کتاب نمبر ۵ ص ۴۰ مصنفہ علامہ وحید الزمان اہل حدیث)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مولانا نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ

۴...... حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں خصوصاً آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عندالقبر درود بھیجتا ہے وہ سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں۔ (فتاویٰ نذیریہ ج ۲ ص ۵۵ ضمیمہ)

۵...... ''انهم احياء فى قبورهم يصلون وقد قال النبى ﷺ من صلّى علىّ عند قبرى سمعتهٔ و من صلّى علىّ نائياً ابلغتهٔ'' (التعليقات سلفيه على سنن النسائى ص ۲۳۷)

تصریحات اکابر دیوبند رحمہم اللہ

قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ

الف: ''ولانّ النبيين عليهم السلام صلوٰة الله عليهم اجمعين لما كانوا احياء فلا معنى لتوريث الاحياء منهم'' (الکوکب الدری ج ۱ ص ۴۲۳ تقریر ترمذی)

ب: آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں ''ونبی اللہ حی یرزق'' (سنن ابن ماجہ ص ۱۱۹) اس مضمون حیات کو بھی مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ آب حیات میں بالامزید علیہ ثابت کیا ہے۔ (ہدایۃ الشیعہ مصنفہ مولانا گنگوہی رحمہ اللہ)

ج: قبر کے پاس...... انبیاء کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج اول ص ۹۹)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہ اللہ

''ان نبى الله ﷺ حىّ فى قبره كما كان الانبياء عليهم السلام احياء فى قبورهم ولا فرق بين ان يكون فوق الارض او تحت حجابها'' (بذل المجہود ج ۲ ص ۱۱۷)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

''اوّل بطور مقدمہ کے جاننے کہ حضور ﷺ کی قبر مبارک کے لئے بہت کچھ شرف حاصل ہے۔ کیونکہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے بلکہ حضور ﷺ خود یعنی جسد مع تلبس الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں۔ کیونکہ آپ قبر میں زندہ ہیں قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی اعتقاد تھا۔ حدیث میں نص ہے کہ نبی اللہ تعالیٰ حیّ یرزق کہ آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق بھی پہنچتا ہے۔''

(وعظ رأس الرئیسین بضمن مجموعہ میلاد النبی شائع کردہ ملتان ص ۵۰۸)

''قال الاستاذ ابو منصور البغدادى قال المتكلمون المحققون من اصحابنا ان نبينا ﷺ حى بعد وفاته۔'' (علاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۰ مؤلفہ زیر نگرانی حضرت تھانوی رحمہ اللہ)

محدث کبیر حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمہ اللہ

''يردبقوله الانبياء احياء مجموع الاشخاص لاالروح فقط'' (تحیۃ الاسلام ص ۳۶، از حضرت شاہ صاحب)

آخری گزارش

مسلک دیوبند اہل سنت والجماعت اہل حق کا ایک ایسا علمی اور روحانی دائرہ ہے جس کے عقائد ہرگز مشتبہ نہیں

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کہ کوئی شخص دیوبندیت کے نام پر جو کچھ چاہے کہتا رہے مسلک دیوبند کے نظریات اکابر دیوبند کی مرکزی علمی دستاویز المہند علی المفند میں قلم بند ہیں جس پر حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن سے لے کر حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب تک سب اکابر کے دستخط موجود ہیں۔ پس المہند مسلک دیوبند کی سرکاری ترجمان ہے جس کا تسلیم کرنا دیوبندیت اور جس سے انحراف مسلک دیوبند سے گریز کرنا ہے۔ اب آخر میں المہند کا وہ تاریخی فیصلہ نقل کیا جاتا ہے۔

''المہند'' کا تاریخی فیصلہ

''عندنا وعند مشائخنا حضرة الرسالة ﷺ حی فی قبره الشریف و حیاته ﷺ دنیویة من غیر تکلیف وهی مختص به ﷺ وبجمیع الانبیاء... فثبت بهذا ان حیاته دنیویة برزخیة لکونها فی عالم البرزخ'' (ترجمہ: ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ ﷺ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ، پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ﷺ کی حیات دنیوی ہے اور برزخی بھی ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہے) (از قلمی قائل مولانا محمد علی جالندھری مرحوم)

(حضرت جالندھری رحمہ اللہ ومولانا لال حسین اختر رحمہ اللہ کا تحریر کردہ ثالث حضرات کے نام بیان ختم ہوا: ناشر)

عقیدۂ حیات النبی ﷺ کے متعلق فتاویٰ جات

اب ذیل میں عقیدۂ حیات النبی ﷺ سے متعلق مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ اور فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ سابق مفتی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون و جامعہ اشرفیہ لاہور کا مدلل و مفصل فتویٰ ازدیاد بصیرت کے لئے پیش کیا جارہا ہے، امید ہے کہ قارئین انہیں بغور ملاحظہ فرمائیں گے۔

فتویٰ مفتی مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ

الاستفتاء

یہ عقیدہ رکھنا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک علیین میں ہے آپ ﷺ کا اپنی قبر اور جسد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، لہٰذا آپ ﷺ کی قبر مبارک پر درود وسلام پڑھا جائے تو پڑھنے والے کو ثواب ملتا ہے لیکن آپ ﷺ سنتے نہیں، کیا ایسا عقیدہ صحیح ہے کہ نہیں؟ اور غلط ہونے کی صورت میں بدعت سیئہ ہے یا نہیں؟ اور ایسے عقیدے والے کی امامت کا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا!

الجواب الاول از حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن رحمہ اللہ
سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

آنحضرت ﷺ اپنے مزار مبارک میں بجسدہٖ موجود ہیں اور حیات ہیں، آپ ﷺ کے مزار کے پاس کھڑے ہو کر جو سلام کرتا ہے اور درود پڑھتا ہے آپ ﷺ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں ہمارے کان نہیں کہ ہم سنیں۔ آپ ﷺ اپنے مزار میں حیات ہیں، مزار مبارک کے ساتھ آپ ﷺ کا تعلق بجسدہٖ و بروحہٖ ہے جو اس

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کے خلاف کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے، وہ بدعتی ہے، خراب عقیدے والا ہے، ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ ہے، یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے۔ حدیث میں ہے: اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ (الحدیث)[1] وعن ابی ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ مِنْ بَعِیْدٍ اُعْلِمْتُہٗ رَوَاہُ اَبُو الشَّیْخِ (وَسَنَدُہٗ جَیِّدٌ)[2] القول لبدیع ص ۱۱۶، وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْاَنْبِیَاءُ (صَلَوٰۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِمْ) اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِہِمْ یُصَلُّوْنَ (رواہ ابن عدی رحمہ اللہ والبیہقی رحمہ اللہ وغیرہما)[3] (شفاء السقام ص ۱۳۴)

دو تین حدیثیں نقل کر دی ہیں اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور جو انکار کرتا ہے بدعتی ہے خارج از اہل سنت والجماعت ہے، غرض پڑھنے والے کو ثواب بھی پہنچتا ہے اور مزار کے قریب پڑھنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سنتے بھی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں بجسدہ موجود ہیں اور حیات ہیں، وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ!　　کتبہ السید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند ۱۳/۵/۷۶ھ

(مہر دارالعلوم دیوبند)

اَلْجَوَابُ صَحِیْحٌ　　جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور ۲۱ رشوال ۷۶ ۱۳ھ

اَجَابَ الْمُجِیْبُ وَاَجَادَ　　محمد ضیاء الحق کان اللہ لہ مدرس جامعہ اشرفیہ

اَلْجَوَابُ صَوَابٌ　　محمد رسول خان عفا اللہ عنہ

فتویٰ مفتی جمیل احمد تھانوی صاحب رحمہ اللہ

الجواب الثانی از فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ

سابق مفتی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون وجامعہ اشرفیہ لاہور

شہداء کو مردہ کہنا حرام ہے

مُبَسْمِلًا وَّمُحَمِّدًا وَّمُصَلِّیًا وَّمُسَلِّمًا

۱...... آیت شریفہ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ، بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (پ ۲) سے معلوم ہوا کہ شہداء کو مردہ یعنی مستمر الموت کہنا جائز نہیں حرام ہے، ورنہ یُقْتَلُ سے موت بیان ہو چکی ہے اَمْوَاتٌ مقولہ ہے جس کے لئے جملہ ہونا ضروری ہے "ھُمْ اَمْوَاتٌ" جملہ اسمیہ استمرار پر دال ہے تو حرمت یہاں موت مستمر کہنے کی ہے، چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ "مَاتُوْا" کہنا تو جائز ہے مَیِّتٌ، وَمَوْتٰی کہنا جائز نہیں ہے، ایسے ہی اَحْیَاءٌ یعنی ہُمْ اَحْیَاءٌ کے معنی یہ کہ وہ مستمر الحیات ہیں۔

---

[1] مشکوٰۃ فی الجمعۃ رواہ ابن ماجۃ ای باسناد جید عن المنذری لہ طرق کثیرۃ بالفاظ مختلفۃ　(مرقاۃ جلد ج ۳ ص ۲۳۸)

[2] رواہ البیہقی فی شعب الایمان وفی اشعۃ اللمعات الجدیدۃ (ج ۲ ص ۷۹۸) اخرجہ ابو بکر بن ابی شیبۃ والعقیلی والطبرانی وفی المرقاۃ فو رواہ ابو الشیخ وابن حبان بسند جید　(ج ۳ ص ۳۴۳)

[3] اخرجہ ابو یعلی فی سندہ والبیہقی، انباء الاذکیاء للسیوطی رحمہ اللہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

یہ شبہ کہ ہم ان کو زندہ نہیں دیکھتے اس کا استدراک: وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ سے کر دیا گیا ہے کہ حیات کے لئے دوسروں کا احساس ضروری نہیں ہے وہ حی ہیں مگر تم لوگ محسوس نہیں کر سکتے، شعور احساس کو یعنی ادراک بالحواس کو کہتے ہیں، ان کی آواز سن کر، نبض چھو کر، آنکھ سے دیکھ کر تم محسوس نہیں کر سکتے، صرف وحی سے معلوم ہوگا اور ہو گیا، یہاں محض موت کی نفی نہیں موت مستمر کی نفی اور حرمت ہے ورنہ "یُقْتَلُ" سے خود موت با مجارحہ ثابت شدہ ہے، روح المعانی ج ۲ ص ۱۹ پر ہے:

"وَلَیْسَ فِی الْاٰیَۃِ نَھْیٌ، عَنْ نِسْبَۃِ الْمَوْتِ اِلَیْھِمْ بِالْکُلِّیَۃِ بِحَیْثُ اَنَّھُمْ مَاذَاقُوْہُ اَصْلًا وَلَا طَرْفَۃَ عَیْنٍ وَالَّا لَقَالَ تَعَالٰی وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ مَاتُوْا فَحَیْثُ عَدَلَ عَنْہُ اِلٰی مَا تَرٰی عَلِمَ اَنَّھُمْ امْتَازُوْا بَعْدَ اَنْ قُتِلُوْا بِحَیَاۃٍ لَا یَقْوَیْھِمْ مَانِعُوْا اَنْ یُّقَالَ فِیْ شَانِھِمْ اَمْوَاتٌ،"

لہٰذا ایسی حیات ہے کہ مر گئے کہنا گو جائز ہے مگر مردہ کہنا حرام ہے یعنی "ان کی موت مستمر ہے" یہ کہنا حرام ہے بلکہ حیات مستمر ہے گو ان پر موت کا واقع ہو جانا کہنا جائز ہے "یُقْتَلُ" میں یہی فرمایا ہے "بَلْ اَحْیَاءٌ" کا عطف جیسے کہ قرب کا تقاضا ہے "اَمْوَاتٌ" پر ہے، جیسے وہ مقولہ تھا یہ بھی مقولہ ہے، جیسے وہ جملہ استمرار یہ تھا یہ بھی جملہ استمرار یہ ہے اور "بَلْ" نے پہلے سے اعراض کا فائدہ دیا تو یہ معنی ہو گئے "بلکہ یہ کہو کہ حیات مستمر سے زندہ ہیں" نہی کے صیغہ "وَلَا تَقُوْلُوْا" سے اضراب امر بن جائیگا، تو جیسے ان کو مستمر الموت کہنا حرام تھا اب مستمر الحیات کہنا واجب ہوا، یہ تو شہیدوں کے لئے ہوا، اب حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی مستقل مردہ کہنا حرام ہے اور مستقل زندہ کہنا واجب و ضروری ہوا یا نہیں، اس پر غور کرنا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کو زندہ کہنا واجب ہے

الف: سب انبیاء علیہم السلام کا درجہ شہداء سے بالا در بالا ہے، جو حکم شہیدوں کے لئے باعث اعزاز و امتیاز بنا ہے ان کے لئے بدرجہ اولیٰ ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ انبیاء کا درجہ و مقام تمام شہداء سے بہت بالا ہے اور آیت اُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ وَالصّٰلِحِیْنَ کی ترتیب ذکری نے جو حکمت بالغہ سے خالی نہیں ہو سکتی بتا دیا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا درجہ سب سے اول ہے اور سب سے اعظم، لہٰذا ان کو بھی مستقل مردہ کہنا حرام ہے اور مستقل زندہ کہنا واجب ہے۔

تمام انبیاء کرام علیہم السلام شہداء میں شامل ہیں

ب: انبیاء علیہم السلام سب کے سب ہی شہید ہیں جو فی سبیل اللہ (اللہ کے راستہ میں) تمام مصائب اٹھاتے رہے ہیں اور کچھ قتل بھی ہوئے ہیں اور اگر قتل نہ بھی ہوں تو بھی شہید حکمی، فی سبیل اللہ کی وجہ سے، ضرور ہیں، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: وَمَا نَبِیٌّ اِلَّا وَقَدْ جَمَعَ مَعَ النُّبُوَّۃِ وَصْفَ الشَّھَادَۃِ (الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۴۸) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی شہادت حاصل ہے۔

علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ "انباء الاذکیاء" میں ہے، امام احمد و ابو یعلی و طبرانی اور مستدرک میں حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

دلائل النبوۃ میں امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت بیان کی ہے فرمایا: لَاَنْ اَحْلِفَ تِسْعًا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قُتِلَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَحْلِفَ وَاحِدَۃً اَنَّہٗ لَمْ یُقْتَلْ وَذٰلِکَ اَنَّ اللّٰہَ اتَّخَذَہٗ نَبِیًّا وَاتَّخَذَہٗ شَہِیْدًا۔

شہداء کے لیے حیاتِ جاوید

ج: (حوالہ مذکورہ میں) امام بخاری رحمہ اللہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث روایت کی ہے فرماتی ہیں:

”کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ مَرَضِہِ الَّذِیْ تُوُفِّیَ فِیْہِ لَمْ اَزَلْ اَجِدُ اَلَمَ الطَّعَامِ الَّذِیْ اَکَلْتُ بِخَیْبَرَ فَہٰذَا اَوَانُ اِنْقَطَعَ اَبْہَرِیْ مِنْ ذٰلِکَ السَّمِّ“

اور سب جانتے ہیں کہ زہر سے اور پھر رگ پھٹ جانے سے جو موت ہے وہ شہادت ہے اور شہیدوں کی حیات جاوید ثابت ہے ان کو مستقل مردہ کہنا حرام ہے اور مستقل زندہ کہنا واجب ہے، تو تمام انبیاء حضرات خصوصاً حضور علیہم الصلوۃ والسلام کو مستقل زندہ کہنا واجب ہے اور مستقل مردہ کہنا حرام۔

لاتشعرون کا مفہوم

د: لَاتَشْعُرُوْنَ شعور سے بنا ہوا ہے جو ادراک بالحواس کا نام ہے اور صیغہ مخاطبین کا ہے یعنی تم جن وانس زندہ لوگ حواس سے محسوس نہیں کر سکتے، اب اور کوئی کر سکتا ہے یا نہیں؟ کشف ورفع حجابات سے معلوم ہو سکتا ہے یا نہیں؟ یا صرف وحی والہام سے ہی معلوم ہوگا؟ یہ مسئلے بھی یہاں غور طلب ہیں۔

پھر نفی صرف اس بات کی مفید ہو سکتی ہے جو عقلاً وعادۃً ممکن ہو مگر وہ واقع نہ ہوئی ہو، جو چیز عقلاً وعادۃً ناممکن ہو اس کی نفی لغو وعبث ہوتی ہے جو کہ کلام الٰہی میں نہیں ہوگی، کسی کا یہ کہنا کہ میں آسمان پر چھلانگ نہیں لگاتا یا سارا کا سارا سمندر نہیں پی جاتا ایک لغو جملہ ہے اس سے کوئی فائدہ نہیں ملتا، معلوم ہے نہ کر سکتے تھے نہ کیا ہے۔

اس عام قاعدہ سے معلوم ہوا کہ حیات ایسی ہے کہ حواس سے بھی اس کا ادراک ممکن ہے مگر تم لوگوں کو بجز مستثنٰی کے عام طور سے وہ ادراک حاصل نہیں، اس سے حیات کی نوعیت معلوم ہو گئی کہ وہ ایسی نوع ہے جس کا ادراک حواس سے ہونا ممکن ہو یعنی جسم وروح کے مجموعہ کی حیات نہ کہ صرف روح کی، آگے ان شاء اللہ اس پر دلائل قائم کئے جائیں گے، اور پھر نفی بھی مخاطبین سے کی جا رہی ہے کہ تم حواس سے ادراک نہیں کر سکتے گو فی الواقع ممکن ہو، مگر اور مخلوق ادراک کر سکتے ہیں مثلاً فرشتے، جانور وغیرہ۔

اور نفی حواس سے ادراک کرنے کی ہے عقل سے نہیں جس کا یقینی طریقہ وحی الٰہی ہے اور ظنی طریقہ کشف ہے ان کی نفی نہیں اور تخمینی وتوہمی تو کالعدم ہے لہٰذا وحی متلو آیات نے اور وحی غیر متلو احادیث سے اور کشف سے ادراک ممکن ہو بلکہ واقع میں ہو رہا ہے اور غیر ثقلین (جن وانس کے علاوہ) کو حواس سے بھی ہوگا کہ دوسری مخلوقات کو جیسے کہ احادیث میں ہے حواس سے ادراک ہوتا ہے اور مرنے کے بعد ثقلین ثقل والے نہیں رہتے ان کو بھی ادراک ہوتا ہے یہ بھی حدیثوں میں ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ایسے ہی مجاہدات وریاضات والے نقل سے بالا ہوتے ہیں ان کو گاہ گاہ ادراک ممکن ہے جس کے بہت سے واقعات شاہد ہیں کشف سے بھی، آنکھ سے بھی۔

انبیاء وشہداء کو مردہ گمان کرنا بھی حرام ہے

۲...... آیت کریمہ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّہِمْ یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَا اٰتَاھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَ یَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِہِمْ مِّنْ خَلْفِہِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ (پ ۴ع۸)

حکم بواسطہ حضور ﷺ سب کو ہے یا ایسے ہی ہر مخاطب کو ہے کہ ان کو مستقل مردہ گمان بھی مت کرو کیونکہ اَمْوَاتًا فعل قلب کا مفعول ثانی ہے اور افعال قلوب جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں جس سے استمرار کے معنی پیدا ہو گئے، اس سے معلوم ہوا کہ کہنا تو کہنا ایسا گمان کرنا بھی حرام ہے اور "اَحْیَاءٌ" بھی "ھُمْ اَحْیَاءٌ" جملہ اسمیہ خبریہ استمراریہ ہے جو حیات مستمرہ ومستقلہ کو ثابت کرتا ہے۔

دونوں آیات سے جب موت مستمر کا قول اور موت دائم کا گمان کرنا حرام معلوم ہو گیا تو اس کی نقیض عدم قول وعدم گمان موت مستمر واجب قرار پائی اور جیسے اوپر کی آیت میں الف، ب، ج، د جاری ہیں یہاں بھی جاری ہوں گے اور حضرات انبیاء علیہم السلام خصوصاً حضور ﷺ افضل الانبیاء میں موت مستمر کا قول اور موت مستقل کا گمان حرام اور حیات مستمر کا قول وگمان واجب قرار پایا۔

"لَا تَحْسَبَنَّ" صیغہ نہی ہے اور نون تاکید ثقیلہ سے اس کی بہت تاکید کر کے موت مستمر کے گمان کرنے کے حرام ہونے کا حکم دیا ہے اور زبان سے کہنا تعبیر ہے ذہنی خیال کی جس کو اصطلاح میں یہ کہتے ہیں کہ قضیہ ملفوظہ حکایت ونقل ہے قضیہ معقولہ کی جیسے کہ وہ واقعہ کی نقل ہے، جب اصل ذہنی تخیل ہی حرام ہے تو زبان اور لفظوں سے نکالنا بھی یقیناً حرام ہے، دونوں خلاف واقع ہیں، کذب ہیں، حرام ہیں۔

قرآن وحدیث سے حیات جسمانی کا ثبوت

اَحْیَاءٌ کے بعد یہاں چند صفتیں بھی ہیں جن سے حیات کی نوعیت کی تشخیص ہو جاتی ہے، لہٰذا اب اس پر غور کرنا ہے کہ جس حیات کا عقلی تخیل اور لفظوں میں بیان واجب ہے وہ کونسی حیات ہے؟

سنئے! حیات کے حقیقی معنی زندگی مراد ہو سکتے ہیں یا مجازی معنی علم یا ایمان یا شہرت ونام مراد ہو، اور یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جب تک حقیقی معنی بن سکتے ہوں اور ان سے ہٹانے والی کوئی بات نہ ہو مجازی معنی مراد لینا غلط ہے اس لئے یہاں زندگی ہی کے معنی مراد ہوں گے، پھر اس زندگی کی دو ہی صورتیں ہیں آخرت میں ہونا مراد ہوگا یا قبر میں ہونا مراد ہوگا، پھر قبر میں ہونے والی زندگی کی بھی دو ہی صورتیں ہیں صرف روح کی زندگی یا جسم وروح کی زندگی، عقلاً صرف یہی چار صورتیں بن سکتی ہیں۔

کیونکہ پانچویں صورت کہ صرف جسم بلا روح کی زندگی ہو یہ ناممکن عادی ہے، اب اس حیات سے

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

آخرت کی حیات مراد لینا تو درست نہیں ہوگا کیونکہ "اَمْوَاتٌ" کہنے کی ممانعت کے بعد "اَحْیَاءٌ" فرمایا ہے یہ کہنے کی ممانعت دنیا ہی میں ہے اور حیات ہونا اسی کی دلیل ہے جو دنیا ہی میں ہوسکتی ضروری ہے۔

پھر بقول امام رازی رحمہ اللہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو رہی ہے شہیدوں کو دنیا ہی میں فرمایا جارہا ہے کہ یہ احیاء ہیں تو اسی وقت کی حیات مراد ہوگی۔

تیسرے یہ کہ یہاں ان کی عزت اور امتیاز کا بیان ہے آخرت کی ابدی حیات تو سب کو حاصل ہوگی کافروں کو بھی خلود فی النار کی حیات ہوگی تو امتیاز اسی میں ہے کہ ابھی ابھی دنیا میں وقبر میں حیات ہے۔

چوتھے ثواب عذاب سے افضل ہے جب عذاب کے لئے اسی وقت کی حیات ہوگی تو ثواب کے لئے بدرجہ اولی ہوگی، کفار کے لئے ہے اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا "ف" کی تعقیب بتاتی ہے کہ غرق ہوتے ہی نار میں داخل ہوگئے اور عذاب کے لئے حیات ضروری ہے، قیامت سے پہلے غرق ہوتے ہی نار میں داخل ہوئے، تو یہ عذاب قبر اور حیات قبر ہی ہے۔

پانچویں آیت "اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا" صبح وشام کے نار پر پیش کرنے کے لئے جب حیات ہے تو ثواب کے لئے بدرجہ اولی ہے، آگے کی آیت یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ سے معلوم ہوگیا کہ یہ قیامت سے پہلے ہے جو قبر ہی میں ہے، حیات کے ساتھ ہے، ورنہ جمادات کو کیا عذاب؟

چھٹے اگر قیامت کی زندگی مراد ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "لَا تَحْسَبَنَّ" نہ فرماتے جبکہ تمام مؤمنین کی حیات قیامت میں معلوم تھی۔

ساتویں "یَسْتَبْشِرُوْنَ" آیت میں ان لوگوں کے حال سے بشارت ہے جو ابھی تک ان سے نہیں ملے، یہ دنیا میں ہیں، ان کے حال سے بشارت حاصل کرنا بھی دنیا ہی میں قبل قیامت ہے، اور حدیثوں سے دلیل حاصل ہے (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۳۸) بلکہ امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

"وَالرِّوَایَاتُ فِیْ هٰذَا الْبَابِ کَاَنَّهَا بَلَغَتْ حَدَّ التَّوَاتُرِ فَکَیْفَ یُمْکِنُ اِنْکَارُهَا"

حیات سے صرف روح کی حیات مراد نہیں

صرف روح کی زندگی مراد نہیں ہوگی کیونکہ یہ اعزاز و امتیاز کا موقع ہے اور وہ تو کافروں کو بھی حاصل ہوگی تو پھر امتیاز کیا ہوا؟

دوسرے ایسا ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "لَا تَحْسَبَنَّ" نہ فرمایا جاتا، موت کا عدم گمان حیات کا گمان ہوتا ہے حالانکہ خلود مومن وکافر سے یقینی حیات ہونا معلوم تھا صرف گمان نہ تھا۔

تیسرے پہلی آیت میں "اَحْیَاءٌ" کے بعد "لَا تَشْعُرُوْنَ" ہے اگر صرف روحی حیات ہوتی تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ روحیں سب کی زندہ خلود جنت و دوزخ سے ہوں گی پھر عدم شعور کیسا؟ وہاں تو شعور ہی شعور ہوگا۔

چوتھے اس آیت کا لفظ "یَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ" دلیل ہے اس کی، کیونکہ حصول بشارت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جو خاصہ مجموعہ کا ہے زندہ لوگوں کے متعلق ہی کہا جا سکتا ہے کہ بشرہ جسم میں ہی تو ہے بشرہ کھال کو کہتے ہیں ہے استبشار اسی کا کھلولنا ہے، یعنی خوشی ہے۔

پانچویں یُرْزَقُوْنَ فرمایا ہے اور رزق کی ضرورت روح مع الجسم کو ہی ہوتی ہے۔

چھٹے جس قدر آیات واحادیث عذاب قبر کے بارہ میں ہیں اور قبر میں جسم ہی ہوتا ہے مع الروح جمہور کے نزدیک، اور بغیر روح کے عذاب وثواب کا فائدہ ہی نہیں، نہ نقصان ہے، نہ ثواب ہے، نہ عذاب ہے، یہ سب دلیل ہیں کہ یہ حیات مجموعہ روح وجسم کی ہوتی ہے اور یہ مسئلہ تواتر سے ثابت ہے، امام رازی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اَلْاَخْبَارُ فِیْ ثَوَابِ الْقَبْرِ وَعَذَابِہٖ کَالْمُتَوَاتِرَۃِ۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۵۳)

آگے کچھ آیات نفس مسئلہ کے متعلق آنے والی ہیں جن سے روح وجسم کے مجموعہ کی حیات بھی ثابت ہوتی ہے بلکہ انبیاء اور حضور ﷺ کی بلکہ مومن کی بھی خصوصیت نہیں کافر تک کو بھی ایک قسم کی حیات جسمی حاصل ہے۔

حیات قبری کا ثبوت

۳...... عینی شرح بخاری جدید ج ۸ ص ۱۴۵ پر ہے کہ:

آیت شریفہ رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ میں اللہ تعالیٰ نے دو موتوں کا ذکر فرمایا ہے اور وہ اس طرح متحقق ہو سکتی ہیں کہ قبر کے اندر زندگی ہو اور موت ہو، تاکہ ایک موت تو وہ ہو جو حیات دنیوی کے بعد حاصل ہوئی اور دوسری وہ ہو جو اس حیات قبری کے بعد ہوگی، جب تک حقیقی معنی موت وحیات کے ممکن ہوں مجاز کا کوئی قرینہ نہ ہو مجازی معنی لینا یقیناً درست نہیں، حقیقی دو موتیں اسی طرح ہو سکتی ہیں ایک دنیوی حیات کے بعد ایک قبر کی قبری حیات کے بعد، لہٰذا اس سے حیات قبری ثابت ہے۔[ل]

ل نمبر ۳ کی عبارت سے مقصود صرف حیات فی القبر کا اثبات ہے اور ان لوگوں کا رد ہے جو اس کے منکر ہیں اور یہ مقصود قرآن کریم کی آیت قَالُوْا رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ الْاٰیَۃَ" کی مذکورہ تفسیر اور شرح مواقف کی درج شدہ عبارت سے واضح طور پر ثابت ہے۔ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے بھی اس آیت مبارکہ اور شرح مواقف کی عبارت مذکورہ سے اسی پر استدلال فرمایا ہے جیسا کہ حضرت کی عبارت "لہٰذا اس سے حیات قبری ثابت ہے" سے معلوم ہوا ہے، اب رہا یہ کہ اس سے حیات فی القبر کا اثبات کیسے ہوا ہے؟ تو اس کی تقریر خود حضرت کی عبارت میں صراحۃً موجود ہے جو تقریباً شرح مواقف کی عربی عبارت کا حاصل ترجمہ ہی ہے۔ خلاصہ یہ کہ آیت قرآنی قَالُوْا رَبَّنَا الْاٰیَۃَ کی تفسیر اور جو تقریر شرح مواقف میں کی گئی ہے اس میں جو دو حیات اور دو موت کا ذکر ہے اس سے مراد وہ دو موت اور حیات ہیں جو حقیقی ہوں، اور برزخ قبر میں تالم وتلذذ کے لئے میت کو جو حیات حاصل ہوگی وہ من وجہ حیات ہے جو دوسرے دلائل سے ثابت ہے اس آیت میں اصالۃً اس سے تعرض نہیں کیا گیا لہٰذا اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے اور نہ ہی اس کا اثبات اس تقریر کے خلاف ہے کیونکہ اس آیت میں اس کی نفی نہیں ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا ذکر نہیں اور عدم ذکر عدم شے کو یقیناً مستلزم نہیں پھر جبکہ دلائل سے اس کا ثبوت ہو جائے تو اس کا انکار ہرگز صحیح نہیں، بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ بِقَدْرِ مَا بِہٖ التَّاَلُّمُ وَالتَّلَذُّذُ میت کو جو حیات قبر میں دی جاتی ہے وہ اس تقریر کے خلاف نہیں ہے، فَحِیْنَئِذٍ لَا تَعَارُضَ وَلَا اِشْکَالَ، وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْمَقَالِ! احقر سید عبدالقدوس ترمذی جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا ۴ ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

شرح مواقف ج ۸ ص ۳۱۸ پر ہے: وَمَا الْمُرَادُ بِالْإِمَاتَتَيْنِ وَالْإِحْيَائَيْنِ فِيْ هٰذِهِ الْآيَةِ اِلَّا الْإِمَاتَةُ قَبْلَ مَزَارِ الْقُبُوْرِ ثُمَّ الْإِحْيَاءُ فِي الْقَبْرِ ثُمَّ الْإِمَاتَةُ فِيْهِ اَيْضًا بَعْدَ مَسْئَلَةِ مُنْكَرٍ وَّنَكِيْرٍ ثُمَّ الْإِحْيَاءُ لِلْحَشْرِ هٰذَا هُوَ الشَّائِعُ الْمُسْتَفِيْضُ مِنْ اَصْحَابِ التَّفْسِيْرِ۔[1]

عذاب قبر حیات کی دلیل ہے

۴...... عینی میں اس سے اوپر بیان ہے آیت: وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْءُ الْعَذَابِ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا میں بتایا ہے کہ یہ آیت اس باب میں صریح ہے کہ کافروں کو مرنے کے بعد ہی عذاب ہوگا، عذاب قبر ہوگا، آگے اس پر دلیل دی ہے کہ اس کے بعد جو ہے يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ اس میں عذاب آخرت کا عطف اس پر ہونا اس کی دلیل ہے کہ وہ اس کے علاوہ ہے یعنی وہ عذاب جو قبل قیامت ہے عذاب قبر ہے، پھر دلیل کی تکمیل کی ہے کہ جب عذاب دینا ثابت ہے اور زندہ کرنا اور قبر کا سوال و جواب بھی ثابت ہے کیونکہ كُلُّ مَنْ قَالَ بِعَذَابِ الْقَبْرِ قَالَ بِهِمَا، جب ہر قائل عذاب قائل حیات ہے اور عکس نقیض موجبہ کلیہ کا موجبہ کلیہ لازم ہے۔ یعنی كُلُّ مَنْ لَّمْ يَقُلْ بِهِمَا لَمْ يَقُلْ بِعَذَابِ الْقَبْرِ تو منکر حیات منکر عذاب قبر ہوگا اور عذاب قبر تمام اہل سنت والجماعت کے نزدیک قطعی دلائل سے ثابت ہے آیات سے بھی اور احادیث متواترہ سے بھی، علامہ خود آگے عذاب قبر کی احادیث کے لئے کہتے ہیں: وَلَنَا اَيْضًا اَحَادِيْثُ صَحِيْحَةٌ وَاَخْبَارٌ مُتَوَاتِرَةٌ پھر احادیث دراحادیث درج ہیں۔

---

[1] ''شرح مواقف'' کی عبارت سے بظاہر حیات قبر کی نفی معلوم ہو رہی ہے، اسی اشکال کے جواب میں ایک تحریر سیدی حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے رقم فرمائی، اور ایک احقر نے یہ دونوں تحریریں برائے ملاحظہ پیش خدمت ہیں۔ (احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ)

شرح مواقف ج ۸ ص ۳۱۸ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ایک موت قبر میں جانے سے پہلے ہوتی ہے پھر قبر میں زندہ کیا جاتا ہے مگر یہ زندگی فی الجملہ بِقَدْرِ مَا يَتَاَلَّمُ وَيَتَلَذَّذُ ہوتی ہے، حیات مطلقہ اور کامل حیات نہیں ہوتی، مگر سوال نکیرین کے وقت زیادہ قوی ہوتی ہے اس کے بعد کمزور اور ضعیف کر دی جاتی ہے جس سے تعذیب و تنعیم متصور ہو سکے اس تضعیف حیات کو ہی اماتت سے تعبیر کر دیا گیا ہے مگر یہ اماتت من کل الوجوہ نہیں ہوتی فی الجملہ ہی ہوتی ہے تعذیب و تنعیم کا احساس باقی رہتا ہے، اس قدر حیات باقی رہتی ہے جس سے یہ احساس ہو سکے، اس کے بعد حشر میں حیات مطلقہ دی جاتی ہے۔ شرح مواقف کی عبارت میں ''ثُمَّ الْاِحْيَاءُ فِي الْقَبْرِ ثُمَّ الْإِمَاتَةُ فِيْهِ اَيْضًا بَعْدَ مَسْئَلَةِ مُنْكَرٍ وَّنَكِيْرٍ'' حیات و موت فی الجملہ مراد ہے کامل حیات و موت مراد نہیں ہے، البتہ سوال نکیرین کے وقت کچھ زیادہ حیات دی جاتی ہے جس کے بعد کم کر دی جاتی ہے اس کو اماتت و احیاء سے تعبیر کر دیا گیا ہے اور بعض احادیث میں اس موت بعد السوال کو نوم سے تعبیر فرمایا گیا ہے جیسا کہ نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ وارد ہوا ہے۔ اب امید ہے کہ تنعیم و تعذیب فی القبر پر اشکال وارد نہ ہوگا کہ سوال نکیرین کے بعد جب موت واقع کر دی گئی تو تنعیم و تعذیب کے وارد ہونے کی کیا صورت ہوگی کیونکہ حیات کے بغیر تو تنعیم و تعذیب غیر متصور ہے، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ!

حاصل یہ ہے کہ موت و حیات کلی مشکک ہے اس کا حسب موقع اطلاق کہیں ضعیف اور کہیں قوی ہوتا ہے سب جگہ یکساں نہیں ہوتا، کلی متواطی نہیں ہے، فقط! هٰذَا مَا عِنْدِيْ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ الْعَلِيْمِ الْخَبِيْرِ!

عبدہ المذنب السید عبدالشکور الترمذی عفی عنہ

الجامعۃ الحقانیۃ ساہیوال سرگودھا۔ ۴/ ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

صَحِیْحَۃٌ، وَمُتَوَاتِرَۃٌ کہنے کے بعد کسی حدیث کے کسی راوی کو کسی نے ضعیف کہہ بھی دیا ہو تو تواتر پر تو اس کا اثر ہو ہی نہیں سکتا، علامہ کے صحیح کہنے کے بعد وہ قابل اعتناء ہی نہیں ہوگا لہٰذا کسی کی بھی حیات کا انکار متواتر سے ثابت شدہ عذاب کا انکار ہوگا جس سے اس کے اسلام کو بھی خطرہ ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ عذاب قبر ایسی چیز کو ہی ہوسکتا ہے جو قبر میں ہے اس لئے روح قبر میں ہونی ضروری ہے یہی تو حیات ہے ورنہ جسم خالی تو جمادات میں سے ہے عناصر اربعہ جامدہ کا مجموعہ ہے اس کو عذاب کے کیا معنی؟ عذاب تو تفعیل کا اسم مصدر بخاصیت سلب ہے "عَذُوبَۃٌ" یعنی شیرینی حیات کو سلب کرنا، عذوبہ حیات حیات کو ہی تو حاصل ہوگی اسی کا تو سلب عذاب ہے، یہ جمادات میں کیسے ممکن ہے؟ شرح مواقف ج ۸ ص ۳۱۸ پر ہے: وَاَمَّا مَا ذَھَبَ اِلَیْہِ الصَّالِحِیْ مِنَ الْمُعْتَزِلَۃِ وَابْنُ جَرِیْرِ الطَّبَرِیُّ وَطَائِفَۃٌ مِّنَ الْکَرَامِیَّۃِ مِنْ تَجْوِیْزِ ذٰلِکَ التَّعْذِیْبِ عَلَی الْمَوْتٰی مِنْ غَیْرِ اِحْیَاءٍ فَخُرُوْجٌ، مِّنَ الْمَعْقُوْلِ لِاَنَّ الْجَمَادَ لَاحِسَّ لَہٗ فَکَیْفَ یُتَصَوَّرُ تَعْذِیْبُہٗ

تواتر سے حیات قبر کا ثبوت

۵...... سورۂ براءت میں کفار و منافقین کے ذکر میں ہی سَنُعَذِّبُھُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰی عَذَابٍ عَظِیْمٍ عذاب قیامت سے پہلے دو عذاب ہیں ایک عذاب دنیا کا ایک عذاب قبر کا ہے۔ عینی شرح بخاری ج ۸ جدید ص ۱۹۹ پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فَھٰذَا الْعَذَابُ الْاَوَّلُ حِیْنَ اَخْرَجَھُمْ مِّنَ الْجَسَدِ وَالْعَذَابُ الثَّانِیْ عَذَابُ الْقَبْرِ اور فتح الباری ج ۳ ص ۱۸۰ پر اس روایت کے بعد حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہی مَرَّتَیْنِ عذاب دنیا و عذاب قبر ہے، اور چونکہ قبر میں جسم موجود ہے اس لئے عذاب قبر جسم کو ہوگا اور جسم میں روح نہ ہو تو عذاب عذاب ہی نہیں رہتا جیسے بالوں اور ناخنوں کو کاٹنا باعث تکلیف نہیں ہے، ایسے ہی بے حیات کی کانٹ چھانٹ بھی عذاب نہیں ہے اس لئے عذاب قبر کی کل آیات و احادیث متواترہ سے ہر انسان میں خواہ وہ کافر ہی ہو حیات قبر ثابت ہو رہی ہے گو نوعیت اس حیات کی کچھ مختلف ہی ہو مگر جب تواتر سے عذاب قبر ثابت ہے تو تواتر سے ہی حیات قبر بھی ثابت ہے، اسی لئے فتح ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں وَاسْتُدِلَّ بِھَا عَلٰی اَنَّ الْاَرْوَاحَ بَاقِیَۃٌ بَعْدَ فِرَاقِ الْاَجْسَادِ وَھُوَ قَوْلُ اَھْلِ السُّنَّۃِ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۸۰)

بلا حیات عذاب قبر متصور نہیں

۶...... سورۂ انعام میں ہے وَلَوْ تَرٰی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْھِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَکُمْ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْھُوْنِ۔ اَلْیَوْمِ کا عذاب قبل قیامت کا عذاب ہے، عذاب قبر ہے جو بلا حیات نہیں ہوتا، بعض معتزلہ نے بلا حیات عذاب قبر تسلیم کیا ہے اس کے جواب میں علامہ عینی ج ۸ ص ۱۴۸ پر کہتے ہیں: وَھٰذَا خُرُوْجٌ، عَنِ الْمَعْقُوْلِ لِاَنَّ الْجَمَادَ لَاحِسَّ لَہٗ فَکَیْفَ یُتَصَوَّرُ تَعْذِیْبُہٗ یہ اوپر شرح مواقف سے بھی نقل ہے۔

تشریح آیت اور حیات فی القبر کا ثبوت

۷...... یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بخاری شریف کی حدیث میں ہے: عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أُقْعِدَ الْمُؤْمِنُ فِي قَبْرِهِ أُتِيَ ثُمَّ شَهِدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ فَذٰلِكَ قَوْلُهُ يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ اور اس کے بعد ہے حَدَّثَنَا شُعْبَةُ بِهٰذَا وَزَادَ يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا نَزَلَتْ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے مسلم سے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے، اور اس سے اوپر ذکر ہے کہ: ابن مردویہ وغیرہ کی حدیث میں لفظ یہ ہیں: إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ عَذَابَ الْقَبْرِ فَقَالَ إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا شَهِدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ إِلٰى اٰخِرِ الْحَدِيْثِ (ج ۸ ص ۲۰۰) ان سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں قبر کا ہی معاملہ ہے اور مسلمانوں کو ثابت وقائم رکھنا قبر میں ہے جو دلیل ہے حیات فی القبر کی۔

یہ حدیثیں اس لئے پیش کی ہیں کہ آیت میں تاویل نہ کی جا سکے، اور تیسری روایت سے معلوم ہوا کہ یہ عذاب قبر کے متعلق ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

موت کے بعد روح کا جسم سے تعلق

۸...... اَللهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى۔ يَتَوَفّٰى قبض کرتا ہے، اس کے بذریعہ عطف دو مفعول ہیں ایک نفس (روح) حِيْنَ مَوْتِهَا دوسرے نفس (روح) نوم کے اندر، یہ فعل دونوں پر وارد ہے، ایک ہی فعل کے دونوں معمول ہیں لہٰذا جو بات یہاں ہے وہ وہاں ہے، جو وہاں ہے وہ یہاں ہے اور سب دیکھتے ہیں کہ سونے میں باوجود قبض روح کے روح کو جسم سے اتنا تعلق رہتا ہے کہ پاؤں پر ضرب تک کو محسوس کرتا ہے اس لئے بعد موت بھی گو روح جسم سے باہر ہی ہو جیسے کہ سوتے میں تھی جسم سے اس قدر تعلق رہنا ضروری ہے جس سے ادراک ہو سکے جیسے سونے میں ادراک ہوتا ہے گو کامل تعلق نہ ہو جیسے سونے میں نہیں ہوتا إِلَّا مَا شَاءَ اللهُ!

اور پھر آیت وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِاللَّيْلِ سے بھی قبض روح معلوم ہوتا ہے ملا علی قاری رحمہ اللہ نے کمالین علی الجلالین میں لکھا ہے: عَنْ عَلِيٍّ قَالَ يَخْرُجُ الرُّوْحُ عِنْدَ النَّوْمِ وَيَبْقٰى شُعَاعُهُ فِي الْجَسَدِ فَإِذَا انْتَبَهَ مِنَ النَّوْمِ عَادَ الرُّوْحُ إِلٰى جَسَدِهِ بِأَسْرَعَ مِنْ لَحْظَةٍ، اور حاکم وطبرانی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث بھی روح ہی کے لئے ہے کہ ''روح عرش تک جاتی ہے جو عرش کے قریب جاتی ہے اس کا خواب سچا ہوتا ہے جو عرش سے پیچھے ہو اس کا خواب جھوٹا ہوتا ہے'' اور نفس سے روح ہی مراد ہے، تفسیر روح المعانی ص ۸ ج ۲۴ میں احادیث سے اس کو ثابت کیا ہے کہ بخاری ومسلم کی حدیث میں سونے کے وقت کی دعا میں ہے: إِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَارْحَمْهَا اور بخاری وصحاح کی حدیث میں فجر کی قضاء ہونے کی حدیث میں ہے: إِنَّ اللهَ تَعَالٰى قَبَضَ أَرْوَاحَكُمْ حِيْنَ شَاءَ، اس سے معلوم ہوا نفس، روح ایک ہی ہے یہی مقبوض ہو کر بھی تعلق رکھتی ہے لہٰذا ضرور ہے کہ موت کے بعد بھی روح کی شعاعیں جسم سے متصل رہ کر ایک طرح کی حیات ہو، ہر انسان مسلم وکافر تک کو حاصل ہو گو اعمال صالحہ سے اس کی قوت وضعف کا فرق رہے، سب سے اقویٰ انبیاء علیہم السلام کی، پھر صدیقین، پھر شہداء، پھر صالحین، پھر عامۃ المسلمین اور پھر کفار کی ہو،

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جو سبب ہوگا تنعیمات و تکلیفات کا جن کی تفصیلات احادیث شریفہ میں اور اشارات آیات میں ہیں، اور جیسے نیند نیند میں فرق ہوتا ہے کہ کوئی ہوشیار، دل سے بیدار، آنکھیں بند، اور کوئی ہوشیار مثل بیدار کے، کوئی کم، کوئی غافل مثل مردہ کے، اسی طرح موت میں روح کے جسم سے تعلق میں درجات ہوں گے ایک مثل حیات کے کو کھانے پینے، پیشاب پاخانہ، سردی گرمی اور احتیاجات سے پاک ہو، یہ تعلق اعلیٰ قسم کا ہے جس کے احکام اعلیٰ ہیں کہ جسم مٹی پر حرام، عورت بیوہ نہیں، مال ترکہ نہیں یہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں ہے، دوسرا اس سے کم اس کے احکام بھی کم کہ غسل و کفن نہیں باقی سب ہیں یہ شہید میں ہے جو حقیقی ہو، پھر اس سے کم جو شہید حکمی میں ہے، پھر صالح مومن کے لئے پھر سب سے کم کافر کے لئے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جتنا تعلق روح کا جسم سے قوی ہوگا تکلیف نہ ہوگی یا کمتر ہوگی، جتنا ضعیف ہوگا تکلیف زائد ہوگی جیسے کہ قوی کو مرض و ضرب سے کم ہے اور ضعیف و مریض، بچے کو زیادہ ہوتی ہے اور سوئے ہوئے عضو کو بہت دوسرے کو کم ہوتی ہے، عذاب قبر کافر کو سخت اور عاصی کو کم، شہداء اور انبیاء کو صفر ہوگا۔

احادیث صحیحہ متواترہ سے حیات حضور ﷺ کی ثابت ہے، عربی میں امام بیہقی رحمہ اللہ اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ وغیرہ کے اس پر رسائل ہیں اور اردو میں زمانہ حال کے مولانا صفدر صاحب اور مولانا خالد محمود صاحب کے رسالے موجود ہیں۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ کتاب الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۴۷ پر لکھتے ہیں: حَیَاۃُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ قَبْرِہٖ وَ ھُوَ لِسَائِرِ الْاَنْبِیَاءِ مَعْلُوْمَۃٌ عِنْدَنَا عِلْمًا قَطْعِیًّا لِمَا قَامَ عِنْدَنَا مِنَ الْاَدِلَّۃِ فِیْ ذٰلِکَ وَ تَوَاتَرَتْ بِہِ الْاَخْبَارُ، اور اس کے بعد بہت سی احادیث نقل کر کے علامہ قرطبی کا قول لکھا ہے: اِلٰی غَیْرِ ذٰلِکَ مِمَّا یَحْصُلُ مِنْ جُمْلَتِہِ الْقَطْعُ بِاَنَّ مَوْتَ الْاَنْبِیَاءِ اِنَّمَا ھُوَ رَاجِعٌ اِلٰی اَنْ غُیِّبُوْا عَنَّا بِحَیْثُ لَا نُدْرِکُھُمْ وَاِنْ کَانُوْا مَوْجُوْدِیْنَ اَحْیَاءً وَذٰلِکَ کَالْحَالِ فِی الْمَلَائِکَۃِ فَاِنَّھُمْ مَوْجُوْدُوْنَ اَحْیَاءٌ وَلَا یَرَاھُمْ اَحَدٌ مِنْ نَوْعِنَا اِلَّا مَنْ خَصَّہُ اللّٰہُ بِکَرَامَتِہٖ مِنْ اَوْلِیَائِہٖ۔

شرح مواقف مصری ج ۸ ص ۳۱۷: وَالْاَحَادِیْثُ الصَّحِیْحَۃُ الدَّالَّۃُ عَلَیْہِ اَیْ عَذَابِ الْقَبْرِ اَکْثَرُ مِنْ اَنْ تُحْصٰی بِحَیْثُ تَوَاتَرَ الْقَدْرُ الْمُشْتَرَکُ وَاِنْ کَانَ کُلٌّ وَاحِدٍ مِّنْھَا مِنْ قَبِیْلِ الْاٰحَادِ۔ اور اس کے بعد احادیث درج ہیں اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی کتاب ''شرح الصدور فی شرح احوال الموتیٰ والقبور'' میں ص ۶۳ سے ص ۷۲ تک پچاس احادیث درج ہیں اور پھر کچھ لوگوں کے واقعات بھی درج ہیں۔

حضور ﷺ اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی بلکہ تمام انسانوں کی حیات احادیث متواترہ سے ثابت شدہ نقل کرنے کے بعد ہم جیسوں کو احادیث نقل کرنے کی ضرورت ہی نہیں اور نہ کسی راوی کے ضعف و قوت پر نظر کرنے کی گنجائش رہی کہ تواتر اس سے بلند و بالا حجت ہے، اس لئے متواتر احادیث کے حوالے نقل کئے گئے ہیں نقل احادیث کی ضرورت نہیں۔

حیات قبر پر اہل حق کا اجماع ہے

۹...... اجماع اہل حق اسی پر ہے۔

الف: الحاوی للسیوطی رحمہ اللہ ج ۲ ص ۱۴۹ پر شیخ الشافعیہ الاستاذ ابو المنصور عبدالقاہر کا قول لکھا ہے: قَالَ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

الْمُتَكَلِّمُوْنَ الْمُحَقِّقُوْنَ مِنْ اَصْحَابِنَا اَنَّ نَبِيَّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ بَعْدَ وَفَاتِهٖ وَاَنَّهٗ يُسَرُّ بِطَاعَاتِ اُمَّتِهٖ وَيَحْزَنُ بِمَعَاصِي الْعُصَاةِ مِنْهُمْ وَاَنَّهٗ تَبْلُغُهٗ صَلَاةُ مَنْ يُصَلِّيْ عَلَيْهِ مِنْ اُمَّتِهٖ

ب: فقہ اکبر مصنفہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول وَاِعَادَةُ الرُّوْحِ اِلَى الْعَبْدِ فِيْ قَبْرِهٖ حَقٌّ، وَضَغْطَةُ الْقَبْرِ حَقٌّ، وَعَذَابُهٗ حَقٌّ، كَائِنٌ لِلْكُفَّارِ كُلِّهِمْ اَجْمَعِيْنَ وَبَعْضِ الْمُسْلِمِيْنَ کی شرح میں ص ۸۰ پر ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وَاعْلَمْ اَنَّ اَهْلَ الْحَقِّ اتَّفَقُوْا عَلٰى اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَخْلُقُ فِي الْمَيِّتِ نَوْعَ حَيٰوةٍ فِي الْقَبْرِ قَدْرَ مَا يَتَاَلَّمُ وَيَتَلَذَّذُ وَلٰكِنْ اخْتَلَفُوْا فِيْ اَنَّهٗ هَلْ يُعَادُ الرُّوْحُ اِذْ جَوَابُ الْمَلَكَيْنِ فِعْلٌ اِخْتِيَارِيٌّ، فَلَا يُتَصَوَّرُ بِدُوْنِ الرُّوْحِ وَقِيْلَ يُتَصَوَّرُ اَلَا تَرٰى اَنَّ النَّائِمَ يَخْرُجُ رُوْحُهٗ وَيَكُوْنُ رُوْحُهٗ مُتَّصِلًا بِجَسَدِهٖ حَتّٰى يَتَاَلَّمَ فِي الْمَنَامِ وَيَتَنَعَّمَ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اَنَّهٗ سُئِلَ كَيْفَ يُوْجَعُ اللَّحْمُ فِي الْقَبْرِ وَلَمْ يَكُنْ فِيْهِ الرُّوْحُ فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَمَا يُوْجَعُ بِسِنِّكَ وَلَيْسَ فِيْهِ الرُّوْحُ۔

حدیث سے معلوم ہوا جیسے روح دانت سے باہر رہ کر بھی اتصال رکھتی ہے اور سخت تکلیف کا سبب بنتی ہے ایسے ہی روح علیین و سجین میں رہتے ہوئے بھی جسم سے اتصال رکھتی ہے اور سخت عذابات کا سبب بنتی ہے، یہی تو حیات قبری ہے۔ اور اسی صفحہ کے آخر میں فرمایا ہے انعام و ایلام قبر کے باب میں ہے: وَاخْتُلِفَ فِيْ اَنَّهٗ بِالرُّوْحِ اَوْ بِالْبَدَنِ اَوْ بِهِمَا وَهُوَ الْاَصَحُّ مِنْهُمَا اِلَّا اَنَّا نُؤْمِنُ بِصِحَّتِهٖ وَلَا نَشْتَغِلُ بِكَيْفِيَّتِهٖ

ج: فتح الباری شرح بخاری ج ۳ ص ۱۸: بَابُ مَا جَاءَ فِيْ عَذَابِ الْقَبْرِ جبکہ عذاب قبر کا ثبوت دلیل ہے روح کے قبر میں ہونے کی کہ جماد عذاب کا اہل نہیں ہے: وَاكْتَفٰى بِاِثْبَاتِ وُجُوْدِهٖ خِلَافًا لِمَنْ نَفَاهُ مُطْلَقًا مِنَ الْخَوَارِجِ وَبَعْضِ الْمُعْتَزِلَةِ كَضِرَارِ بْنِ عَمْرٍو وَبِشْرِ الْمَرِيْسِيِّ وَمَنْ وَافَقَهُمَا وَخَالَفَهُمْ فِيْ ذٰلِكَ اَكْثَرُ الْمُعْتَزِلَةِ وَجَمِيْعُ اَهْلِ السُّنَّةِ وَغَيْرُهُمْ وَاَكْثَرُوْا مِنَ الْاِحْتِجَاجِ لَهٗ

اہل سنت والجماعت اور اکثر امت کا عذاب قبر پر اتفاق حیات پر اتفاق ہوا جن میں اکثر معتزلہ بھی آ گئے تو وہ بھی حیات قبر کے قائل ہیں۔

ایضاً: قَوْلُهٗ (اَلْبُخَارِيُّ) وَقَوْلُهٗ تَعَالٰى وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْءُ الْعَذَابِ الاٰية کے تحت وَاسْتُدِلَّ بِهَا عَلٰى اَنَّ الْاَرْوَاحَ بَاقِيَةٌ بَعْدَ فِرَاقِ الْاَجْسَادِ وَهُوَ قَوْلُ اَهْلِ السُّنَّةِ

ایضاً: حدیث عائشہؓ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى کے تحت ہے: وَقَدْ اَخَذَ ابْنُ جَرِيْرٍ وَّجَمَاعَةٌ مِّنَ الْكَرَامِيَّةِ مِنْ هٰذِهِ الْقِصَّةِ اَنَّ السُّوَالَ فِي الْقَبْرِ يَقَعُ عَلَى الْبَدَنِ فَقَطْ اِنَّ اللّٰهَ يَخْلُقُ فِيْهِ اِدْرَاكًا بِحَيْثُ يَسْمَعُ وَيَعْلَمُ وَيَلَذُّ وَيَاْلَمُ وَذَهَبَ ابْنُ حَزْمٍ وَّابْنُ هُبَيْرَةَ اَنَّ السُّوَالَ يَقَعُ عَلَى الرُّوْحِ فَقَطْ مِنْ غَيْرِ عَوْدٍ اِلَى الْجَسَدِ وَخَالَفَهُمُ الْجُمْهُوْرُ فَقَالُوْا تُعَادُ الرُّوْحُ اِلَى الْجَسَدِ اَوْ بَعْضِهٖ كَمَا ثَبَتَ فِي الْحَدِيْثِ

آگے ان کے شبہات کے جوابات ہیں اور بخاری شریف کی متعدد حدیثوں سے عذاب والوں کا چلانا اور انس وجن کے علاوہ سب کا سننا وارد ہے جس سے عذاب قبر کا جسد و روح کے مجموعہ پر ہونا اور حیات ہونا ثابت ہے۔

د: عمدۃ القاری للعینی شرح بخاری جدید ج ۸ ص ۱۴۵ پر جوتوں کی آواز سننے پر چیخوں کی آواز کے بعد ہے: فِيْهِ اِثْبَاتُ عَذَابِ الْقَبْرِ وَهُوَ مَذْهَبُ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَاَنْكَرَ ذٰلِكَ ضِرَارُ بْنُ عَمْرٍو وَّبِشْرُ الْمَرِيْسِيُّ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

وَاَكْثَرُ الْمُتَاَخِّرِيْنَ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ

ہ: شرح الصدور فی شرح حال الموتی والقبور للسیوطی رحمۃ اللہ علیہ ص ۴۲: وَمَحَلُّهُ الرُّوْحُ وَالْبَدَنُ جَمِيْعًا بِاِتِّفَاقِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَكَذَا الْقَوْلُ فِي النَّعِيْمِ۔

و: شرح مواقف مصری ج ۸ ص ۳۱۷: اَلْمَقْصَدُ الْحَادِيْ عَشَرَ اِحْيَاءُ الْمَوْتٰى فِيْ قُبُوْرِهِمْ وَمَسْئَلَةُ مُنْكَرٍ وَّنَكِيْرٍ لَهُمْ وَعَذَابُ الْقَبْرِ لِلْكَافِرِ وَالْفَاسِقِ كُلُّهَا حَقٌّ عِنْدَنَا وَاتَّفَقَ عَلَيْهِ سَلَفُ الْاُمَّةِ قَبْلَ ظُهُوْرِ الْخِلَافِ وَاتَّفَقَ عَلَيْهِ الْاَكْثَرُوْنَ بَعْدَهُ اَيْ بَعْدَ الْخِلَافِ وَظُهُوْرِهٖ وَاَنْكَرَهُ مُطْلَقًا ضَرَارُ بْنُ عَمْرٍو وَّبِشْرُ الْمَرِيْسِيُّ وَاَكْثَرُ الْمُتَاَخِّرِيْنَ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ

ز: حاشیہ چلپی اسی صفحہ پر ہے: اِتَّفَقَ اَهْلُ الْحَقِّ عَلٰى اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُعِيْدُ اِلَى الْمَيِّتِ فِي الْقَبْرِ نَوْعَ حَيٰوةٍ قَدْرَ مَا يَتَاَلَّمُ وَيَتَلَذَّذُ۔

ح: فقہ اکبر ص ۱۹: وَفِي الْمَسْئَلَةِ خِلَافُ الْمُعْتَزِلَةِ وَبَعْضِ الرَّفَضَةِ۔

ط: شامی جلد ا ص ۵۷۳ قبیل العیدین: قَالَ اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ، اِلٰى اَنْ قَالَ فَيُعَذَّبُ اللَّحْمُ مُتَّصِلًا بِالرُّوْحِ وَالرُّوْحُ مُتَّصِلًا بِالْجِسْمِ فَيَتَاَلَّمُ الرُّوْحُ وَالْجَسَدُ وَاِنْ كَانَ خَارِجًا عَنْهُ۔

ی: احسن الفتاویٰ ص ۱۷۳: حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ شرح اللمعات میں فرماتے ہیں ''حیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را دروے خلافے نیست حیات انبیاء حقیقی نہ حیات معنوی روحانی'' اور حیات القلوب میں فرماتے ہیں ''بدانکہ در حیات انبیاء علیہم السلام ثبوت ایں صفت مرایشاں را وترتب وآثار واحکام آں ہیچ کس را از علماء خلاف نیست۔

مراقی الفلاح شرح نور الایضاح (طحطاوی ص ۴۴۷) میں ہے: وَمِمَّا هُوَ مُقَرَّرٌ عِنْدَ الْمُحَقِّقِيْنَ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ، يُرْزَقُ مُمَتَّعٌ، بِجَمِيْعِ الْمَلَاذِّ وَالْعِبَادَاتِ غَيْرَ اَنَّهٗ حُجِبَ عَنْ اَبْصَارِ الْقَاصِرِيْنَ۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ طبع جدید ج ۳ ص ۳۳۸: قَالَ ابْنُ حَجَرٍ وَمَا اَفَادَهٗ مِنْ ثُبُوْتِ حَيَاةِ الْاَنْبِيَاءِ حَيٰوةً، بِهَا يَتَعَبَّدُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ فِيْ قُبُوْرِهِمْ مَعَ اسْتِغْنَائِهِمْ عَنِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ كَالْمَلَائِكَةِ اَمْرٌ، لَا مِرْيَةَ فِيْهِ

لہٰذا انکار حیات قبری کسی بھی فرد بشر کے لئے معتزلہ اور روافض وخوارج کا قول ہے اہل حق کا قول نہیں ہے، چہ جائیکہ انبیاء علیہم السلام اور سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات، اس کا انکار کتنا خطرناک ہے، غور کیا جائے۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس سے استدلال

۱۰...... چونکہ حدیث شریف میں ہے وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ اگر حیات نہ ہوگی صلوٰۃ نہ ہو سکے گی قرۃ العین سے محرومی ہوگی یہ ایک عذاب بن جائے گا کہ عذاب از الہٗ عذوبہ حیات ہی ہوتا ہے (العیاذ باللہ) اس لئے قیاس بھی حیات قبر کی دلیل ہے۔

حیات قبر سے متعلق مختلف اقوال میں تطبیق

۱۱...... غلط فہمی یا شبہ اس لئے ہی پیش آسکتا ہے کہ بعض احادیث وتفاسیر میں بعض سے تعارض معلوم ہوتا ہے اس لئے جمع کی صورتیں بھی پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

الف: مشکوٰۃ شریف کی حدیث اُكْتُبُوا كِتَابَهٗ فِیْ عِلِّیِّیْنَ وَاَعِيْدُوْهُ اِلَى الْاَرْضِ کے تحت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات جدید ج ۴ ص ۲۵ میں لکھا ہے:

قَالَ الْعَسْقَلَانِیُّ فِیْ فَتَاوِيْهِ: اَرْوَاحُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِیْ عِلِّيِّيْنَ وَاَرْوَاحُ الْكُفَّارِ فِیْ سِجِّيْنٍ وَلِكُلِّ رُوْحٍ بِجَسَدِهَا اِتِّصَالٌ مَعْنَوِیٌّ، لَا يُشْبِهُ الْاِتِّصَالَ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا بَلْ اَشْبَهُ شَيْءٍ بِهٖ حَالُ النَّائِمِ وَاِنْ كَانَ هُوَ اَشَدُّ مِنْ حَالِ النَّائِمِ اِتِّصَالًا وَبِهٰذَا يُجْمَعُ بَيْنَ مَاوَرَدَ اَنَّ مَقَرَّهَا فِیْ عِلِّيِّيْنَ اَوْسِجِّيْنٍ وَ بَيْنَ مَانَقَلَهُ ابْنُ عَبْدِالْبَرِّ عَنِ الْجُمْهُوْرِ اَنَّهَا عِنْدَ اَفْنِيَةِ قُبُوْرِهَا قَالَ وَ مَعَ ذٰلِكَ فَهِیَ مَاْذُوْنٌ لَهَا فِی التَّصَرُّفِ وَ تَأْوِیْ اِلٰى مَحَلِّهَا مِنْ عِلِّيِّيْنَ اَوْ سِجِّيْنٍ قَالَ وَاِذَا نُقِلَ الْمَيِّتُ مِنْ قَبْرٍ اِلٰى قَبْرٍ فَالْاِتِّصَالُ الْمَذْكُوْرُ مُسْتَمِرٌّ، وَكَذَا لَوْ تَفَرَّقَتِ الْاَجْزَاءُ.

ب: امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ میزان ج ۱ ص ۱۷۷ پر ایک اختلاف نقل کر کے جواب دے رہے ہیں: وَاَجَابَ الْاَوَّلُ بِاَنَّ الرُّوْحَ مَاخَرَجَتْ مِنْهُ حَقِيْقَةً لٰكِنْ ضَعُفَتْ تَدْبِيْرُهَا لِتَعَلُّقِهَا بِعَالَمِهَا الْعُلْوِیِّ فَقَطْ بِدَلِيْلِ سُوَالِ مُنْكَرٍ وَّ نَكِيْرٍ وَ عَذَابِهَا فِی الْقَبْرِ وَنَعِيْمِهَا وَاِحْسَاسِ الْمَيِّتِ بِذٰلِكَ وَهُنَا اَسْرَارٌ يَّعْرِفُهَا اَهْلُ اللّٰهِ لَا تُسْطَرُ فِیْ كِتَابٍ فَاِنَّ الْكِتَابَ يَقَعُ فِیْ يَدِ اَهْلِهٖ وَغَيْرِ اَهْلِهٖ

یعنی علیین و سجین میں ہونے کے باوجود جسم سے تعلق غیر احتیاجی رہتا ہے مگر دنیوی تعلق سے کچھ ضعیف ہے کہ عالم علوی کی مشغولی میں ہے اور نوم سے قوی ہے، روح حقیقت میں خارج نہیں ہوتی۔

توجہ دوسری طرف ہو جاتی ہے جہاں "رد" کا لفظ ہے وہاں رد توجہ ہی ہے۔

ج: فتح الباری شرح بخاری ج ۳ ص ۱۸۲: وَالْحَامِلُ لِلْقَائِلِيْنَ بِاَنَّ السُّوَالَ يَقَعُ عَلَى الرُّوْحِ فَقَطْ اِنَّ الْمَيِّتَ قَدْ يُشَاهَدُ فِیْ قَبْرِهٖ حَالَ الْمَسْئَلَةِ لَا اَثَرَ فِيْهِ مِنْ اِقْعَادٍ وَّغَيْرِهٖ وَلَا ضِيْقَ قَبْرِهٖ وَلَا سَعَةَ وَكَذٰلِكَ غَيْرُ الْمَقْبُوْرِ كَالْمَصْلُوْبِ وَجَوَابُهُمْ اَنَّ ذٰلِكَ غَيْرُ مُمْتَنِعٍ فِی الْقُدْرَةِ بَلْ لَهٗ نَظِيْرٌ فِی الْعَادَةِ وَهُوَ النَّائِمُ فَاِنَّهٗ يَجِدُ لَذَّةً وَّاٰلَامًا لَا يُدْرِكُهٗ جَلِيْسُهٗ بَلِ الْيَقْظَانُ قَدْ يُدْرِكُ اَلَمًا وَّلَذَّةً لِمَا يَسْمَعُهٗ اَوْ يُفَكِّرُ فِيْهِ وَلَا يُدْرِكُ ذٰلِكَ جَلِيْسُهٗ وَاِنَّمَا اَتَى الْغَلَطُ مِنْ قِيَاسِ الْغَائِبِ عَلَى الشَّاهِدِ وَاَحْوَالِ مَابَعْدَ الْمَوْتِ عَلٰى مَا قَبْلَهٗ وَالظَّاهِرُ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى صَرَفَ اَبْصَارَ الْعِبَادِ وَ اَسْمَاعَهُمْ عَنْ مُشَاهَدَةِ ذٰلِكَ وَسَتَرَهٗ عَنْهُمْ اِبْقَاءً عَلَيْهِمْ لِئَلَّا يَتَدَافَنُوْا وَلَيْسَتْ لِلْجَوَارِحِ الدُّنْيَوِيَّةِ قُدْرَةٌ عَلٰى اِدْرَاكِ اُمُوْرِ الْمَلَكُوْتِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ وَ قَدْ ثَبَتَتِ الْاَحَادِيْثُ بِمَا ذَهَبَ اِلَيْهِ الْجُمْهُوْرُ كَقَوْلِهٖ اِنَّهٗ لَيَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ وَقَوْلِهٖ تَخْتَلِفُ اَضْلَاعُهٗ لِضَمَّةِ الْقَبْرِ وَقَوْلِهٖ يَسْمَعُ صَوْتَهٗ اِذَا ضَرَبَهٗ بِالْمِطْرَاقِ وَ قَوْلِهٖ "يُضْرَبُ بَيْنَ اُذُنَيْهِ" وَقَوْلِهٖ "فَيُقْعِدَانِهٖ" وَكُلُّ ذٰلِكَ مِنْ صِفَاتِ الْاَجْسَادِ۔

د: عذاب قبر اور انواع عذابات کے بعد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے جو تلقین فرمائی ہے وہ غور اور دلنشین کرنے کے قابل ہے: وَاَرْبَابُ الْقُلُوْبِ وَالْبَصَائِرِ لَيُشَاهِدُوْنَ بِنُوْرِ الْبَصِيْرَةِ هٰذِهِ الْمُهْلِكَاتِ وَانْشِعَابَ فُرُوْعِهَا اَنَّ مِقْدَارَ عَدَدِهَا لَا يُوْقَفُ عَلَيْهِ اِلَّا بِنُوْرِ النُّبُوَّةِ فَاَمْثَالُ هٰذِهِ الْاَخْبَارِ لَهَا ظَوَاهِرُ صَحِيْحَةٌ، وَاَسْرَارٌ خَفِيَّةٌ، وَلٰكِنَّهَا عِنْدَ اَرْبَابِ الْبَصَائِرِ وَاضِحَةٌ، فَمَنْ لَّمْ تَنْكَشِفْ لَهٗ دَقَائِقُهَا فَلَا يَنْبَغِیْ اَنْ يُّنْكِرَ ظَوَاهِرَهَا بَلْ اَقَلُّ دَرَجَاتِ الْاِيْمَانِ التَّصْدِيْقُ وَالتَّسْلِيْمُ

اس کو غور سے پڑھا جائے اور دیکھا جائے کہ انکار کا کیا درجہ ہے؟

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ایک شبہ اور اس کے جوابات

۱۲...... وجہ شبہ اور اس کا حل امام غزالی رحمہ اللہ نے جو احیاء العلوم میں دیا ہے عبارت مذکورہ کے بعد ہے، ترجمہ یہ ہے:

اگر تم یہ کہو کہ ہم تو کافر کو ایک مدت تک قبر میں دیکھتے ہیں اور نگرانی کرتے ہیں مگر ان میں سے کوئی بات بھی نہیں دیکھ پاتے تو مشاہدہ کے خلاف کیسے تصدیق کر لی جائے؟ تو سمجھ لو کہ ایسی باتوں کی تصدیق میں تمہارے لئے تین صورتیں ممکن ہیں:

(۱) جو بہت ظاہر بہت صحیح ہے اور اسلم طریقہ بھی ہے کہ تم اس کی تصدیق کر لو کہ یہ (۹۹ سانپ) موجود ہیں اور مردہ کو ڈستے ہیں، لیکن تم نہیں دیکھتے ہو تو یہ آنکھ عالم ملکوت کے امور کے دیکھ پانے کی اہل ہی نہیں ہے اور امور آخرت سب امور ملکوت ہی ہیں، کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جبرئیل علیہ السلام کے نازل ہونے پر کیسے ایمان لے آتے تھے؟ حالانکہ ان کو دیکھ نہیں پاتے تھے اور اس پر بھی ایمان رکھتے تھے کہ حضور ﷺ ان کو دیکھتے تھے، تو اگر تم اس پر بھی ایمان نہیں رکھتے تو فرشتوں اور وحی پر اصل ایمان کو صحیح کر لینا ہی ہمارے لئے بڑا اہم کام ہے (اپنا ایمان درست کرو) اور اگر اس پر ایمان رکھتے ہو اور جائز قرار دیتے ہو کہ نبی ﷺ ان چیزوں کا مشاہدہ کر لیتے ہیں جن کا امت مشاہدہ نہیں کر سکتی تو یہ میت کے بارے میں کیوں جائز نہیں رکھتے؟ اور جیسے کہ فرشتہ آدمیوں کے اور جانوروں کے مشابہ نہیں ہوتا تو یہ زندگی اور سانپ بچھو بھی جو قبر میں ڈستے ہیں وہ ہمارے عالم کے سانپوں کی جنس سے نہیں ہیں وہ دوسری جنس ہے جس کو ہم دوسری آنکھ ہی سے دیکھ سکتے ہیں۔

(۲) یہ کہ سوتے آدمی کی حالت کو یاد کرو وہ سوتے میں دیکھتا ہے کہ سانپ اس کو ڈس رہا ہے اور وہ اس کی اذیت پاتا ہے کہ تم بھی دیکھ لیتے ہو کہ وہ نیند میں چلاتا ہے اور اس کی پیشانی پسینہ پسینہ ہو جاتی ہے اور کبھی جگہ سے اٹھ کر بھاگتا ہے، تو یہ سب وہ اپنے اندر ہی محسوس کرتا ہے اور اس سے ایسی اذیت پاتا ہے جیسے بیدار آدمی مشاہدہ کر کے پاتا ہے مگر تم اس کو سکون میں دیکھتے ہو اور اس کے آس پاس کوئی سانپ نہیں دیکھ پاتے ہو، لیکن اس کے حق میں سانپ بھی موجود ہوتا ہے اور تکلیف بھی حاصل ہوتی ہے تو جبکہ اذیت ڈسنے میں ہوتی ہے تو کوئی فرق نہ ہوگا کہ اس کا تخیل ہو یا مشاہدہ ہو (یعنی خواب میں ڈسنے سے بھی عذاب ہے مشاہدہ میں ڈسنے سے بھی عذاب ہے)

(۳) تم جانتے ہو کہ سانپ خود اذیت نہیں دے سکتا بلکہ وہ زہر اذیت دیتا ہے جو اس سے تم کو پہنچتا ہے، پھر زہر خود بھی اذیت نہیں دیتا بلکہ تمہارے اندر جو زہر سے اثر پیدا ہوتا ہے وہ اذیت ہے تو ایسا ہی اثر اگر زہر کے علاوہ کسی اور شے سے پیدا ہوگا تو اذیت ایسی ہی شدید ترین ہوگی لیکن اس اذیت کی نوعیت کا بیان کرنا ممکن ہی نہیں سوائے اس کے کہ اس کے سبب کی طرف منسوب کر دیا جائے جو عادۃً اس کو پیدا کر دیتا ہے، مثلاً یہ کہ سانپ کے کاٹے کی اذیت ہے تو سبب کا ثمرہ تو حاصل ہوگا گو صورت نہ ہو اور مقصود و مراد ثمرہ ہی ہوتا ہے جس کی وجہ سے سبب کا ذکر ہوتا ہے نہ کہ خود سبب، فقط!

غرض یہ سب چیزیں مشاہدہ میں نہیں ہیں نہ بیان ہی میں آ سکتی ہیں مگر سب اس کے معتقد ہوتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ یہاں عذاب کا عقیدہ نہ ہو اور جیسے اس سے پناہ مانگی جاتی ہے اور بچنے کی کوشش ہوتی ہے ایسے ہی اس سے ہونی ضروری ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

منکر حیات النبی ﷺ کی امامت کا حکم

۱۳...... ایسے عقیدہ والے کے پیچھے نماز کا درست ہونا اس پر موقوف ہے کہ اس کا درجہ اسلام میں کیا ہے؟ تو اس کے لئے ہم سب کے دینی جد امجد حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کا فتویٰ پیش ہے گو ذرا سا فرق ہے کہ یہاں سوال میں حضور ﷺ کی روح مبارک کا جسد اطہر سے تعلق نہ ہونا بیان ہے اور وہاں ہر کس و ناکس کے متعلق سوال اور اس پر مدار فتویٰ کا ہے مگر یہاں تو وہ بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

فتویٰ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

سوال: انسان را بعد موت ادراک و شعور باقی ماند و زائران خود را می شناسد و سلام و کلام ایشاں را می شنود یا نے؟

جواب: انسان را بعد موت ادراک باقی می ماند بر ایں معنی شرح شریف و قواعد فلسفی اجماع دارند، اما در شرع شریف پس عذاب قبر و تنعیم القبر بتواتر ثابت است و تفصیل آں دفتر طویل می خواہد در کتاب شرح الصدور فی احوال الموتیٰ والقبور کہ تصنیف شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ است و دیگر کتب حدیث باید دید۔ در کتب کلامیہ اثبات عذاب القبر می نمایند حتی کہ بعض اہل کلام منکر آں را کافر میدانند و عذاب و تنعیم بغیر ادراک و شعور نمی تواند شد و نیز در احادیث صحیحہ مشہورہ در باب زیارت قبور و سلام بر موتیٰ و ہم کلامی باآنہا کہ اَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ، وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ ثابت است۔

در بخاری و مسلم موجود است کہ حضور ﷺ با شہداء بدر خطاب فرمودند هَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَ رَبُّکُمْ حَقًّا مردم عرض کردند یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَتَتَکَلَّمُ مِنْ اَجْسَادٍ لَیْسَ فِیْہَا رُوْحٌ، فرمودند مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْہُمْ وَلٰکِنَّہُمْ لَا یُجِیْبُوْنَ۔

در قرآن مجید ثابت است وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّہِمْ یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَا اٰتَاہُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ، بلکہ از احوال پس آیندگاں خود ہم خوشی و بشارت ثابت است وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِہِمْ مِّنْ خَلْفِہِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ، بالجملہ انکار شعور و ادراک اموات اگر کفر نہ باشد در الحاد بودن اوشبہ نیست۔ واما قواعد فلسفیہ پس بقائے روح بعد از مفارقت و بقاء شعور و ادراک ولذت روحانی مجمع علیہ فلاسفہ است الا جالینوس ولہٰذا او را در فلاسفہ نہ شمردہ اند، پس ظاہر است کہ بدن دائماً در تحلل است و روح در شعور و ادراک دائما در ترقی است پس مفارقت بدن در سلب ادراک و شعور او چہ قسم تاثیر تواند کرد۔

سوال: اگر ادراک و شعور می ماند بقدر حیات می ماند یا زیادہ و کم می شود؟

جواب: ادراک و شعور اہل قبور بعد موت در بعض امور زیادہ می شود و در بعضے کم، آنچہ تعلق با مور غیب دارد ادراک آنہا زیادہ است و آنچہ تعلق در امور دنیویہ باشد ادراک آنہا کم، سببش آنست کہ التفات و توجہ ایشاں در امور غیبیہ زیادہ است و در امور دنیویہ کم پس بایں جہت تفاوت واقع می شود و الا اصل ادراک و شعور یکساں است، بلکہ اگر تامل کردہ شود در دنیا نیز بسبب توجہ و التفات زیادتی و کمی در شعور و ادراک واقع میشود چنانچہ دقائق علمیہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

راوکلائے در بار بسیار کم می فہمند ولذائذ طعام ومحاسن نساء وکیفیات نغمات واوتار را امیرزادہ ہا خوب ادراک می کنند وعلماء وفضلاء ورادراک آں چیزہا بسیار قاصر اند ایں ہمہ بسبب قلت توجہ والتفات است وکثرت آں۔ فقط!

اوپر آیات واحادیث متواترہ واجماع اہل حق وقبول عقل سلیم کے دلائل کے بعد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ فیصلہ کن ہے۔ آیات کا انکار، احادیث متواترہ کا انکار، اجماع کا انکار یہ سب ایسا تھا کہ اس پر اسلام کا باقی رہنا مشکل تھا مگر بات یہ ہے کہ قطعی الثبوت کے ساتھ قطعی الدلالت ہونا جب تک نہ ہو اس کے انکار کو کفر نہیں کہا جا سکتا چونکہ بعض تاویلات ایسی ممکن ہیں جو قواعد عربیت پر صحیح بن جاتی ہیں گو دوسری آیات واحادیث سے ان پر عمل درست نہ ہو، وَالْحُدُوْدُ تَنْدَرِئُ بِالشُّبُهَاتِ، اس لئے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ''اگر کفر نہ باشد'' کیونکہ یہ عقیدہ تمام اہل سنت کے خلاف ہے باطل فرقوں معتزلہ خارجیہ اور رافضیہ کا ہے، اس لئے اس کو بدعت ضرور قرار دیا جائے گا اور نماز کی امامت کے قاعدہ کے تحت آ جائے گا جو فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز کا ہے کہ ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہوگا اور جس کو اچھے امام کے پیچھے نماز ملتی ہو پھر اقتداء کرنا بھی امام بنانا ہے اس کی اور امام بنائے رکھنے والوں کی نماز مکروہ تحریمی ہوگی اور جس کو ان دونوں سے یعنی امام بنائے رکھنے یا صحیح مل سکنے سے معذوری ہو اس کے لئے مکروہ تنزیہی ہوگی کہ تنہا سے یہ جماعت افضل ہے جیسے کہ شامی میں بتفصیل احادیث مَنْ وَقَّرَ فَاسِقًا اور مَنْ وَقَّرَ بِدْعِیًّا (الحدیث) اور صَلُّوْا خَلْفَ کُلِّ بَرٍّ وَّفَاجِرٍ حدیث سے ماخوذ کر کے بیان ہے، وَاللّٰہُ اَعْلَمُ!

۱۴...... چونکہ انبیاء علیہم السلام اور دوسروں کی حیات بعد الموت میں اہل السنۃ والجماعۃ کی مخالفت سلف کے باطل فرقوں نے کی تھی، کچھ عقلی ونقلی دلائل بھی پیش کئے تھے، بزرگان ملت نے ان کو نقل کر کے ان کا باطل ہونا ظاہر وثابت کیا ہے، اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ کیا کیا دلائل تجویز کرتے ہیں تو باطل ہونے کی دلیلیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں، اگرچہ اہل السنۃ والجماعۃ سے معتزلہ وغیرہ کی تقلید کی امید نہیں ہے اس لئے سردست پیش نہیں کی گئیں، وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ!

۲۶ ررمضان المبارک ۱۳۹۵ھ

***

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اگرچہ ارباب علم وفہم ان مسائل کی شرعی اور کلامی حقیقت کو جانتے اور سمجھتے تھے لیکن ہمارے اکثر طلباء اور عوام یہ دیکھ کر حیران و پریشان ہوتے تھے کہ دونوں طرف کے علماء اپنے کو دیوبندی کہلاتے ہیں اور خود کو دیوبندی مسلک سے وابستہ بتلاتے ہیں اور مسائل مذکرہ بالا میں ان کے تحریری اور تقریری بیانات ایک دوسرے سے مخالف ومتضاد ہیں۔ آخر اکابر علمائے دیوبند کا مسلک ان مسائل میں کیا ہے؟ اس لئے بعض علمائے عصر نے ان مسائل کے بارہ میں نہایت تفصیلی اور تحقیقی کتابیں لکھیں اور مسلک اکابر علمائے دیوبند کی تائید وحمایت بڑی بسط اور تفصیل کے ساتھ فرمائی ہے جن سے اکابر دیوبند کے مسلک کی حقانیت کتاب وسنت کے دلائل کی روشنی میں مذہب حقہ اہلسنت والجماعت کے مطابق ثابت ومحقق ہو جاتی ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اس سلسلے کی سب سے پہلی تحقیقی کتاب ''مقام حیات'' مؤلفہ علامہ خالد محمود صاحب ایم، اے۔ پی، ایچ، ڈی سیالکوٹی ہے جو اپنے خاص ادیبانہ طرز تحریر اور متکلمانہ اسلوب بیان میں انفرادی حیثیت کی حامل ہے۔ یہ کتاب طریقہ اعتدال کے ساتھ، مسلک اکابر علمائے دیوبند کو مذہب اہلسنت والجماعت کی روشنی میں دلائل و براہین کے ساتھ، ثابت کرنے کے لئے نہایت ہی مفید اور پر از معلومات ہے۔

اس کے بعد جناب محترم مولانا محمد سرفراز خان صفدر شیخ الحدیث مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ کی محققانہ تفصیلی کتاب ''تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور'' منظر عام پر آئی۔ جس میں اپنے خاص لب ولہجہ اور سنجیدہ اور متین انداز بیان سے اہل تحقیق اور تشنگان علم کے لئے قابل رشد مواد جمع کیا گیا ہے اوران کے لئے باعث تسکین بنی۔ جناب مولانا موصوف نے ملک، حقہ اہل سنت والجماعت کو جس کی تعبیر اور عنوان اس زمانہ میں مسلک دیوبند ہے، دلائل اور حوالوں کے ساتھ دلنشین انداز میں بہت عمدہ طریقے سے واضح اور ثابت کیا ہے۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء!

ہم نے اپنے اس زیر نظر رسالے میں نہ یہ کہ ان دونوں کتابوں پر پورا پورا اعتماد کیا ہے بلکہ ان سے بھر پور استفادہ کرتے ہوئے ان دونوں کتابوں کی عبارتوں اور حوالوں کو بھی نقل کیا ہے۔

اسی زمانے میں احقر کی کتاب ''ہدایۃ الحیران فی جواہر القرآن'' بھی لکھی گئی اور شائع ہوئی جو طلباء علوم عربیہ کے لئے ان مسائل حاضرہ کے سمجھنے میں مفید ومددگار ثابت ہوئی۔ لیکن اس زمانے میں تفصیلی کتابوں کے مطالعے کا شوق کم سے کم ہوتا جارہا ہے اور اختصار پسندی کا رجحان غالب ہورہا ہے، اس لئے اس کی ضرورت سمجھی گئی کہ ان مسائل کے بارہ میں کوئی مختصر جامع رسالہ مرتب کیا جائے۔ جس سے کم شوق اور کم فرصت لوگوں کو بھی استفادہ کرنے کا موقع حاصل ہوسکے اور وہ بھی ان مسائل میں مسلک حقہ اہلسنت والجماعت کو کسی قدر دلائل کے ساتھ سمجھنے کے اہل ہوجائیں۔

اس ضرورت کے پیش نظر احقر نے اس رسالہ کی ترتیب وتالیف میں محنت ومشقت برداشت کی ہے۔ ''ان ارید الا الاصلاح مااستطعت وماتوفیقی الاباللہ علیہ توکلت والیہ انیب''

عقیدہ حیات النبی ﷺ کی اہمیت

اسلام میں عقائد کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ عقائد ہیں جن کا ثبوت رسول اللہ ﷺ سے ایسا قطعی اور یقینی ہے کہ جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اور ہر دور میں ان کو تواتر اور شہرت عام کا ایسا درجہ حاصل رہا ہے کہ اس کی وجہ سے ان میں کسی تاویل کی بھی گنجائش نہیں، جیسے توحید ورسالت، قیامت کا عقیدہ قرآن مجید کا کتاب اللہ ہونا، آخرت میں جنت دوزخ کا ہونا، فرشتوں کا وجود، رسول اللہ ﷺ کا آخری رسول ہونا وغیرہ۔ ان میں سے کسی ایک بات کا انکار کرنا اسلام سے خارج کردیتا ہے۔ اگرچہ اس کا یہ انکار کسی تاویل کی آڑ لے کر ہو۔ ایسے عقائد کو ''ضروریات دین'' کا اصطلاحی نام دیا جاتا ہے۔

دوسرے درجے کے عقائد میں عذاب قبر اور شفاعت ورویت باری تعالی کے مسائل ہیں، ان کا ثبوت اگرچہ قابل اطمینان اور پکا ہے۔ لیکن اس درجہ کی قطعیت اور ایسا تواتر ان کو حاصل نہیں جس درجہ کا ضروریات دین کو حاصل ہے۔ اس لئے کسی شبہ یا کسی تاویل کی بناء پر ان میں سے کسی چیز کا انکار اگرچہ سخت درجہ کی گمراہی ہے، لیکن اس کو کفر وارتداد نہیں کہا جاسکتا۔ (ماخوذ از دین وشریعت از مولانا محمد منظور نعمانی)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

عقیدہ حیات النبی ﷺ اجماعی عقیدہ ہے

تمام اہل سنت والجماعت اس پر متفق ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبور مبارکہ میں زندہ ہیں اور ان کی یہ زندگی شہداء کی زندگی سے بھی اعلیٰ وارفع ہے۔ علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''والحاصل ان حیاۃ الانبیاء ثابتۃ بالاجماع'' (المنحۃ الوہبیہ ص ٦)

حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات اجماع سے ثابت ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات پر اجماع ہے کسی کو اختلاف نہیں۔ رہا اجماع کے علاوہ احادیث متواترہ سے بھی اس کا ثبوت موجود ہے۔ امت کے تمام طبقات اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ تواتر کے کئی اقسام ہیں۔ گو اس حدیث ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' کے الفاظ اور اسناد متواتر نہیں لیکن تواتر طبقہ اور تواتر وتوارث کا شرف اس کو حاصل ہے۔ دوسرے حیات فی القبر کا عقیدہ اہلسنت والجماعت کے متفق علیہ عقائد میں سے ہے جس پر قبر کی تنعیم وتعذیب مبنی ہے۔ اس جہت سے بھی عقیدہ حیات النبی ﷺ کی اہمیت اور اس کی کلامی حیثیت امت کے کسی دور میں اہلسنت کے نزدیک اختلافی اور نزاعی نہیں رہی۔ اب جو لوگ اس مسئلہ کی اہمیت اور حیثیت کو کم کرنے کے لئے اس کے فروعی ہونے پر زور دیتے ہیں ان کو غور کرنا چاہئے کہ کیا حیات فی القبر کا مسئلہ علماء عقائد نے فروعی سمجھ کر بیان کیا ہے؟

کتاب ''مقام حیات'' کی ایک تحریر

مقصد یہ ہے کہ مسئلہ حیاۃ النبی ﷺ کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے، اس کے علاوہ کہ ''المہند'' میں اس کا ذکر کیا گیا ہے اور تمام اکابر علمائے دیوبند جن میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن، حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی، شیخ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری، حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی (رحمہم اللہ) وغیرہ حضرات نے اس پر اپنا اور اپنے مشائخ کا عقیدہ ہونا بیان فرمایا ہے۔ ''مقام حیات'' میں شائع شدہ حسب ذیل تحریر بھی مفید ہوگی اس کو بھی ملاحظہ کیا جائے: ''صورۃ ما کتبہ اکابر العلماء وجہابذۃ الفضلاء ممن تولی الدرس والافتاء''

مسئلہ حیات النبی ﷺ میں اکابر دیوبند رحمہم اللہ کا مسلک

اکابر دیوبند رحمہم اللہ کا متفقہ اعلان

حضرت اقدس نبی کریم ﷺ اور سب انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ:

''وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہ محفوظ ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور حیات دنیاوی کے مماثل ہے۔ صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضۂ اقدس میں جو درود پڑھا جائے بلا واسطہ سنتے ہیں اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہلسنت والجماعت کا مسلک ہے۔''

اکابر دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی مستقل

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تصنیف حیات انبیاء پر "آب حیات" کے نام سے موجود ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں ان کا رسالہ المہند علی المفند" بھی اہل انصاف واہل بصیرت کے لئے کافی ہے اور جو اس مسلک کے خلاف دعویٰ کرے، اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔" واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل"

محمد یوسف بنوری عفااللہ عنہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ کراچی، عبدالحق عفی عنہ مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ، مفتی محمد صادق صاحب عفااللہ عنہ سابق محکمہ امور مذہبیہ بہاول پور، مفتی محمد حسن مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور، بندہ محمد شفیع عفااللہ عنہ دارالعلوم کراچی، ظفر احمد عثانی عفااللہ عنہ شیخ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار، محمد رسول خان عفااللہ عنہ جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور۔ (مقام حیات ص ۲۷۲)

مفتی مہدی حسن صاحب کی رائے

حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ بھی "مقام حیات" میں طبع ہو چکا ہے جس میں تصریح ہے کہ "آپ ﷺ اپنے مزار میں حیات ہیں مزار مبارک کے ساتھ آپ کا خصوصی تعلق بجسدہ وروحہ ہے۔ جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے۔ وہ بدعتی ہے، خراب عقیدہ والا ہے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔" آگے لکھا ہے "تین حدیثیں نقل کر دی ہیں اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور جو انکار کرتا ہے بدعتی اور خارج اہل السنۃ والجماعت ہے۔ غرض پڑھنے والے کو ثواب بھی پہنچتا ہے اور مزار مبارک کے قریب پڑھنے سے آپ سنتے بھی ہیں۔" (ص ۲۶۷)

اس فتویٰ پر استاذ العلماء حضرت مولانا رسول خان صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی دامت برکاتہم العالیہ وغیرہ حضرات کے دستخط بھی موجود ہیں۔ ان سب حضرات نے مزار مبارک میں آنحضرت ﷺ کی حیات جسدی کے خلاف عقیدہ رکھنے والے کو اہلسنت والجماعت سے خارج اور خراب عقیدہ والا بدعتی قرار دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ "ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔"

مفتی محمد وجیہہ کے فتویٰ کی وضاحت

جناب مولانا مفتی محمد وجیہہ صاحب دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار ضلع حیدرآباد کا ایک مجمل فتویٰ مصدقہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب رحمہ اللہ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی بابت ماہ اپریل، مئی ۱۹۸۴ء میں شائع کیا گیا ہے۔ اس فتویٰ کی وضاحت اور تفصیل جناب مفتی صاحب موصوف ہی کے قلم حقیقت رقم سے ذیل میں درج ہے اس کو غور سے پڑھا جائے تو ان شاء اللہ حق واضح ہو جائے گا۔

ایک دوسرا تفصیلی فتویٰ مفتی محمد وجیہہ صاحب کے قلم کا لکھا ہوا اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثانی کا تصدیق شدہ اس کے بعد ملاحظہ کیا جائے۔ اس سے پہلے (ندائے حق جدید ص ۵۹۴) پر درج شدہ فتویٰ کے جواب میں حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ہی کا فتویٰ جو کہ تفصیلی سوال کے جواب میں ہے۔ ناظرین کے استفادہ کے لئے شائع کیا جا رہا ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

سوال: بخدمت اقدس حضرت مولانا مفتی وجیہہ صاحب دامت برکاتہم سلام مسنون! رسالہ تعلیم القرآن راولپنڈی کے پرچہ بابت ماہ اپریل، مئی ۱۹۸۴ء میں آپ کا ایک فتویٰ شائع ہوا ہے کہ جناب نے فرمایا ''جولوگ حیات النبی ﷺ عنصری کے منکر ہیں ان کے پیچھے نماز کی صحت میں کوئی کلام نہیں اور ان لوگوں کا مقصود توہین رسول ﷺ نہیں ہے۔''

کیا واقعی ان کے پیچھے نماز بغیر کراہت کے صحیح ہے یا مع الکراہت صحیح ہے۔ اگر مع الکراہت ہے تو کون سی تحریمی یا تنزیہی؟ جواب باصواب سے نوازیں؟ اور اگر توہین مقصود ہو تو پھر ان کا کیا حکم ہے؟

سائل شیر محمد علوی غفرلہ خطیب جامع مسجد نواب دین کرم آباد وحدت روڈ لاہور

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً! چونکہ سوال صرف صحت کا کیا گیا تھا اس لئے جواب میں یہ لکھ دیا گیا تھا کہ نماز صحیح ہو جاتی ہے یعنی فاسد نہیں ہوتی، اس سے مقصود فساد کی نفی ہے کراہت کی نفی مقصود نہیں۔ لہٰذا نماز مکروہ ہوگی۔ نیز کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے چونکہ دلائل ظنیہ کا انکار اگرچہ کفر نہیں مگر فسق ضرور ہے۔ جب کہ جمہور امت حیات جسد عنصری کے قائل ہیں جس کا ثبوت اپنی جگہ پر کیا جا چکا ہے اور احقر نے بھی ایک طویل تحریر اس سلسلہ میں لکھی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

اور اس پر حضرت مولانا ظفر احمد صاحب قدس سرہٗ کے دستخط ہیں اور اگر توہین رسول مقصود ہو تو اس کا کفر ہونا ظاہر ہے۔ دستخط محمد وجیہہ غفرلہ دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار ۸ رشعبان ۱۴۰۴ھ

حضرت مولانا مفتی محمد وجیہہ کا تفصیلی فتویٰ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ جس شخص کے مندرجہ ذیل عقائد ہوں اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟ اور اگر جائز ہے تو کراہت کے ساتھ جائز ہے یا بلا کراہت جائز ہے؟

۱...... جس عذاب وثواب کا ذکر نصوص یا احادیث وآثار میں آتا ہے دراصل اس کا محل روح ہی ہے چونکہ روح بوجہ لطافت کے نظر نہیں آتی۔ اسی طرح اس پر جو عذاب وثواب واقعہ ہوتا ہے وہ بھی نظر نہیں آتا اور جس جسم مثالی کے ساتھ رنج وراحت ہوتا ہے ہمیں وہ جسم مثالی بھی نظر نہیں آتا۔ (اقوال مرضیہ ص ۵۲)

۲...... باقی اس جسم عنصری کی صورت نوعیہ بعد از موت ختم ہو جاتی ہے حیات ترکیبی ختم ہونے کے بعد اگر باری تعالیٰ اس کو حیات بسیط کے ساتھ عذاب دیں تو کچھ بعید نہیں۔ (ص ۵۲)

۳...... ہاں کبھی کبھی مرنے کے بعد اس جسد عنصری پر بھی عذاب وثواب کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ بندوں کی عبرت ورغبت کے لئے اور اس کو عالم مثال میں بغیر تعلق روح کے حیات بسیط کے ساتھ عذاب وثواب ہوتا ہے۔ (ص ۵۵)

۴...... جنہوں نے اس جسم کو کالجماد کہہ کر عذاب وثواب کا انکار کر دیا ہے دراصل وہ حیات بسیط کی حقیقت کو نہیں سمجھے۔ (ص ۵۶)

۵...... اگر بعض معتزلہ اور روافض کو مذکورۃ الصدر تحقیق کا علم ہوتا تو ''انّ المیت جماد لاحیات لہ ولا ادراک لہ فتعذیبہ محال'' کا قول نہ کرتے اور شرح عقائد والے کو ''انہ یجوز ان یخلق اللہ تعالیٰ فی جمیع الاجزاء او بعضھا نوعامن الحیوۃ'' کی تاویل نہ کرنی پڑتی۔ (ص ۶۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اقتباسات بالا سے واضح ہے کہ مؤلف کے نزدیک نصوص میں جس عذاب وثواب کا ذکر ہے اس کا محل صرف روح ہے البتہ جسد عنصری کو اگر حیات بسیط کے ساتھ عذاب وثواب ہوتا ہوتو کچھ بعید نہیں۔ لیکن اس جسد عنصری کے ساتھ روح کا تعلق کچھ نہیں اور یہ عذاب وثواب اس جسد عنصری کو ہوگا تو بغیر تعلق روح ہوگا اور جن لوگوں (معتزلہ وغیرہ) نے اس جسم کو بغیر تعلق کے مثل جماد کہہ کر عذاب وثواب کا انکار دیا ہے وہ حیات بسیط کی حقیقت کو نہیں سمجھے۔ اسی حقیقت کو نہیں سمجھنے کی وجہ سے متکلمین کو عذاب وثواب کے لئے عالم برزخ میں نوعامن الحیاۃ کے لئے تعلق کا قائل ہونا پڑا۔

مؤلف کے نزدیک بغیر تعلق روح کے جو حیات بسیط حاصل ہے عالم برزخ میں اسی سے ثواب وعذاب ہوسکتا ہے۔ نوعامن الحیاۃ کے خلق کی ضرورت نہیں ہے۔ اب جسد کو بغیر تعلق روح جماد تسلیم کر کے اس کی تعذیب وتنعیم کو تسلیم کرنا کیا کرامیہ کے قول ''انہ جماد یعذب'' (ابوبکر علی خیالی ص ۱۱۸) کے مانند اور معتزلہ کے اس فرقہ کے مطابق نہیں ہے؟ دوسرے خود مؤلف نے لکھا ہے ''دراصل زندہ میں بھی مدرک روح ہی تھی۔ جب آلہ اپنی صورت نوعیہ میں قائم ہی نہیں رہا اور اگر ہے بھی تو روح سے بغیر اس کو ادراک وشعور ہرگز نہیں ہوسکتا۔'' (ص ۸۵)

جب روح کے بغیر جسد کو ''ادراک وشعور ہرگز نہیں ہوسکتا'' تو پھر اس کو عذاب وثواب اس حالت میں حیات بسیط کے ساتھ کیوں کر ہوسکتا ہے؟

۶...... ''باقی رہا سلام ودرود کا بلوغ سو اس سے مراد ثواب ہے جو ہر وفات شدہ کو ملتا ہے عند اہل السنۃ والجماعۃ۔'' (شفاء الصدور ص ۴۴)

۷...... اور جو لوگ عند قبری کا وظیفہ پڑھتے رہتے ہیں وہ بھی سن لیں کہ تین بند دیواروں میں قبر شریف محفوظ ہے، جہاں ہوا کا بھی گزر نہیں ہوسکتا۔ چہ جائے کہ آواز جاسکے۔'' (ص ۱۰۶)

''سلف صالحین توحید کے حامی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جب کوئی رسول اللہ ﷺ کو دعا اور سلام کرنا چاہئے تو قبلہ رخ ہوکر کھڑا ہو جائے اپنی پیٹھ قبر کی دیوار کی طرف کر کے دعا مانگے۔'' (ص ۱۰۰)

نمبر ۶ اور ۷ سے واضح ہے کہ یہ شخص آنحضرت ﷺ پر پڑھے گئے درود کے نہ بذریعہ ملائکہ پہنچنے کا قائل ہے اور نہ عند القبر سماع اور سننے کا قائل ہے بلکہ ''من صلی علی عند قبری'' کے ساتھ اس کا رویہ گستاخانہ اور استہزاء کا ہے اور نمبر ۸ میں تو زائر قبر مبارک کے لئے بوقت سلام بھی قبر مبارک کی طرف پیٹھ پھیر کر کھڑے ہونے کو لکھ دیا ہے۔ حالانکہ عامۃ المؤمنین کی زیارت قبور کے وقت بھی قبور کی طرف منہ کر کے سلام کیا جاتا ہے۔

از راہ کرم ان عبارات پر خصوصی توجہ فرما کر اس شخص کے بارہ میں حکم صادر فرمائیں کہ کیا ایسے عقائد رکھنے والے شخص کی امامت درست ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے؟

عالم برزخ میں جسد عنصری سے یہ شخص چونکہ روح کے تعلق کی نفی کرتا ہے تو لازم آتا ہے کہ اس شخص کے نزدیک قبر اطہر میں آنحضرت ﷺ کے جسد اقدس میں جو حیات ہے وہ بھی بغیر تعلق روح کے حیات بسیط کے ساتھ ہو اور بغیر تعلق روح کے چونکہ ادراک وشعور ممکن نہیں ہے۔ اس لئے اس شخص نے درود شریف کے پہنچنے کی مراد اجماع امت کے خلاف صرف ثواب پہنچنا ایجاد کیا ہے جو ہر وفات شدہ کو پہنچتا ہے۔ مگر اس میں آنحضرت ﷺ کی کیا خصوصیت باقی رہ جاتی ہے؟　　فقط الرقوم ۱۸ر صفر ۱۳۸۹ھ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً! مجموعی طور پر اہل حق اہلسنت والجماعت اس بات کے قائل ہیں کہ عذاب روح کو جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ بعض نے اس میں جسم مثالی کا توسط مانا ہے اور باوجود جسم مثالی کے جسم عنصری یا اس کے اجزاء سے اس قدر تعلق ہونے میں جس سے تألم وتلذذ ہو سکے کوئی بعد نہیں اور جسم کی ہیئت ترکیبی کا بقاء تعلق روح کے لئے لازم نہیں باوجود ریزہ ریزہ ہونے کے، ہر ہر ذرہ کے ساتھ تعلق ممکن ہے اور ہر جزو اور ذرہ کی قبر وہی ہے جہاں وہ موجود ہے۔ بر ہو یا بحر ہو اور تمام جگہوں کے ذرات سے تعلق پیدا کرنے پر خدا کو قدرت ہے جس سے عذاب وثواب ہوتا ہے جیسا کہ ایک سورج بہت سی جگہوں کو روشن کرتا ہے اور ایک ریڈیو جنکشن کا بہت ریڈیوں سے تعلق ہوتا ہے۔ لیکن اس کا ادراک بوجہ دوسرے عالم میں ہونے کے ہم کو عامۃً نہیں ہوتا تا کہ ایمان بالغیب باقی رہے۔

بہرحال صحیح مسلک اہل حق کا یہی ہے کہ قبر میں روح مع الجسد کو عذاب وثواب ہوتا ہے۔ گو ہیئت ترکیبی باقی نہ رہے جس پر روایات اور سلفؒ کے اقوال کثیرہ شاہد ہیں۔ لیکن یہ عقیدہ کہ عذاب وثواب محض روح کو ہو اور جسم یا اس کے اجزاء سے کسی نوع کا تعلق نہ ہو یہ عقیدہ ابن حزم ظاہری اور ابن میسرۃ کا ہے۔ نیز یہ عقیدہ کہ جسد کو بغیر تعلق روح کے عذاب ہو یہ کرامیہ کا مسلک ہے۔ عدم تعلق روح کے قول و مؤلف مذکور فی اقوال اور کرامیہ برابر ہیں۔ رہا حیات بسیط کے ساتھ عذاب کا قائل ہونا یہ مخترع شے ہے اور اس صورت میں تلذذ یا تألم خلاف اجماع ہے۔ کیونکہ پتھر کے توڑنے یا اچھی جگہ پر رکھنے سے تألم یا تلذذ کا کوئی قائل نہیں۔ بہرحال یہ عقیدہ مخترع اور اہل حق کے خلاف ہے۔

نیز حضور اکرم ﷺ کے پاس درود وسلام کے بلوغ سے ثواب کا پہنچنا مراد لینا بدعت جدیدہ ہے اور نمبر ۷ کے الفاظ گستاخی کے موہم اور روایات کے انکار اور سلف کے عقیدہ کی تغلیط پر مبنی ہیں اور خلاف اجماع ہیں۔ نیز اس قائل نے یہ تحریر کر کے اور بھی ظلم کیا ہے کہ درود وسلام کے وقت حضور ﷺ کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا ہو، جو کھلم کھلا تصریحات فقہاء کے خلاف ہے۔

عالمگیری میں ہے: ''ثم یقف عند وجهه مستدبر القبلة ویصلی علیه'' بہرحال جن خیالات کا اس شخص نے انظہار کیا ہے یہ غلط ہیں اور روایات صحیح اور اقوال سلف صالحین کے خلاف ہیں جس کی تفصیل اپنی جگہ پر کتب میں مسطور ہیں۔ اس وقت تفصیل کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا یہ شخص مبتدعین میں داخل ہے۔ کیونکہ مبتدع ہونے کے لئے بعض امور کا اختراع بھی کافی ہے اور مبتدع کے پیچھے نماز پڑھنا اور اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

نوٹ: اس سلسلہ کی تصنیفات میں ''تسکین الصدور'' کا مطالعہ مفید ہے۔ مہر ودستخط

کتبہ: محمد وجیہہ غفرلہ ۷ ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ

مدرسہ دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار ضلع حیدر آباد

''الجواب صحیح'' ...... ظفر احمد عثمانی ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا مصدقہ فتویٰ

اسی مفصل سوال کا جواب مصدقہ حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع قدس سرہ درج ذیل ہے:

الجواب: مذکورہ بالا بیان اگر صحیح ہے اور پیش امام صاحب کا یہی عقیدہ ہے جو سطور بالا میں تحریر کیا ہے تو

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے جب تک وہ اپنے اس عقیدہ سے توبہ نہ کرے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ واللہ اعلم! مہرودستخط

بندہ رفیع اللہ خادم دارالافتاء دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

''الجواب صحیح'' ...... بندہ: محمد شفیع ۲۳رصفر ۱۳۸۹ھ

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اور مرشدی حضرت مولانا ظفر احمد صاحب رحمہ اللہ عثمانی کے ان مفصل فتاویٰ کے ملاحظہ سے ان شاء اللہ تعالیٰ ان چالاک لوگوں کی چالاکی کھل کر سامنے آجائے گی۔ جنہوں نے ہمارے ان دونوں اکابر رحمہ اللہ سے مولانا غلام اللہ خان اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ کے بارہ میں سوال کر کے اپنا مطلب حاصل کرنا چاہا تھا۔ وہ ان مفصل فتاویٰ کو غور سے پڑھیں گے تو طبیعت صاف ہوجائے گی اور دل کے اشکالات وشبہات دور ہوجائیں گے۔ ان دونوں فتاویٰ کی اصل (نہ کہ فوٹوسٹیٹ) احقر کے پاس محفوظ ہے۔ سوال اگر تحقیق حق کے لئے بحوالہ کتب اس طرح کیا جاتا جس طرح ان دونوں فتاویٰ میں کیا گیا ہے۔ پھر تو اس کا جواب ان دونوں حضرات اکابر رحمہ اللہ کی طرف سے وہی آتا جو اوپر کے تفصیلی سوال کے جواب میں آیا کہ ایسے عقائد والوں کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے یا پھر سوال میں درج شدہ ان عبارتوں کے بارہ میں یہ ثابت کردیا جاتا کہ وہ ان کتابوں میں نہیں ہیں جن کا حوالہ دیا گیا ہے۔ مگر ان لوگوں کا مقصد مسئلہ کی تحقیق نہیں تھا صرف عوام کو مغالطہ میں ڈالنا اور سیدھے سادھے مسلمانوں کو گمراہ کرنا تھا۔ اس لئے انہوں نے اصل واقعہ کو چھپا کر سوال صرف شخصیات کے نام سے کیا۔ حالانکہ بحث عقائد ونظریات کی تھی۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ ہمارے مدرسہ حقانیہ ساہیوال (سرگودھا) میں ایک ناظرہ خوان مدرس قرآن نے اپنے رشتہ دار اختر حسین آزاد کو بھی اپنے ساتھ لگا کر مدرسہ ضیاء العلوم بلاک نمبر ۱۸ سرگودھا سے تعلق قائم کیا اور فتویٰ بازی کی یہ مہم جاری کی۔ کبھی اختر حسین آزاد کے نام سے اور کبھی کسی دوسرے کے نام سے یہی سوال کرتا رہا۔ چنانچہ ندائے حق ص ۵۵۶ پر اختر حسین آزاد کے نام سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ شائع کیا گیا اور تعلیم القرآن راولپنڈی بابت ماہ اپریل ومئی ۱۹۸۴ء میں بھی اختر حسین آزاد، مدرسہ ضیاء العلوم بلاک نمبر ۱۸ سرگودھا میں پڑھتا بھی رہا اور اسی مدرسہ میں سفارت بھی کرتا رہا۔ مدرس مذکور نے بھی کچھ عرصہ مدرسہ مذکور بلاک نمبر ۱۸ میں مدرسی کی پھر وہاں سے بھی علیحدہ کردیا گیا۔ دل کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ مگر وہ لوگوں سے یہی کہتا ہے کہ میرا عقیدہ بلاک ۱۸ سرگودھا والوں کے ساتھ نہیں ہے۔ یہ فتاویٰ حاصل کرنے کی کارروائی مدرسہ حقانیہ سے علیحدہ ہونے اور اپنے استاذ یعنی احقر کی مخالفت کی وجہ سے کی گئی تھی۔ واللہ اعلم بحقیقت الحال۔

پندرہ سال سے زائد عرصہ ہوگیا کہ یہ دونوں فتاویٰ احقر کے پاس محفوظ تھے۔ مگر اب ''ندائے حق'' اور ''تعلیم القرآن'' راولپنڈی وغیرہ میں فتاویٰ کی اشاعت نے ان دونوں فتاویٰ اور حقیقت واقعہ کی اشاعت کا موقع فراہم کردیا۔ تعجب ہوتا ہے کہ کیسے کیسے مخلصین اور صادقین کو ''ندائے حق'' اور ''تعلیم القرآن'' میں اپنے مقصد کے لئے استعمال کیا جارہا ہے۔ فالی اللہ المشتکی!

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ کا تفصیلی جواب بھی اس مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کی تائید اور اثبات میں عرصہ ہوا "مقام حیات" میں شائع ہو چکا ہے۔ حال ہی میں اسی جواب کو حضرت اقدس شیخ رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب کی، کے مقدمہ کے ساتھ بنام "حیات النبی ﷺ" المکتبہ المدنیہ ۱۷ اباز ار لاہور نے علیحدہ رسالے کی شکل میں شائع کیا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث نے اپنے اکابر رحمہم اللہ کے عقیدہ کی تائید کے ساتھ خود کو ان حضرات رحمہم اللہ کا جادہ متبع ہونا لکھا ہے۔ لکھتے ہیں: "بہرحال یہ ناکارہ تو اکابر دیوبند قدس اللہ اسرارہم کا ہمہ تن متبع ہے اور ان سب حضرات کا متفقہ فیصلہ "المہند" میں بلا کسی اجمال کے تحریر ہے۔"

(رسالہ حیات النبی ﷺ از شیخ الحدیث رحمہ اللہ)

ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی میں شائع شدہ ایک فتویٰ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کے شمارہ بابت ماہ صفر المظفر ۱۳۷۸ھ ص ۳۸ پر شائع ہوا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: "حیات دنیوی ظاہری کا تو دنیا میں کوئی بھی قائل نہیں، قرآن کریم کی اتنی صریح مخالفت کون مسلمان کر سکتا ہے جو بھی قائل ہیں حیات برزخی کے قائل ہیں۔"

یہ فتویٰ ۲۲/ذوالحجہ ۱۳۷۷ھ کا مرقومہ ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ جب شائع ہوا تو ایک بزرگ عالم نے ایک مفصل استفسار مرتب فرما کر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے اس فتویٰ کی وضاحت طلب فرمائی جس پر حضرت مفتی صاحب نے تفصیلی وضاحتی بیان ارقام فرمایا جس کو ماہنامہ "الصدیق ملتان بابت ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۸ھ" میں شائع کر دیا گیا تھا۔

وہ مفصل استفسار اور تفصیلی وضاحتی بیان ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

استفسار حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ

مخدوم العلماء والفضلاء حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم! ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی (ج ا شمارہ ۱۱ ماہ ستمبر ۱۹۵۸ء ص ۳۸) میں مسئلہ حیات النبی ﷺ میں جناب کا ایک فتویٰ شائع ہوا ہے۔ اس کے ابہام و اجمال کی وجہ سے بہت سے ناظرین کو مغالطہ ہوا یا غلط فہمی پیدا ہوئی ہے۔ لہٰذا مؤدبانہ عرض ہے کہ مندرجہ ذیل امور کی تشریح فرما کر مغالطہ اور غلط فہمی کو دور فرمایا جائے۔

۱...... عالم برزخ میں آنحضرت ﷺ بجسدہ العنصری حیات دنیوی کی طرح زندہ ہیں، یا روح کا جسم سے کوئی تعلق نہیں۔ گو جسم سلامت مانا جائے، حیات صرف روحانی ہے۔ آپ کا کیا عقیدہ ہے؟

۲...... عالم برزخ میں آنحضرت ﷺ کو بجسدہ العنصری زندہ اعتقاد کرنا، آیا اکابر دیوبند کا متفق علیہ مسئلہ ہے یا مختلف فیہ؟

۳...... اگر متفق علیہ مسئلہ ہے تو جو علماء عالم برزخ میں آنحضرت ﷺ کی حیات جسمانی کے منکر ہو کر صرف حیات روحانی کے قائل ہیں اور قائل ہی نہیں بلکہ شب و روز حیات جسمانی کی تردید کو موضوع بحث بنائے ہوئے ہیں اور آپ کے محولہ بالا فتویٰ کو (جو لف ہذا ہے) تائید میں پیش کرتے ہیں۔ کیا یہ اس مسئلہ میں دیوبندیت سے ہٹے ہوئے یا بالفاظ دیگر دیوبندیت سے خارج ہیں یا نہیں؟ اور آپ کے فتویٰ کو ان کو تائید میں پیش کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

۴...... اگر تائید میں پیش کرنا صحیح نہیں تو جناب اپنے فتویٰ کی ایسی مفصل تشریح فرمادیں کہ مغالطہ اور غلط فہمی دور ہوجائے۔ بینوا توجروا
السائل: یکے از خدام علماء دین ملتان ۹ ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا وضاحتی بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مخدومنا المحترم دامت معالیکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

سوالات کے جواب سے پہلے یہ عرض ہے کہ میرے خیال میں پہلے بھی میری تحریر کا منشاء کچھ زیادہ مبہم نہ تھا۔ مگر تعمیل ارشاد کے لئے مزید توضیح عرض کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ میرے نزدیک عوام کا یہ اجمالی عقیدہ کہ حضرت رسول کریم ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں ان کے ایمان اور نجات کے لئے کافی ہے۔ ان کے ذہنوں کو اس کی تفصیلات میں الجھانا مناسب نہیں۔ خصوصاً ایسے زمانے میں کہ ہمارے عوام کو اسلام کے ضروری احکام فرائض و واجبات اور حلال و حرام تک کی خبر نہیں اور ان کو کسی واقعی مجبوری یا غفلت کی بناء پر ان ضروری احکام کا علم حاصل کرنے کی فرصت بھی نہیں۔ ہمارے لئے یہ اسلام کی کوئی اچھی خدمت نہ ہوگی کہ ہم ان کو ضروری احکام دین بتلانے کی بجائے اس مسئلے کی غیر ضروری تفصیلات میں الجھائیں۔ جس بزرگ یا جس عالم نے عوام میں یہ بحث پیدا کردی ہے، میرے نزدیک کوئی ثواب کا کام نہیں کیا اور آئندہ بھی اگر اس بحث کے کچھ اختلافی پہلو ہیں تو علماء کو چاہئے کہ صرف کسی علمی مجلس میں بیٹھ کر ان کو سلجھائیں۔ عوام میں اس بحث اور اختلاف کی اشاعت تقریراً یا تحریراً کرنا سوائے مفاسد کے کوئی فائدہ نہیں رکھتا۔ اس لئے پچھلے جواب میں احقر نے قصداً مسئلے کی تفصیل و تنقیح سے گریز کیا تھا۔

اب چونکہ سوال ایک بزرگ عالم کی طرف سے آیا اور ایک علمی رنگ میں آیا تو اپنی معلومات پیش کرتا ہوں۔

۲...... جمہور امت کا عقیدہ اس مسئلے میں یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام برزخ میں جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں، ان کی حیات برزخی صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی حیات ہے جو حیات دنیوی کے بالکل مماثل ہے۔ بجز اس کے کہ وہ احکام کے مکلف نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی حیات برزخی کے کچھ آثار بعض دنیوی احکام میں بھی باقی ہیں۔

مثلاً میراث کا تقسیم نہ ہونا، ان کی ازواج مطہرات سے بعد وفات کسی کا نکاح جائز نہ ہونا، متقدمین میں امام بیہقی کا اور متاخرین میں شیخ جلال الدین سیوطی کا مستقل رسالہ اس مسئلے کی توضیح کے لئے کافی ہے۔ جن میں روایات حدیث پوری تنقیح کے ساتھ درج ہیں۔

بیہقی نے فرمایا: "والحیاۃ الانبیاء بعد الممات شواھد من الاحادیث الصحیحۃ" اس میں تصریح ہے کہ موت کے بعد ان کی حیات احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ موت صرف جسم پر آئی ہے روح پر نہیں۔ اس لئے حیات بعد الموت وہی ہوسکتی ہے جس میں جسم بھی شریک ہو۔ اس حیات کو صرف روحانی کہنے کے کوئی معنی نہیں۔

اور شفاء السقام میں امام حدیث وفقہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کا نواں باب اسی مسئلہ کی تحقیق کے لئے لکھا ہے اس میں انبیاء علیہم السلام کے لئے بعد وفات کے حیات جسمانی حقیقی ثابت کرنے کے لئے فرمایا ہے:

"وقد ذکرناہ من جماعۃ من العماء وشھد لہ صلوۃ موسیٰ علیہ السلام فی قبرہ فان الصلوۃ یستدعی جسداً حیاً

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

وکذالک الصفات المذکورۃ فی الانبیاء لیلۃ الاسراء کلھا صفات الاجسام ولا یلزم من کونھا حقیقۃ ان یکون الابدان معھا کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج الی الطعام والشراب والامتناع عن النفوذ فی الحجاب الکثیف وغیر ذالک من صفات الاجسام التی نشاھدھا بل قد تکون لھا حکم آخر فلیس فی العقل ما یمنع من اثبات الحیات الحقیقیۃ لھم'' (شفاء الاسقام سبکی ص ۱۴۳)

اس کے بعد شہداء کی حیات برزخی پر بحث کرتے ہوئے فرمایا: ''فلم یبق الا انھا حیاۃ حقیقۃ الان ان الشہداء احیاء حقیقۃ وھو قول جمہور العلماء لکن ھل ذالک وللروح فقط او للجسم معھا فیہ قولان''

اس کے بعد اس قول ثانی کو ترجیح دی ہے کہ یہ حیات حقیقی صرف روح کے لئے نہیں، بلکہ جسد کے لئے بھی ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ جب عام شہداء امت کے لئے برزخ میں حیات حقیقی جسمانی ثابت ہے تو انبیاء علیہم السلام کی حیات کچھ ان سے اعلیٰ واقویٰ ہی ہوگی خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الموت حقیقی جسمانی مثل حیات دنیوی کے ہے۔ جمہور امت کا یہی عقیدہ ہے اور یہی عقیدہ میرا اور سب بزرگان دیوبند کا ہے۔

(۳،۴) مسئلہ مذکورۃ الصدر کی تحقیق میں یہ بھی آچکا ہے کہ صرف حیات روحانی کا قول جمہور علماء امت کے خلاف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دیوبندیت کوئی مستقل مذہب نہیں۔ سلف اور جمہور اہلسنت والجماعت کے مکمل اتباع ہی کا نام دیوبندیت ہے۔ جو عقیدہ جمہور اہلسنت والجماعت کے خلاف ہے وہ دیوبندیت کے بھی خلاف ہے۔

میرے سابقہ فتویٰ سے حیات جسمانی کے انکار پر سند پکڑنا صریح ظلم اور میرے کلام کی تحریف ہے۔ واللہ الموفق للسداد۔

آخر میں پھر عاجزانہ التماس ہے کہ حیات انبیاء کے تفصیل درجات کی خالص علمی بحث کو علمی دائروں میں ہی رکھا جائے۔ عوام میں نفیاً یا اثباتاً اس بحث کو ڈالنا، نہ ان کے لئے کوئی خیر خواہی ہے اور نہ اسلام کی کوئی اچھی خدمت جو بحث کسی طرح سے رسالوں میں یا اشتہاروں کی صورت میں چل چکی ہے اس کو وہی ختم کر کے اگر ہمت کرنا ہے تو کسی علمی مجلس میں مشافہۃً بحث کر لی جائے۔ والسلام

(نشان مہر دارالعلوم کراچی) (دستخط) بندہ محمد شفیع غفرلہ

دارالعلوم کراچی ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ

مقام غور

اگر غور سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے ان دونوں فتوؤں میں حقیقتاً کوئی تعارض ہی نہیں ہے۔ پہلے فتویٰ میں حیات دنیوی کے ساتھ ''ظاہری'' کی قید موجود ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ قبر اور برزخ کی حیات کو کوئی بھی دنیوی ظاہری نہیں کہتا جو بھی قائل ہے وہ حیات برزخی کا ہی قائل ہے۔ ورنہ تو ایسی ''ظاہری'' زندگی والے پر دفن وغیرہ کے احکام کیسے مرتب اور جائز ہوتے اور یہ ظاہری زندگی سب کو محسوس ہوتی۔ اس حیات برزخیہ کو اگر بدن دنیوی میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہونی کی وجہ سے حیات دنیوی سے تعبیر کر دیا جائے تو اس میں نہ تو کوئی شرعاً قباحت ہے اور نہ یہ اس کے حیات برزخیہ ہونے کے منافی ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور دوسرے فتویٰ میں اس کی تصریح ہے کہ یہ حیات برزخ میں جسد عنصری کے ساتھ ہے برزخی صرف روحانی نہیں ہے بلکہ جسمانی حیات ہے جو حیات دنیوی کے بالکل مماثل ہے۔''

پہلے فتویٰ میں ''ظاہری دنیوی حیات'' کی نفی فرمائی گئی ہے اور دوسرے فتویٰ میں ''برزخ'' میں ''جسمانی حیات مماثل حیات دنیوی'' کا اثبات فرمایا گیا ہے۔ ان دونوں میں کسی قسم کا قطعاً کوئی تعارض نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہی مضمون ہے جس کی ''المہند'' میں تمام اکابر علماء دیوبند نے تصریح فرمائی ہے۔ (اس کی تفصیل آئندہ آئے گی ان شاء اللہ)

خواہ مخواہ بعض لوگ اپنے سوء فہم سے اکابر علماء کرام کے فتاویٰ اور ان کی عبارات میں تعارض پیدا کر کے عوام کو مغالطہ دینے کی بے جا سعی کر رہے ہیں۔ اس تفصیلی وضاحتی بیان سے چشم پوشی کرنا اور پہلے اجمالی بیان کو ہی بے سوچے سمجھے پیش کرتے رہنا نہ معلوم کس طرح کی دیانت پر مبنی تحقیق ہے؟

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلوی کے فتویٰ کی وضاحت

بعض سطحی سمجھ کے لوگوں نے حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلوی کے اس فتویٰ سے بھی عام لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے کہ آں موصوف نے لکھا ہے کہ:

''انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں مگر ان کی زندگی دنیاوی زندگی نہیں ہے بلکہ برزخی اور عام دوسرے لوگوں کی زندگی سے ممتاز ہے۔ اسی طرح شہداء کی زندگی بھی برزخی ہے اور انبیاء کی زندگی سے نچلے درجے کی ہے۔ دنیا کے اعتبار سے تو وہ سب اموات میں داخل ہیں ''انک میت وانھم میتون'' اس کی صریح دلیل ہے۔'' محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی ج ا ص ۱۶۸)

اس فتویٰ میں صاف طور پر لکھا ہے کہ ''دنیا کے اعتبار سے وہ سب اموات میں داخل ہیں۔'' اس اعتبار سے وہ ''زندگی دنیاوی زندگی نہیں ہے بلکہ برزخی'' ہے۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ عالم کے اعتبار سے انبیاء علیہم السلام کی زندگی دنیوی زندگی نہیں ہے بلکہ برزخی ہے۔ اب رہا یہ کہ قبر شریف اور عالم برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات روح مبارک کے دنیوی جسد اطہر کے ساتھ تعلق کی وجہ سے ہے اور اس اعتبار سے اس کو عالم برزخ میں ہوتے ہوئے بھی، دنیوی جسمانی زندگی کہنا درست ہے۔ اس کی نفی اس فتویٰ میں نہیں فرمائی گئی بلکہ دوسرے فتویٰ میں اس کا اثبات فرمایا گیا ہے اور قبر مبارک میں روح اطہر اور جسم شریف کے ساتھ تعلق سے حیات کو تسلیم فرماتے اور اس کو اہلسنت والجماعت کا مذہب قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

جواب: ''صلوٰۃ وسلام کے ساتھ یا رسول و یا حبیب نداء کے الفاظ سے پکارنا اس خیال سے کہ صلوٰۃ وسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتوں کے ذریعہ پہنچا دیا جاتا ہے اور آپ تک ہماری نداء اور خطاب پہنچ جاتا ہے جائز اور درست ہے...... ہاں اس خیال اور اعتقاد سے نداء کرنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک مجلس مولود میں آتی ہے اس کا شریعت مقدسہ میں کوئی ثبوت نہیں اور کئی وجہ سے یہ خیال باطل ہے۔ اوّل یہ کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے تو پھر آپ کی روح مبارک کا مجلس میلاد میں آنا بدن سے مفارقت کر کے ہوتا ہے یا کسی اور طریقے سے اگر مفارقت کر کے مانا جائے تو آپ کا قبر مبارک میں زندہ ہونا

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

باطل ہوتا ہے۔ کم از کم اس زندگی میں فرق آنا ثابت ہوتا ہے تو یہ صورت علاوہ اس کے کہ بے ثبوت ہے باعث توہین ہے نہ کہ موجب تعظیم اور اگر مفارقت نہیں ہوتی تو پھر ہر مجلس مولود میں آپ کی موجودگی بدن اور روح کے ساتھ ہوتی ہے یا محض بطور کشف وعلم کے؟ پہلی صورت بداہتاً باطل ہے اور دوسری بے ثبوت اور بعض اعتبار سے موجب شرک ہے۔'' الخ۔ (کفایت المفتی ج ۱ ص ۱۵۹، ۱۶۰)

فتویٰ سے چند امور کا ثبوت

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کے اس مفصل فتویٰ سے کئی امور واضح طور پر ثابت ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں زندگی اور حیات اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے اور یہ حیات ایسی ہے جو بدن اطہر کے ساتھ روح کے دائمی تعلق سے قائم ہے اور یہ تعلق موجب حیات ہے۔ اگر روح مبارک کو اس بدن مبارک سے ایک لمحہ کے لئے بھی مفارق اور جدا سمجھ لیا جائے تو قبر مبارک کی اس حیات کا باطل ہونا یا کم از کم اس زندگی میں فرق آنا ثابت ہو کر اہلسنت والجماعت کے مذہب کے خلاف ہو جائے گا۔ نیز قبر مبارک میں آپ کے جسد اطہر سے روح مقدسہ کا تعلق نہ ماننا اور بدن مقدس سے مفارقت تسلیم کر کے اس کا مجالس میلاد میں آنا مانا جائے تو یہ بے ثبوت ہونے کے علاوہ باعث توہین بھی ہے۔ کیونکہ اس سے قبر کی حیات کی نفی لازم آتی ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے اس تفصیلی فتویٰ کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ مذہب اہلسنت والجماعت کے خلاف آپ کی قبر مبارک میں ایسی برزخی حیات مانتے ہیں کہ جسم اطہر سے روح مبارک کا کوئی تعلق نہیں اور اس معنی میں اس حیات کے دنیوی ہونے کی نفی فرماتے ہیں کہ روح مبارک کا اسی دنیوی جسد مبارک سے دائمی تعلق قائم ہے تو یہ اس شخص کی غباوت اور سوء فہم کا نتیجہ ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اس تہمت سے بری ہیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی ''المہند'' پر تصدیق

مفتی صاحب رحمہ اللہ ''المہند'' کی تصدیق کرنے والے اکابر علماء دیوبند میں سے ہیں۔ مفتی صاحب رحمہ اللہ نہ صرف اعتماد علی الاکابر رحمہم اللہ کی وجہ سے بلکہ ''المہند'' کے تمام جوابات کو ملاحظہ فرما کر اس پر اپنی تصدیق ثبت فرمائی ہے۔ چنانچہ ارقام فرمایا ہے: ''رأیت الاجوبۃ کلھا فوجدتھا حقۃ صریحۃ لا یحوم حول سرادقاتھا شک ولا ریب وھو معتقدی ومعتقد مشائخی وانا العبد الضعیف الراجی رحمۃ مولاہ الموعود بکفایت اللہ الشاھجھانفوری الحنفی المدرس فی المدرسۃ الامینیۃ الدھلویۃ'' (المہند ص ۹۹، ۱۰۰)

میں نے تمام جوابات دیکھے پس سب کو ایسا حق صریح پایا کہ اس کے اردگرد بھی شک یا ریب نہیں گھوم سکتا اور یہی میرا عقیدہ ہے اور میرے مشائخ کا عقیدہ ہے۔

اتنی صراحت اور وضاحت کے ساتھ المہند کے جوابات کی تصدیق کرنے اور ان کو نہ صرف اپنا بلکہ اپنے مشائخ رحمہم اللہ کا بھی عقیدہ بتلانے کے بعد وہ المہند میں درج شدہ اس عقیدہ کے خلاف کیسے لکھ سکتے تھے جس پر سب اکابر دیوبند رحمہم اللہ کی تصدیقات ثبت ہیں اور اس میں تصریح ہے کہ: ''عندنا وعند مشائخنا حضرت الرسالۃ صلی اللہ علیہ وسلم

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حیّ فی قبرہ الشریف و حیوتہ ﷺ دنیویۃ من غیر تکلیف . . . فثبت بھذا ان حیوتہ دنیویۃ برزخیۃ لکونھا فی عالم البرزخ" ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے...... پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ﷺ کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کو برزخی بھی ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہے۔ (المہند ص ۳۸)

حیات دنیوی کی نفی کا مفہوم

اس تفصیل سے ناظرین کو ثابت ہوگیا ہوگا کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اکابر رحمہم اللہ کی عبارات میں جس جگہ قبر کی اس زندگی کے دنیوی ہونے کی نفی کی گئی ہے اس سے ان کا مقصد مطلق دنیوی زندگی کی نفی نہیں ہے بلکہ دنیوی مطلق کی نفی مقصود ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ زندگی ہر اعتبار سے دنیوی زندگی نہیں ہے۔ اسی طرح جس فتویٰ میں حضرت مفتی صاحب نے فرمایا ہے کہ: "لیکن حیات دنیوی کہنا خلاف اہلسنت ہے۔" (مسالک العلماء ص ۱۴۸) اس سے بھی یہی مراد ہے کہ وہ دنیوی مطلقہ اور من کل الوجوہ دنیوی نہیں ہے۔ کیونکہ سوال میں لکھا تھا کہ "زید کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں بحیات دنیوی اس جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں کیا یہ صحیح ہے۔"

اس کا جواب بھی تھا جو اوپر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہوا۔ سائل "اس جسد عنصری کے ساتھ زندگی" کے سوال پر اکتفاء نہیں کرتا بلکہ "بحیات دنیوی کی قید کے ساتھ سوال کرتا ہے۔ اپنی قبر میں بحیات دنیوی اس جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہونے کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ وہ حیات ہر اعتبار سے دنیوی ہو۔ حالانکہ صرف جسد عنصری کے لحاظ سے وہ حیات دنیوی ہے ہر اعتبار سے نہیں۔ اس کی نفی حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرما دی اور ہر اعتبار سے دنیوی کہنے کو خلاف اہل سنت والجماعت قرار دے دیا۔

شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے مغالطہ

فقیہ خبیر اور محدث کبیر حضرت العلام شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی بے نظیر تصنیف اعلاء السنن میں فرماتے ہیں: "فان قلت ان النبی ﷺ حیّ فی قبرہ فیکون التضحیۃ عن الحیّ دون المیت قلنا فتلک حیاۃ اخریٰ لا من جنس الحیاۃ الدنیویہ فھو میت باعتبار ھذہ الحیاۃ الدنیویۃ حیّ بتلک الحیاۃ البرزخیۃ المغایرۃ لھذہ الحیاۃ" (اعلاء السنن ج ۱۷ ص ۲۷۲)

اگر تم کہو کہ نبی ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں تو یہ قربانی زندہ کی طرف سے ہوگی نہ کہ میت کی طرف سے تو ہم کہیں گے کہ "کہ وہ زندگی دوسری ہے اس دنیوی زندگی کی جنس سے نہیں ہے۔ لہٰذا وہ اس دنیوی زندگی کے اعتبار سے میت ہیں اور برزخی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں جو اس زندگی کے مغائر ہے۔"

اس عبارت سے بھی بعض سئی الفہم لوگوں نے دنیوی حیات کا انکار سمجھ لیا ہے حالانکہ اس عبارت میں قبر مبارک کی حیات پر جو زندہ کی طرف سے قربانی ہونے کا شبہ ہوتا تھا اس کو رفع فرمایا گیا ہے کہ وہ حیات دوسری ہے دنیوی حیات کی جنس سے نہیں ہے اور اس میں کیا شک ہے کہ عالم برزخ میں ہونے کی وجہ سے حیات دوسری جنس کی بھی ہے اور اس دنیوی حیات کے مغائر بھی ہے۔ اس لئے قبر کی اس حیات پر دنیوی حیات کے احکام جاری نہیں

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہوں گے اور حیات قبر کی وجہ سے "تصحبہ عن الحی" لازم نہیں آئے گا۔ مگر اس حیات کا اس دنیوی جسد اطہر سے تعلق ہونے کی وجہ سے وہ من وجہ دنیوی حیات ہی ہے۔

اس عبارت میں اس کی نفی نہیں کی گئی بلکہ من کل الوجوہ ایسی حیات دنیویہ ہونے کی نفی کی گئی ہے جس سے وہ قربانی زندہ کی طرف سے سمجھی جائے۔ ظاہر ہے کہ عالم برزخ میں من کل الوجوہ دنیوی حیات کا کوئی بھی قائل نہیں ہے جو بھی قائل ہے وہ بعض وجوہ سے دنیوی حیات کا قائل ہے۔ اس کے حضرت مولانا عثمانی تھانوی قدس سرہ بھی قائل ہیں۔

حضرت علامہ عثمانی رحمہ اللہ کی عقائد علماء دیو بند پر تصدیق

چنانچہ احقر کے رسالہ "عقائد علماء دیو بند" پر تصدیق فرماتے ہوئے ارقام فرمایا ہے: "فقد سرحت النظر فی ھذہ الرسالۃ خطفۃ فوجدتہا صحیحۃ نفساً علقہ قد ذکر المؤلف فیہا عقائد علمائنا و مشائخنا اخذا من المھند وغیرہ من مؤلفات اکابرنا من علماء دیو بند" (ص ۱۷۶)

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی رحمہ اللہ اس رسالہ کی پرزور الفاظ میں تصحیح فرما رہے ہیں اور المہند وغیرہ میں درج اپنے اکابر و مشائخ علماء دیو بند کے عقائد کا حوالہ دے رہے ہیں۔ نیز "مسئلہ حیات النبی ﷺ میں اکابر دیو بند کا متفقہ اعلان" پر حضرت مولانا رحمہ اللہ کے دستخط ثبت ہیں اور اس میں تصریح ہے کہ "جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور حیات دنیوی کے مماثل ہے۔" اس اعلان کے متن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

اس اعلان اور اس تصدیق کے ہوتے ہوئے اس میں کیا شک رہ جاتا ہے کہ حضرت مولانا رحمہ اللہ کا عقیدہ اپنے اکابر علماء دیو بند رحمہم اللہ کے ساتھ ہے اور وہ اس عقیدہ میں اکابر علماء دیو بند کے ہم نوا ہیں۔

***

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

مسلک اہلسنت والجماعت

"ستفترق امتی علی ثلاثۃ و سبعین ملۃ کلھم فی النار الا ملۃ واحدۃ قالوا من ھی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ و اصحابی" (ترمذی)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی سب دوزخ میں داخل ہوں گے۔ صرف ایک فرقہ جنت میں جائے گا، صحابہ نے عرض کیا کہ وہ کون سا ہے اے رسول خدا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس عقیدے پر میں ہوں اور میرے اصحاب رضی اللہ عنہم اور ایک روایت میں بہتر دوزخ میں ہوں گے اور ایک جنت میں اور یہی جماعت ہے "و ید اللہ علی الجماعۃ و من شذ شذ فی النار" اللہ تعالیٰ کی مدد جماعت و جمہور پر ہوتی ہے جو شخص اس سے علیحدہ ہوا وہ دوزخی ہے۔

"اتبعوا السواد الاعظم" (ابن ماجہ) فرمایا کہ تم پیروی کرو بزرگ جماعت کی ورنہ شذوذ کا وبال دوزخ ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

قرآن وحدیث کی نصوص سے جمہور صحابہ وتابعین اور سلف صالحین کی اتباع کی تاکید ثابت ہوتی ہے اور جمہور سلف صالحین صحابہ اور تابعین کی مخالفت اور ان کے طریقے سے اعتزال وشذوذ ممنوع اور اس کی سزا دوزخ ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر دل وزبان سے ایمان لانے کے بعد ہر مسلمان پر لازم ہے کہ مذہب اہلسنت والجماعت کو خوب مضبوطی کے ساتھ پکڑ لے اور عمر بھر عقیدہ اہلسنت والجماعت پر قائم رہے۔چونکہ اہلسنت والجماعت ہی فرقہ ناجیہ ہے۔جیسا کہ احادیث متذکرہ بالا سے واضح ہو رہا ہے۔

شرح حدیث

حضرت مولانا بدر عالم صاحب رحمہ اللہ ''ماانا علیہ واصحابی'' کی تحقیق میں تحریر فرماتے ہیں:''صحابہ کا سوال فرقۂ ناجیہ کے متعلق تھا آپ کا صاف جواب ''وانا اصحابی'' ہونا چاہئے تھا یعنی وہ جماعت میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔بلاشبہ اس وقت فرقۂ ناجیہ کا مصداق یہی جماعت تھی اور اگر اس سے بڑھ کر کوئی آئین کلی بتانا مقصود تھا تو وہ کتاب وسنت ہے۔بلکہ ''ماانا علیہ واصحابی'' کا حاصل بھی یہی ہے۔پھر آپ کے اصحاب کا طریقہ آپ کے طریق کے سوا اور طریق نہیں تھا۔جس کے مستقل طور پر بیان کرنے کی ضرورت معلوم ہونی چاہئے۔

''بے شک متبادر یہی تھا کہ جواب ''انا واصحابی'' ہوتا مگر یہاں سائل کا مقصود اس کے زمانے کی جماعت حق کا تعین نہ تھی۔وہ دور فتن میں حق جماعت کی تعیین کا طالب تھا۔اگر اسے آپ کتاب وسنت کا ہی معیار بتاتے تو یہ جواب اس دور کے مناسب حال نہ ہوتا۔جس میں ہر باطل سے باطل فرقے کا دعویٰ یہی ہوتا ہے کہ وہی کتاب وسنت کا حامل ہے۔اس لئے یہاں آپ نے وہ فیصلہ کن آئین بتانا چاہا ہے جو اس زمانے کے بھی مناسب حال ہو۔وہ صرف کتاب وسنت نہیں بلکہ اس کی وہ عملی تصویر ہے جو آپ نے اپنے صحابہ کے سامنے بطریق اسوہ پیش فرمائی تھی۔اس لئے یہاں افراد واشخاص کی بحث چھوڑ کر ان اوصاف کو بتا دیا گیا ہے جو فرقۂ ناجیہ کی تعیین کے لئے ہمیشہ کے لئے کارآمد ہوں۔

اس جواب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دور فتن میں کچھ ایسا تعصب نمودار ہو جاتا ہے کہ اس زمانے کی کٹ حجتی ختم کرنے کے لئے صرف الفاظ کافی نہیں ہوتے یہاں حقیقت ومجاز عموم وخصوص کے احتمالات پیدا کر دینے کا سہارا باقی رہتا ہے۔اس لئے آنحضرت ﷺ کا دوٹوک عمل ہی وہ کھلی ہوئی شریعت ہے جس میں یہ احتمالات نہیں چلتے۔اسی لئے اس دور فتن کا بنیادی مسئلہ اسی تفصیلی شریعت کا انکار ہوا کرتا ہے۔قرآن کریم سے زیادہ لوگ حدیث کا انکار کرتے ہیں اور حدیث سے زیادہ فقہ کا۔

رہا یہ کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ کی سنت کو یہاں مستقل حیثیت کیوں دی گئی ہے تو اس کی وجہ بظاہر اس کامل اعتماد کا اظہار کرنا ہے جو آپ کو اپنے صحابہ کے فہم پر حاصل تھا......صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعض اعمال کی صورت گو دور سنت میں ہمیں نظر نہ آئے مگر مقاصد شریعت کے لحاظ سے اس کا عین شریعت کے مطابق ہونا ضروری ہے۔لیکن دور فتن میں صحابہ کے متعلق یہ حسن ظن رہنا مشکل ہے۔اس لئے اس بحث کو ختم کرنے کے لئے ان کے طریق کو ایک مستقل حیثیت دے دی گئی ہے......خود وحی الٰہی کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بار بار تصویب کرنا اس بات کی کھلی ضمانت تھی کہ آئندہ بھی ان کی

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اصابت رائے امت کو تسلیم ہونا چاہئے۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ اگر آنحضرت ﷺ ہمارے زمانے میں ہوتے تو موجودہ بے احتیاطیوں کو دیکھ کر عورتوں کا مسجدوں میں آنا بند کردیتے۔ اس اختلاف صورت اور اتحاد مقصد کے پیش نظر مناسب ہوا کہ "ماانا علیہ" کے ساتھ ساتھ "واصحابی" کا لفظ اور اضافہ کردیا جائے۔"

حضرت مولانا سید بدر عالم مرحوم فرماتے ہیں "جماعت اور سواد اعظم سے وہی جماعت سواد اعظم مراد ہے جو "ماانا علیہ واصحابی" یعنی کتاب وسنت کی متبع ہے۔ اگر ان ہر سہ الفاظ کا خلاصہ نکالو تو یہ ہوگا کہ اہل حق ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ جماعت آنحضرت ﷺ کے طریقے پر ہو اور نہ صرف یہی بلکہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ کے طریق کا بھی احترام کرنے والی ہو اگر کوئی جماعت صرف آپ کے طریقے کا احترام کرتی ہے لیکن صحابہ کے طریق کا احترام نہیں کرتی تو وہ ان الفاظ کے حدود سے باہر ہے۔ دور فتن میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب کے مابین تفریق کا عقیدہ بھی ظاہر ہو چکا۔

اسی اہمیت کے پیش نظر الفاظ بالا میں صحابہ کرام ؓ کی سنت کو ایک مستقل حیثیت دے دی گئی ہے۔ ورنہ جس طرح رسول کا طریقہ خدا تعالیٰ کے طریق سے علیحدہ نہیں۔ ٹھیک اسی طرح صحابہ کی سنت آنحضرت ﷺ کی سنت سے علیحدہ نہیں۔ اس لئے فرقہ ناجیہ کی ایک بڑی علامت یہ ہے کہ وہ ان دونوں طریق کی جو بہ حقیقت ایک ہی ہیں۔ اپنے اپنے مرتبے میں بزرگی اور احترام کی قائل ہو۔ بلکہ اس پر گامزن بھی ہو۔ خوارج نے صرف سنت رسول کو لیا صحابہ کی ایک جماعت کو کافر ٹھہرایا۔ یہی ان کے ناحق ہونے کی پہلی علامت تھی اور اسی کی طرف حضرت ابن عباس ؓ نے بھی اپنے کلام میں اشارہ فرمایا تھا۔" (ترجمان السنۃ ج ۱ ص ۸۵)

اہل سنت کے امتیازات

مولانا محمد منظور نعمانی نے بھی اہلسنت کی انہیں خصوصیات اور امتیازات کا تذکرہ تفصیل سے فرمایا ہے۔ تغیر وتبدیل کے ساتھ مختصر طور پر ذیل میں ملاحظہ ہو:

اہلسنت کا امتیاز اور ان کی خصوصیت یہ ہے کہ "ماانا علیہ واصحابی" یعنی رسول اللہ ﷺ کی سنت اور صحابہ کرام کے طریقے کو مضبوطی سے پکڑا ہے۔ وہ اس کے مقابلے میں اپنی عقل ورائے کی اور دنیا کی قیل وقال کی پرواہ نہیں کرتے۔ بہرحال اہلسنت والجماعت اور ان دوسرے فرقوں کے درمیان عقائد اور خیالات میں جتنے بھی اختلافات ہیں وہ سب طرز فکر کے اسی بنیادی فرق کا نتیجہ ہیں۔

دوسرے فرقوں کا حال یہ ہے کہ وہ سنت کو اور جماعت صحابہ کو اتنی اہمیت نہیں دیتے۔ ان فرقوں میں سب سے پہلے پیدا ہونے والے دو فرقے خوارج اور شیعہ ہیں، شیعوں کی اگرچہ بہت سی شاخیں ہیں۔ لیکن یہ بات قریباً سب میں مشترک ہے کہ دین کے معاملے میں صحابہ کرام ؓ ان کے نزدیک قطعاً قابل اعتماد نہیں۔ بلکہ ان کے اکثر فرقے تو جمہور صحابہ ؓ کو معاذ اللہ منافق اور مخرب دین سمجھتے اور جو مقام سنت کا ہونا چاہئے۔ وہ ان کے نزدیک ان کے ائمہ کے اقوال وافعال کا ہے۔ بلکہ واقعتاً ان کے سارے مذہب کی بنیاد ان کے ائمہ کی روایات ہی پر ہے۔

اور خوارج کا حال یہ ہے کہ صحابہ کرام ؓ کے اجتماعی مسلک اور اجماعی فیصلوں کا اتباع جس طرح اہلسنت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ضروری سمجھتے ہیں وہ نہیں سمجھتے۔ گویا ان کے نزدیک یہ ہوسکتا ہے کہ دین کی کسی حقیقت کو اور قرآن وسنت کی کسی بات کو سمجھنے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت یا ان کی بڑی تعداد غلطی کر جائے اور بعد والے اس کو صحیح سمجھیں۔ لیکن اہلسنت اس خیال کو گمراہی بلکہ سینکڑوں گمراہیوں کا سرچشمہ سمجھتے ہیں۔ دوسرے تمام فرقوں کے مقابلے میں اہلسنت والجماعت کا امتیاز اور ان کا شعار یہی ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتماعی مسلک کو واجب الاتباع سمجھتے ہیں اور ان کا بنیادی اصول یہی ہے کہ دین کی جس حقیقت کو اور کتاب وسنت کی جس بات کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت نے جس طرح سمجھا اور مانا اور ان کے درمیان اس میں اختلاف رائے نہیں ہوا اس کو اسی طرح سمجھنا اور ماننا ضروری ہے اور کسی کے لئے اس میں اختلاف رائے کی اور نئے سرے سے اس پر غور کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

الغرض اہلسنت والجماعت دین کی کسی حقیقت اور کسی مسئلے پر صحابہ کرام کے اجماع اور اتفاق کو فیصلہ کن چیز سمجھتے ہیں جس سے اختلاف کرنے کی ان کے نزدیک کسی کو گنجائش نہیں۔ اسی لئے ان کو اہلسنت والجماعت کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کتاب اللہ کے بعد سنت اور جماعت صحابہ کی دین میں اہمیت تسلیم کر لی ہے اور اپنے کو ان کا اتنا پابند بنا دیا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ اہلسنت والجماعت کا خصوصی امتیاز یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کو دین کی اصل واساس ماننے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یعنی آپ کے ارشادات اور آپ کے طرز عمل کو اس کی شرح اور اس کے اجمال کی تفصیل سمجھتے ہیں اور جو چیزیں قرآن مجید میں بیان نہیں کی گئی ہیں اور سنت میں ان کا بیان ہے۔ ان کے نزدیک وہ بھی واجب الاتباع اور جزو دین ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی یہ حیثیت تسلیم کر لینے کے بعد وہ جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ حیثیت بھی تسلیم کرتے ہیں کہ کتاب وسنت کا جو منشاء انہوں نے سمجھا اور جن امور پر ان کا اجماع ہو گیا وہ بھی واجب الاتباع ہیں اور کسی مسلمان کو حق نہیں ہے کہ ان کے اجتماعی مسلک اور اجماعی فیصلوں کے خلاف اپنی کوئی رائے رکھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا مکتوب گرامی

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے مکتوب گرامی میں جس کو ابوداؤد میں سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اہلسنت کے اس مسلک کی بڑی واضح ترجمانی فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں: ''ولئن قلتم لم انزل اللہ اٰیة کذا ولم قال کذا؟ لقد قرأوا منه ما قرأتم وعلموا من تاویله ما جهلتم وقالوا بعد ذالک کله بکتاب وقدر''

(ابوداؤد کتاب السنہ باب فی لزوم السنۃ)

''مطلب یہ ہے کہ اگر تم قرآن مجید کی بعض آیات کو اس کے خلاف پا رہے ہو اور اپنی دانست میں تم ان آیتوں کو مسئلہ تقدیر کے خلاف سمجھتے ہو تو یہ تو سوچو کہ یہ سب آیتیں قرآن مجید میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی پڑھی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت اور آپ کے فیض صحبت سے وہ قرآن کو تم سے بہتر سمجھنے والے تھے۔ اس کے باوجود وہ اس مسئلہ تقدیر کے قائل ہوئے۔ پس اس سے تمہیں خود سمجھ لینا چاہئے کہ تم ان آیتوں کا مطلب سمجھنے میں غلطی کھا رہے ہو۔''

غرضیکہ اہلسنت والجماعت کا مسلک اور ان کا بنیادی اصول یہی ہے جو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے اس مکتوب میں بیان فرمایا ہے یعنی دین کے بارے میں جماعت صحابہ پر پورا اعتماد کرنا اور ان کے مقابلے میں

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اپنے علم وفہم کو ناقص اور نارسا سمجھتے ہوئے ان کے اجماعی مسلک اور اجماعی فیصلوں کی پوری پوری تقلید کرنا، جمہور امت کا مسلک بھی رہا ہے اور یہی وہ صحیح مسلک ہے جس کو حدیث شریف میں "ما انا علیہ واصحابی" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

ایک گمراہ کن مغالطہ

بعض لوگ جن کی نظر میں سلف کی اتباع کی اتنی اہمیت نہیں ہے وہ کہا کرتے ہیں کہ اصل چیز بس قرآن وحدیث ہے اور دین میں ہم قرآن وحدیث کے سوا کسی چیز کو سند نہیں مانتے؟

یہ بات صحیح ہے کہ اصل چیز دین کے بارے میں قرآن وحدیث ہی ہیں لیکن یہ لوگ اس بات کو غلط معنی میں استعمال کرتے ہیں اور مغالطہ دیتے ہیں گویا یہ کلمہ حق ارید بہا الباطل کے لئے استعمال کیا جارہا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ سلف صالحین کا اتباع نہیں چاہتے اور جن کو ان کے علم وفہم سے زیادہ اپنے علم وفہم پر اعتماد ہے وہ اپنی رائے اور اپنی سمجھ کا اتباع کرتے ہیں اور کتاب وسنت کا نام لے کر دوسروں کو بھی اسی کے اتباع کی دعوت دیتے ہیں۔

پس ہمارے اور ان کے طرز فکر اور طرز عمل میں فرق یہ نہیں ہے کہ وہ دین میں اصل سند کتاب وسنت کو قرار دیتے ہیں اور ہم سلف صالحین کو۔ بلکہ یہ ہے ہم کتاب وسنت کا منشاء متعین کرنے کے بارے میں سلف صالحین کے فہم وفکر کو زیادہ قابل اعتماد سمجھتے ہیں اور وہ اپنے خیالات اور اپنے فہم پر زیادہ بھروسہ کرتے ہیں اور چاہتے کہ دوسرے لوگ بھی بجائے سلف کے ان کی تقلید کریں۔

خوارج کا قرآنی نعرہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جواب

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ خوارج کے مجمع کو سمجھانے کے لئے تشریف لے گئے۔ خوارج نے قرآن کا نعرہ لگایا کہ ہم بس کتاب اللہ کو مانیں گے جیسا کہ آج کل کے بہت سے گمراہ فرقے ایسا ہی نعرہ لگایا کرتے ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید ہاتھ میں لے کر اس کو اوپر اٹھایا اور فرمایا "ایہا المصحف حدث... ایہا المصحف حدث" یعنی اے قرآن بول یعنی اے قرآن بول، بار بار یہی فرمایا پھر کچھ دیر خاموش رہ کر خوارج سے مخاطب ہو کر فرمایا تم نے دیکھ لیا کہ قرآن میرے کہنے سے بھی نہیں بولا۔ گویا اس تدبیر سے انہیں بتلایا کہ قرآن کی پیروی کی صورت یہی ہے کہ جو قرآن کو سمجھنے والے والے ہیں وہ جو کچھ قرآن سے سمجھ کر بتلائیں۔ اس کی پیروی کی جائے۔ کتاب وسنت بولتے ہوئے انسان تو نہیں ہیں کہ ہم ان سے کوئی سوال کریں اور وہ ہم کو ہماری زبان میں جواب دے دیں۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا احمقوا جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست قرآن کو اور دین کو حاصل کیا، کیا تم سمجھتے ہو کہ تم ان سے زیادہ قرآن کو اور دین کو جاننے والے ہو؟ پھر آپ نے ان کے خیالات وشبہات کا تفصیلی رد کیا۔

ہمارے زمانہ کے نئے فرقوں کی ذہنیت

مولانا منظور نعمانی لکھتے ہیں: "اس واقعہ سے مجھے صرف یہ بتلانا تھا کہ ہمارے اس زمانے کے جو لوگ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور جو نئے فرقے اتباع سلف کے اصول کے قائل نہیں اور کہتے ہیں کہ ہم صرف کتاب وسنت کو مانتے ہیں دراصل ان کی ذہنیت بالکل وہی ہے جو ان خوارج کی تھی اور وہ لوگوں کو سلف کے اتباع سے توڑ کر اپنے متبعین میں داخل کرنا چاہتے ہیں اور جو سادہ لوح ان کی بات مانتے ہیں وہ درحقیقت سلف صالحین کے اتباع سے آزاد ہو کر خود ان کے متبع اور مقتدی بن جاتے ہیں اور اسی سے امت میں نئے نئے فرقے اور نئے نئے گروہ پیدا ہوتے ہیں۔ بہرحال دین کے بارے میں سلف صالحین پر اعتماد اور ان کے اتباع ہمارے نزدیک نہایت ضروری ہے اور اسی میں تمام مسلمانوں کے دین اور ایمان کی حفاظت ہے۔" (دین وشریعت ص ۱۳۶)

ایک استدلال کا جواب

قبر میں عود روح کی وجہ سے حیات کو نص قرآنی کے خلاف سمجھنا بھی سلف صالحین کی اتباع سے آزاد ہو کر اظہار خیال کی ایک مثال ہے، بعض لوگوں نے حافظ ابن حزم کی اتباع میں آیت کریمہ: "اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی"

(ترجمہ) اللہ قبض کر لیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور ان جانوں کو قبض کرتا ہے جو نہیں مرتیں ان کی نیند میں سو روک لیتا ہے ان جانوں کو مقرر وقت تک چھوڑ دیتا ہے۔ اس سے ثابت کیا ہے کہ اس نص قرآنی سے ثابت ہوا کہ وہ تمام ارواح جن کا ذکر ہم نے کیا ہے قیامت سے پہلے جسم کی طرف نہیں لوٹتیں۔ (کتاب الروح ص ۵۱)

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے اس استدلال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"فاما کہ سبحانہ التی قضی علیھا الموت لا ینافی ردھا الی جسدھا المیت فی وقت ما رواعارضاً لا یوجب لہ الحیوۃ المعھودۃ فی الدنیا واذا کان النائم روحہ فی جسدہ وھو حی وحیاتہ غیر حیاۃ المستیقظ فان النوم شقیق الموت فھذا المیت اذا اعیدت روحہ الی جسدہ کانت لہ حال متوسطۃ بین الحی وبین المیت الذی لم ترد روحہ الی بدنہ کحال النائم المتوسطۃ بین الحی والمیت فتأمل ھذا یزیح عنک اشکالات کثیرۃ" (کتاب الروح ص ۵۳)

اللہ تعالیٰ کا ان جانوں کو روکنا جن پر موت کا فیصلہ کر چکا ہوتا ہے اس کے منافی نہیں کہ ارواح کو بے جان جسم کی طرف کسی وقت عارضی طور پر ایسے طریقہ پر لوٹا دے جس سے دنیا کی معہود زندگی ثابت نہ ہو۔ جیسا کہ سونے والا شخص کہ اس کی روح اس کے جسم میں ہوتی ہے اور وہ زندہ ہوتا ہے۔ مگر اس کی حیات بیدار آدمی کی حیات کے غیر ہوتی ہے۔ کیونکہ نیند موت کی بہن ہے اسی طرح مردہ کا معاملہ ہے کہ جب روح اس کے جسم کی طرف لوٹائی جاتی ہے تو اس کا حال زندہ اور ایسے مردہ کے حال کے درمیان ہوتا ہے جس کی طرف روح نہ لوٹائی گئی ہو جیسا کہ سونے والے کا حال زندہ اور مردہ کے درمیان ہوتا ہے۔ اس مثال میں خوب غور کرو اس سے تمہارے بہت سے اشکالات رفع ہو جائیں گے۔

مفسرین کرام کی تصریح کے مطابق موت میں ارواح کو روک لینے کا مطلب یہ ہے کہ ارواح ابدان میں تدبر وتصرف نہیں کرتیں اور ان کو تدبیر وتصرف سے روک دیا جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہ بدن میں خون کا دوڑنا ہو، سانس چلے، کھانا ہضم ہو، نبضیں چلیں، بدن کا نشوونما ہو۔ مثلاً بال بڑھیں ناخن بڑھیں۔ جیسا کہ دنیا میں یہ کارروائی ہوتی

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تھی۔ چنانچہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ ''اللہ یتوفی الانفس حین موتها'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''ای یقبضها عن الابدان بان یقطع تعلقها تعلق التصرف فیها عنها الخ''

(ترجمہ) یعنی اللہ تعالیٰ ارواح کو ابدان سے قبض کرتا ہے بایں طور کہ ابدان میں ارواح کے تصرف کا تعلق باقی نہیں رہتا۔ (روح المعانی ج ۲۴ ص ۷)

اس عبارت میں ''تعلق التصرف فیها عنها'' کے الفاظ صاف طور پر اس حقیقت کو واضح کر رہے ہیں کہ موت میں ارواح کا ابدان سے تصرف کا تعلق باقی نہیں رہتا۔ جب موت میں امساک ارواح کا مطلب یہ ہے کہ ارواح کو ابدان میں تصرف کرنے سے روک دیا جاتا ہے تو اب تصرف فی الابدان اور دنیا کی حیات معہودہ ثابت کرنے کے لئے عود روح تو امساک کے خلاف ہوگا۔ مگر روح کا اس طرح بدن کی طرف عود کرنا جس سے دنیا کی حیات معہودہ ثابت نہ ہو اور بدن میں تدبیر و تصرف بھی حاصل نہ ہو۔ ایسا عود امساک ارواح کے خلاف نہیں ہے اور قبر میں جو عود روح احادیث صحیحہ سے ثابت ہے وہ ایسا ہی ہے جس سے تصرف و تدبیر بدن میں حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ امساک ارواح کے خلاف نہیں ہے۔ اس کے امساک ارواح کے یہ معنی نہ لئے جائیں اور مفسرین کے بیان کردہ اس مطلب کو تسلیم نہ کیا جائے اور امساک ارواح سے یہ مراد ہو کہ ارواح کو اس طرح روک لیا جاتا ہے کہ وہ کسی طرح سے بھی حرکت وغیرہ نہیں کرتیں اور کسی ایک مقام میں محبوس و بند کر دی جاتی ہیں تو یہ مطلب ان تمام احادیث صحیحہ کے خلاف ہوگا۔ جن میں ارواح کا موت کے بعد جنت میں چلنا پھرنا، سیر کرنا وغیرہ ثابت ہوتا ہے اور آیت مبارکہ میں ارسال سے چونکہ ارواح کا دوبارہ ابدان میں آ کر تصرف کرنا مراد ہے اور امساک کا اسی ارسال کے مقابلہ میں بیان فرمایا گیا ہے اس لئے لامحالہ امساک سے ایسے ارسال کی نفی ہوگی جس میں تصرف فی البدن پایا جائے اور فیمسک میں امساک بمقابلہ ارسال مذکور ہونے سے ثابت ہو گیا کہ یہ امساک عود روح فی الجسد اور عالم قبر میں فی الجملہ حیات حاصل ہونے کے مخالف اور معارض نہیں ہے جس کا ثبوت احادیث صحیحہ سے ہو رہا ہے۔ بہرحال قرآن کریم کی اس آیت اور عود روح کی احادیث میں کسی قسم کا تعارض نہیں ہے اور نہ ہی یہ آیت اس بارہ میں نص صریح ہے کہ عالم قبر میں روح کا اعادہ کسی قسم کا بھی نہ ہوگا۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''پھر (اس معطل کرنے کے بعد) ان جانوں کو تو (تصرف فی الابدان کی طرف عود کرنے سے) روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو (جو کہ نوم میں معطل ہو گئیں تھیں اور ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا) ایک معیاد معین (یعنی مدت عمر) تک کے لئے رہا کر دیتا ہے (کہ جاگ کر پھر بدستور ابدان میں تصرف کرنے لگتی ہیں)'' (بیان القرآن ج ۱۰ ص ۲۵)

الغرض اس آیت کریمہ سے حیات فی القبر کی اس نوع کا رد اور اعادۃ الروح الی الجسد کے اس مفہوم کا ابطال جس کے جمہور مثبت ہیں اور روح کا جسم سے قبر میں ایسا تعلق جس سے دنیوی حیات معہودہ تو ثابت نہ ہو مگر عند القبر سماع اور قبر کی راحت و تکلیف وغیرہ کا ادراک ہو سکے۔ اس آیت سے اس کی نفی کسی طرح بھی نہیں ہوتی۔ مگر آج کل بعض لوگ اس آیت سے عود روح الی الجسد اور حیات فی القبر کی احادیث کا رد کرنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر تفصیل سے گزرا اور یہ بھی ثابت ہوا کہ حیات فی القبر کا اس آیت سے انکار ایسے ہی لوگوں

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نے کیا ہے جو عذاب قبر کا انکار کرتے ہیں اس زمانہ میں جو لوگ اس آیت سے اعادہ روح کا انکار کر کے حیات فی القبر کا انکار کر رہے ہیں وہ انہیں لوگوں کی روش پر چل رہے ہیں جو عذاب قبر کا انکار کرتے ہیں۔

اس تفصیل سے مقصد یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے مطلب اور معنی سمجھنے اوران کے مفہوم ومراد کے متعین کرنے میں حضرات سلف صالحین کے فہم پر اعتماد کرنا ضروری ہے اس کے بغیر قرآن وسنت کے صحیح معنی اور مراد کو صرف اپنے فہم وعلم کی بنیاد پر سمجھنا درست نہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا ارشاد

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: ''سعادت آثارا آنچہ برماوشمالازم است تصحیح عقائد بمقتضائے کتاب وسنت برنہجے کہ علماء اہل حق شکر اللہ سعیہم از کتاب وسنت آں عقائد را فہمیدہ اند واز انجا اخذ کردہ، چہ فہمیدن ماوشما از حیز اعتبار ساقط است اگر موافق الہام ایں بزرگواراں نباشد زیرا کہ ہر مبتدع وضال احکام باطلہ خودراازکتاب وسنت فہمد واز اں جا اخذ می غاید والحال انہ لایغنی من الحق شیئاً''

(مکتوبات دفتر اول حصہ سوم ص ۳۳ مکتوبات نمبر ۱۵۷ طبع امرتسر)

''اے نیک بخت جو چیز ہم پر اورتم پر لازم ہے وہ کتاب وسنت کے مطابق عقائد کی اصلاح کرنا ہے۔مگر اس طریقہ پر کہ علمائے اہل حق نے (اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو بارآور کرے) کتاب وسنت سے ان کو سمجھا ہے اور ان سے اخذ کیا ہے کیونکہ ہمارا اورتمہارا سمجھنا اگر ان بزرگوں کے فہم کے مطابق نہ ہوا اعتبار کے مقام سے ساقط ہے۔ کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے باطل احکام کو کتاب وسنت ہی سے سمجھتا ہے اور وہیں سے اخذ کرتا ہے۔ حالانکہ اس کا یہ سمجھنا حق کی کسی چیز سے مستغنی نہیں کرتا۔''

حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ بایں ہمہ کمالات علمی وعملی اور علوشان کے صاف طور پر فرمارہے ہیں کہ ہمارا اور تمہارا سمجھنا اگر علمائے حق کی سمجھ کے مطابق نہ ہوتو وہ اعتبار واعتماد کے ہرگز لائق نہیں تو آج اس زمانے میں کسی اور کا کیا مقام ہے کہ جس کی سمجھ بزرگان سلف کی سمجھ سے زیادہ قابل اعتبار واعتماد ہوسکے۔ دوسری بات حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ کی عبارت سے یہ واضح ہوئی کہ کسی شخص یا فرقے کا کتاب وسنت سے استدلال کرنا ضروری نہیں کہ وہ قابل اعتبار ہی ہو اور صرف قرآن وسنت کا نعرہ اس کے حق پر ہونے کی ضمانت نہیں ہوتا۔ چونکہ ہر بدعتی اور گمراہ فرقہ اپنے باطل عقائد ونظریات کو بہ زعم خود کتاب وسنت سے ہی سمجھتا اور وہاں ہی سے حاصل کرتا ہے۔ اس لئے سلف صالحین کی تفسیر وتشریح کے خلاف قرآن وسنت سے استدلال ضرور مغالطہ پر مبنی ہوگا اور گمراہ وباطل فرقوں کی پیروی ہوگی۔

علامہ ابن الہادی رحمہ اللہ کا ارشاد

حضرت علامہ ابن عبدالہادی رحمہ اللہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ: ''ولا یجوز احداث تاویل فی اٰیۃ وسنۃ لم یکن علی عہد السلف ولا عرفوہ ولا بینوہ للامۃ فان ہذا یتضمن انہم جہلوا الحق فی ہذا وضلّوا عنہ واہتدی الیہ ہذا المعترض المتاخر فکیف اذا کان تاویل یخالف تأویلہم ویناقضہ وبطلان ہذا التأویل اظہر من ان یطنب فی ردہ'' (الصارم المنکی ص ۲۴۷ طبع مصر)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جائز نہیں کہ کسی آیت یا حدیث کا کوئی ایسا معنی اور تاویل کی جائے جو حضرات سلف کے زمانے میں نہ کی گئی ہو اور نہ انہوں نے وہ تاویل کبھی ہو اور نہ امت کے سامنے بیان کی ہو۔ کیونکہ یہ اس بات کو متضمن ہے کہ سلف اس میں حق سے جاہل رہے اس سے بہک گئے اور یہ پیچھے آنے والا معترض اس کی تہہ کو پہنچ گیا۔ خصوصاً جب کہ متاخر کی تاویل سلف کی تاویل کے خلاف اور اس کے برعکس ہو۔ پھر کیوں کر وہ قبول کی جاسکتی ہے اور اس تاویل کا وہ بطلان ایسا ظاہر ہے کہ اس کے رد کے لئے کسی بسط کی بھی ضرورت نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس آیت کریمہ یا حدیث شریف کا جو مطلب اور معنی حضرات سلف صالحین نے نہ سمجھا ہو اور نہ کیا ہو اور متاخرین میں سے کسی نے سمجھا اور کیا ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اور وہ مطلب و معنی یقیناً مردود ہے۔

حضرت عزیر علیہ السلام وغیرہ کے واقعات سے استدلال

حضرت عزیر علیہ السلام سے متعلق قرآن کریم کے مضمون سے حضرات سلف صالحین نے سماع موتی کی نفی پر استدلال نہیں کیا۔ اسی طرح اصحاب کہف کے واقعہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ وفات سے بھی سلف صالحین میں سے کسی نے عدم سماع انبیاء علیہم السلام پر استدلال نہیں کیا اور واقعتاً ان واقعات کو عدم سماع موتی، خصوصاً عدم سماع انبیاء علیہم السلام سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ یہ واقعات قرآن کریم میں سلف خلف سب نے پڑھے پڑھائے اور ان آیات کی تفسیریں اور تشریحیں لکھیں۔ مگر کسی نے بھی ان سے انبیاء علیہم السلام کے عدم سماع عند القبر پر استدلال نہیں کیا؟ اب جو شخص ان سے یہ استدلال کرے وہ باطل و مردود ہے اور بقول علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ اس کے رد کے لئے کسی بسط کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ان واقعات کے ہوتے ہوئے سبھی حضرات عند القبر سماع انبیاء علیہم السلام کے قائل تھے جس کی تفصیل آرہی ہے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ قبر اور برزخ کی زندگی میں زمانے کے کم وبیش گزرنے کا احساس نہیں ہوتا۔ ویسے بھی عام طور پر اس دنیوی زندگی میں بھی خوشی اور غمی کی حالت میں وقت اور زمانے کی طرف توجہ اور التفات نہیں رہتا اور اس کی صحیح تعیین اور تحدید نہیں ہو پاتی۔ غمی کی حالت کا زمانہ دراز اور خوشی کے وقت کا زمانہ چھوٹا محسوس ہوتا ہے۔ اس لئے اگر حضرت عزیر علیہ السلام نے برزخ کی خوشی والی سوسالہ حالت کو ایک دن یا اس سے کم سے تعبیر فرمایا ہے تو محل تعجب نہیں ہونا چاہئے اور نہ اس سے یہ سمجھنا چاہئے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کو اس حالت میں کسی بات کا سماع حاصل نہیں تھا۔ کیونکہ زمانے کی مدت معلوم نہ ہونے اور عدم سماع میں کوئی ملازمہ نہیں ہے کہ عدم علم عدم سماع کو مستلزم ہو اور تعیین مدت کا علم نہ ہونے سے عدم سماع ثابت ہو جائے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کے جواب ''لبثت یوما او بعض یوم'' سے واضح ہے کہ آنحضرت علیہ السلام کو اپنے لبث اور قیام کا علم تھا۔ البتہ مدت لبث کی صحیح تعیین کا احساس نہیں تھا تو پھر اس کا جواب سے مطلقاً نفی علم کو کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے؟ اور یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ عزیر علیہ السلام کو اپنے رہنے کا علم ہی نہیں تھا۔ حالانکہ لبثت فرما کر اپنے رہنے کے علم کو تو وہ ثابت فرمارہے ہیں۔ البتہ وقت کی تعیین اور مدت قیام کا صحیح تخمینہ نہیں ہوسکا اور سوسالہ مدت ان کو ایک دن یا اس سے بھی کم محسوس ہوئی۔ اس لئے کم لبثت سے وقت کی تعیین اور مدت لبثت کے سوال و جواب میں اپنے احساس کے مطابق ''لبثت یوما او بعض یوم'' فرمادیا گیا۔ کیونکہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کم لبثت سے زمانہ کی توقیت وتعیین دریافت فرمائی گئی تھی۔ لبث اور لبثت کا فاعل اگرچہ حضرت عزیر علیہ السلام ہیں اور فعل اپنے فاعل کی صفت ہوتا ہے اور اپنی صفات کا علم حضوری ہوتا ہے۔ (الشہاب از قاضی شمس الدین صاحب)

مگر زمانہ اور وقت نہ تو انسان کے ذاتی حالات میں داخل ہے اور نہ صفات میں بلکہ ظرف ہے اور الگ مقولہ ہے۔

لہٰذا لبثت میں ٹھہرنا تو حضرت عزیر کی صفت ہے مگر ٹھہرنے کا زمانہ اور وقت ظرف ہے۔ صفت الگ مقولہ سے ہے اور ظرف الگ مقولہ سے ہے۔ دونوں کو خلط ملط نہیں کرنا چاہئے۔ (الشہاب المبین مولانا سرفراز صاحب)

حاصل یہ ہے کہ لبث اور قیام کا علم تو صفت ہونے کی وجہ سے حضوری تھا اس کو لبثت سے بتلا دیا گیا۔ مگر مدت لبث اور وقت قیام کا علم حضوری نہیں تھا۔ اس لئے اس کی تعیین وتوقیت نہیں ہوسکی۔ کیونکہ زمانہ اور وقت صفت نہیں ہے کہ اس کا علم حضوری ہوتا بلکہ ظرف اور الگ مقولہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ لبث اور مدت لبث دو الگ الگ مقولہ ہیں۔ مدت لبث کے عدم علم سے علم لبث کی نفی لازم نہیں آتی۔ فافہم ولاتکن من القاصرین!

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ واقعہ عزیر علیہ السلام کے فائدہ میں تحریر فرماتے ہیں: ''سو برس تک اسی حال میں رہے اور کسی نے نہ ان کو وہاں آکر دیکھا نہ ان کی خبر ہوئی۔'' (فوائد قرآن ص ۵۵)

جب اس سو سالہ مدت لبث اور قیام فی البرزخ میں کسی نے نہ ان کو وہاں آکر دیکھا اور نہ ان کی خبر ہوئی تو پھر کسی کلام وسلام کے سماع عند القبر سے اس واقعہ کو کیا تعلق باقی رہا؟

نیز حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ اس واقعہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں: ''رہی یہ بات کہ جب دوسروں نے دیکھا نہیں تو لوگوں کے لئے نمونہ قدرت کس طرح ہوگا؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآئن خارجیہ قطعیہ سے ان کا صدق بیان لوگوں کو بطور علم ضروری کے معلوم ہو جاوے گا۔ جیسا کہ خود ان کو ایسے ہی قرآئن سے نیز اپنا مردہ رہنا مدت طویلہ تک معلوم ہو گیا۔'' واللہ تعالیٰ اعلم! (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۵۵)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ نہ کوئی ان کے پاس گیا اور نہ ان کو کسی نے دیکھا۔

صاحب ''جواہر القرآن'' کے استدلال کا جواب

جواہر القرآن میں اس واقعہ سے جو عدم سماع موتی پر استدلال کیا ہے وہ درست نہیں ہے۔ مؤلف جواہر القرآن لکھتے ہیں: ''یہ محض ان کا اندازہ اور تخمینہ تھا، سو سال کا عرصہ انہیں یک روزہ خواب کی طرح معلوم ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ حالت موت میں یہ جلیل القدر پیغمبر علیہ السلام اختلاف لیل ونہار اور انقلابات زمانہ سے بالکل بے خبر تھا۔ اگر انہیں ان چیزوں کا احساس ہوتا تو مدت کا وہ یہ تخمینہ بیان نہ کرتے بلکہ ان کو پوری مدت کا ٹھیک ٹھیک علم ہوتا۔ اس واقعہ سے سماع موتی کی نفی ہوتی ہے، کیونکہ حضرت عزیر علیہ السلام دنیا میں ہونے والے تمام انقلابات سے بے خبر تھے۔ سو سال کے عرصہ میں نہ تو رات دن کے اختلاف کا ان کو پتہ چلا اور نہ ہی بیرونی آوازیں سنائی دیں۔''

(جواہر القرآن ج ۱ ص ۱۲۷)

اس واقعہ میں اگر بالفرض یہ ثابت بھی کر دیا جائے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کو بیرونی آوازیں نہیں سنائی دی گئیں تو بھی اس خاص واقعہ کو سماع موتی کی نفی کے لئے بطور قاعدہ کلیہ کے پیش کرنا درست نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ حضرت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

عزیر علیہ السلام کی یہ موت ایسی معتاد موت نہیں تھی جو عمر کے پورا ہو جانے کے بعد آیا کرتی ہے اور اس کے بعد دنیا میں دوبارہ زندگی نہیں دی جایا کرتی۔ بلکہ غیر معتاد طریقہ پر عام اموات کے برخلاف ان پر یہ موت وارد کی گئی تھی۔ اس لئے عام موتی کو اس خاص میت پر قیاس کر کے عدم سماع موتی پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے اور اختلاف لیل ونہار اور انقلابات زمانہ سے بے خبر رہنے کی وجہ سے عدم سماع پر استدلال کرنا تو بالکل ہی غیر متعلق اور غلط ہے۔ اس لئے کہ یہ امور مسموعات میں سے نہیں۔ جن کے سماع میت میں اختلاف اور گفتگو ہے۔ غیر مسموعات کے عدم علم اور بے خبر رہنے سے مسموعات کے نہ سننے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

اس واقعہ سے حضرت عزیر علیہ السلام کے علم غیب کی تو نفی ہوتی ہے کہ ان کو اپنی موت کے بعد اختلاف لیل ونہار اور انقلابات زمانہ کا علم نہیں ہوا اور اس لئے وہ مدت کا تخمینہ صحیح طور پر نہیں کر سکے۔ مگر اس واقعہ سے سماع کی نفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ حالت موت میں ان سے سلام کلام اور اس کے نہ سننے کا یہاں کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس واقعہ سے جو کچھ ثابت ہوا وہ یہ ہے کہ برزخ میں رہنے کی مدت کا احساس نہیں ہوتا اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وقت کتنا گزرا۔ جیسا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ اس واقعہ کے فوائد میں لکھتے ہیں: ''پانچویں بعد بعثت کے برزخ میں رہنے کی مدت معلوم نہ ہونا (الی ان قال) اور پانچویں امر کی نظیر ان کا جواب میں یوماً اور بعض یوم کہنا ہے جیسا کہ بعینہٖ یہی جواب بعض اہل محشر دیں گے۔'' (بیان القرآن ج۱ ص۱۵۵)

اس عبارت سے واضح ہوا کہ برزخ کی مدت معلوم نہیں ہوتی۔ اس واقعہ سے متعلق مزید بحث ''ہدایۃ الحیران فی جواہر القرآن'' میں طلباء اور علماء کے لئے قابل ملاحظہ ہے وہاں ملاحظہ فرما لیا جائے۔

واقعہ اصحاب کہف سے استدلال کی حقیقت

اسی طرح واقعہ اصحاب کہف سے بھی عدم سماع موتی کا مسئلہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ اس واقعہ سے صرف اس قدر ثابت ہے کہ ان کو نیند میں اپنے رہنے کی مدت اور زمانہ معلوم نہ تھا۔ اس سے کس طرح ثابت ہوا کہ وہ سنتے بھی نہیں تھے؟ پھر مردے کا سونے والے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ نیند میں عام طور پر ادراک وشعور ایک گونہ معطل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نیند کی حالت میں طلاق وعتاق وغیرہ کسی چیز کا اعتبار نہیں ہوتا اور قبر میں اعادہ روح کے بعد میت کا معاملہ برعکس ہوتا ہے۔ میت میں ادراک وشعور اور علم باقاعدہ ہوتا ہے اور اسی بنا پر نکیرین سوال کرتے ہیں اور مردہ اس کا جواب دیتا ہے تو اس کے جواب کا اعتبار ہوتا ہے۔ (از سماع موتیٰ ص ۳۲۲)

زیر نظر رسالہ ایک عرصہ سے لکھا ہوا رکھا تھا، بعض مخلص احباب کی سعی سے اس کے شائع ہونے کے آثار ظاہر ہونے لگے تو اس پر نظر ثانی کی گئی اور اس کے شروع میں ''پیش لفظ'' اور ''مقدمہ'' کا اضافہ بھی کر دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ اس کو قبول ونافع فرمائیں۔ احقر اور تمام معاونین ومددگاروں کے لئے ذخیرہ آخرت بنائیں۔ آمین!

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

خادم مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا

۵ رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد!

آنحضرت ﷺ کی حیات بعد الوفات اور سماع عند القبر میں علمائے دیوبند کا مسلک

پیشتر اس کے کہ آنحضرت ﷺ کی حیات بعد الوفات اور آپ ﷺ کے سماع عند القبر کے بارے میں ہم مسلک علمائے دیوبند پر اکابر رحمہم اللہ دیوبند کی تصریحات پیش کریں، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کی وضاحت کردی جائے کہ مسلک علمائے دیوبند سے ہماری کیا مراد ہے؟

مسلک علمائے دیوبند کی توضیح

معلوم رہے کہ دارالعلوم دیوبند نہ تو کسی اعتقادی یا فقہی مستقل مکتب فکر کا بانی ہے اور نہ ہی کسی مقام، ادارہ یا شخصیت سے تعلق کا نام مسلک علمائے دیوبند ہے۔ اس لئے اس مسلک کی تاریخ بھی قیام دارالعلوم کی تاریخ سے شروع نہیں ہوتی بلکہ جمہور سلف صالحین کے مطابق جو عقائد و افکار قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر سے ''ما انا علیہ و اصحابی'' کی مقدس وراثت کے طور پر منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں، وہی مسلک علمائے دیوبند ہے اور انہیں کی کامل اتباع اور تعلیم و اشاعت دارالعلوم کا طغرائے امتیاز ہے۔

اکابر دیوبند عقائد میں اہلسنت والجماعت کے طریقہ مرضیہ کے پابند اور فروعات میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک حنفی پر گامزن ہیں۔ ان کا سلسلۂ سلوک و تصوف بھی عین سنت کے مطابق اور اسوۂ مشائخ سلاسل اربعہ کے تابع ہے۔

اسلام اور اسلامی عقائد و اعمال اور اخلاق کا سرچشمہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے۔ مگر سنت اللہ کے موافق چونکہ کتاب کے ساتھ رسولوں کو بھی اس لئے بھیجا جاتا ہے کہ وہ قول و عمل سے اس کی تفسیر و تشریح کریں۔ اس سنت مستمرہ سے پتہ چلتا ہے کہ دین کو سمجھنے اور سمجھانے کا راستہ صرف کتاب نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ وہ اشخاص بھی ہیں جو کتاب کے عملی پیکر بن کر اس کی تفصیل و تشریح کرتے ہیں۔ لہٰذا دین کو سمجھنے کے لئے کتاب اللہ اور رجال اللہ لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے کتاب اللہ کو سنت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں ہی ٹھیک طریقے پر سمجھا جاسکتا ہے اور سنت رسول اللہ ﷺ کے سمجھنے کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ نیز دوسرے اکابر دین کے متوارث و متواتر فکر و عمل کی روشنی کی ضرورت ہے۔

سلف صالحین کے خلاف دین کی تعبیر و تشریح کی ہر کوشش گمراہی کی طرف جاتی اور نت نئے فتنوں کو جنم دینے کا سامان فراہم کرتی ہے۔ دین میں جتنے بھی نئے اور گمرائے فرقے پیدا ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان فرقوں نے کتاب و سنت کے معنی اور مطلب کے سمجھنے میں سلف صالحین کے فہم پر اعتماد کرنے کی بجائے خود اپنے ہی فہم پر اعتماد کر کے سلف صالحین کے خلاف دین کی تعبیر اور تشریح کا طریقہ اختیار کرلیا ہوا ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

دین کے ان سرچشموں میں مراتب کا فرق بھی ملحوظ ہے جو مقام کتاب اللہ کا ہے وہ سنت رسول اللہ کو حاصل نہیں ہوسکتا اور جو مرتبہ نبی ﷺ کا ہے وہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو نہیں مل سکتا اور جو درجہ ایک صحابی کو حاصل ہے کوئی بڑے سے بڑا ولی اس درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔

فرق مراتب کے ساتھ دین کے ان سرچشموں میں سے ہر ایک کے حقوق وحدود کی رعایت ہی دارالعلوم دیوبند کا وہ خصوصی مزاج ہے جس نے اسے زمانہ میں دوسرے اداروں اور مکاتب فکر سے امتیاز عطاء کیا ہوا ہے اور جس کی بناء پر اس کا مسلک مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے درمیان ایک ایسی راہ اعتدال کی حیثیت رکھتا ہے جو افراط وتفریط سے بچتی ہوئی کتاب وسنت تک پہنچتی ہے۔

مسلک جمہور اہلسنت کے مطابق اس راہ اعتدال اور خصوصی مزاج کا امتیازی نام ''مسلک علمائے دیوبند اور دیوبندیت'' ہے اور مسلک علمائے دیوبند سے بھی ہماری مراد یہی جمہور اہلسنت والجماعت کا مسلک ہے۔

مقام افسوس

لیکن جس طرح قرآن وسنت کے حاملین اور مسلک اہلسنت والجماعت کے ناشرین کو بدنام کرنے اور ان کی احیائے سنت اور اماتت بدعت کی خدمات پر پانی پھیرنے کے لئے بعض حاسدین اور بدعت پسند لوگوں نے ان کی طرف طرح طرح کے غلط عقائد منسوب کرنے اور بے بنیاد الزامات لگانے کی مہم جاری کی ہوئی ہے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اسی طرح اس زمانے میں بعض وہ حضرات جو علمائے دیوبند کی شاگردی کا دم بھرتے اور علمائے دیوبند کی طرف اپنے انتساب کو باعث فخر بھی سمجھتے ہیں نہ صرف یہ کہ مسلک علمائے دیوبند سے اختلاف رکھتے ہیں بلکہ دیوبند کے اجماعی مسلک کے خلاف علی الاعلان تقریر وتصنیف میں بھی مصروف ہیں۔ ان میں سے بعض ناتجربہ کاروں اور ناعاقبت اندیشوں کا تو یہ حال ہے کہ وہ حالات حاضرہ اور مقتضیات زمانہ سب کو نظر انداز کر کے اور سب سے ہی قطعی طور پر بے پرواہ ہو کر اس اجماعی مسلک کے خلاف دعوت مناظرہ اور چیلنج بازی تک سے بھی نہیں چوکتے اور وہ اس بات کو یکسر نظر انداز کر جاتے ہیں کہ مناظرہ بازی کی اس فضاء سے شر وفساد کا دروازہ کھلتا اور باہمی تعاون اور افہام وتفہیم کا راستہ بند ہوتا ہے۔ نیز ملکی سطح پر بھی اس سے امن وامان کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس افتراق وانتشار کے مضر اثرات کہاں کہاں تک پہنچیں گے۔ اس سے بھی یہ لوگ کلی طور پر خود کو بے نیاز کر لیتے ہیں۔

ایسے پر خطر دور فساد والحاد اور شرور وفتن سے پر زمانے میں، جب کہ عوامی سطح پر مذہب کی گرفت ڈھیلی ہوتی جارہی ہے اور اعتماد سلف کے ساتھ فکر آخرت کا دائرہ بھی سمٹتا چلا جارہا ہے بلکہ خود مذہب سے بھی تنفر بڑھتا چلا جارہا ہے اور ایک طرف نفس اسلام کے مقابلے میں الحادی قوتیں اپنی متفقہ طاقت کے ساتھ صف آراء ہیں اور دوسری طرف مالی قدروں کا خمار مذہب کو عہد رفتہ کی رسمی یاد سے زیادہ کوئی مقام دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ جہاں نفس اسلام اور مہمات اسلام کا تحفظ اور اصول دین کی تبلیغ واشاعت زیادہ قابل اہتمام ہوجاتی ہے وہاں اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دینی طبقوں میں جس جگہ بھی اجتماعی مسلک کے خلاف کوئی چنگاری سلگتی نظر آئے اسے اوّل مرحلے ہی میں بجھا دینے کی پوری جدوجہد کرنا ضروری ہے اور سواد اعظم کے اجماعیات کا تحفظ بھی حافظین مذہب کا منصبی فریضہ ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

دینی حکمت اور دانش مندی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ بیرونی حملے کے وقت بھی داخلی تحفظ کا خاص خیال رکھا جائے اور اس بات پر گہری نظر رکھی جائے کہ دینی حلقوں میں ایسی چنگاریوں کا برداشت ہوتے رہنا کہیں اجتماعی مسلک کو جلا کر خاکستر بنا دینے کا سبب تو نہیں بن رہا؟ اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ تقاضۂ وقت کے مطابق مسئلہ حیات النبی ﷺ اور آپ کے سماع عندالقبر کے بارے میں علمائے دیوبند کا صحیح مسلک واضح کر دیا جائے۔ مگر مناظرہ بازی سے عوامی فضاء کو مسموم اور حالات کو زیادہ خراب کرنے کی کوشش کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے۔

اس سے یہ حقیقت اچھی طرح آشکارا ہو جائے گی کہ بدعت پسند جماعت نے جس طرح اکابر علمائے دیوبند کی طرف غلط عقائد کا انتساب کر کے ان کو بدنام کرنا چاہا ہے۔ اسی طرح مسلک علمائے دیوبند کی جو تصویر اور اس کا جو نقشہ یہ منتسبین دیوبند منبروں اور اسٹیجوں پر پیش کر رہے ہیں، جس سے روز بروز باہمی نزاع اور جدال بڑھتا جا رہا ہے اور آپس کے توحش و تنفر اور کشیدگی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اس کو بھی مسلک علمائے دیوبند سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

عقیدہ حیات النبی ﷺ

جاننا چاہئے کہ سواد اعظم اہلسنت والجماعت کا سلف اور خلف سے یہ عقیدہ چلا آ رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد عالم برزخ میں جو حیات حاصل ہے وہ اسی دنیاوی جسد اطہر کے ساتھ ہے جو دنیا میں آپ کو حاصل تھی اور جس کو روضۂ منورہ میں دفن کیا گیا تھا۔

عالم برزخ میں حضور ﷺ کی ایسی حیات کا جو باعتبار تعلق بالبدن حیات جسمانی ہے آج تک سلف خلف سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں جس نے بھی اس مسئلے پر خامہ فرسائی کی اسے اس متوارث مسئلہ کو تسلیم کرنے سے چارہ نہ رہا۔ احناف و شوافع، موالک و حنابلہ محدثین و متکلمین اور فقہاء، ائمہ دین میں سے کسی ایک نامور شخصیت کا بھی پتہ نہیں چل سکا جس کا یہ عقیدہ ہو کہ (نعوذ باللہ) آنحضرت ﷺ کا جسد اطہر روضۂ منورہ میں محض بے جان اور بے حس و بے شعور پڑا ہے اور روح مبارک کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (معاذ اللہ) فقط جمادی حیثیت میں ہے۔ بعض منتسبین دیوبند کا یہ خیال کہ قبور مبارکہ میں انبیاء علیہم السلام کے اجسام صحیح وسالم اور محفوظ تو ہیں۔ مگر ان کے ارواح طیبات کا ان کے اجسام مبارکہ سے تعلق کچھ نہیں ہے اور وہ قبر مبارک کے پاس سے عرض کئے گئے صلوٰۃ وسلام کا سماع بھی نہیں فرماتے۔ مسلک علمائے دیوبند ہی کے نہیں بلکہ جمہور علمائے اہلسنت والجماعت کے اجماع کے بھی خلاف ہے اور پہلے عرض کیا گیا ہے کہ مسلک علمائے دیوبند کوئی نیا مسلک نہیں ہے بلکہ جمہور اہلسنت والجماعت کے مسلک کا نام مسلک علمائے دیوبند ہے۔ اس سے جو خیال مسلک علمائے دیوبند کے خلاف ہوگا وہ جمہور اہلسنت کے بھی خلاف ہوگا۔ اس حقیقت کو نظرانداز کر دینے کی وجہ سے ہی بعض آزاد مقررین یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم دیوبندی نہیں ہیں اور وہ اپنے دیوبندی ہونے کی نفی کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے۔ اگر ان کی نظر اس حقیقت پر ہوتی کہ دیوبندی ہونے کی نفی کرنے سے اہلسنت ہونے کی نفی بھی ہو جاتی ہے تو وہ اپنے دیوبندی ہونے کی یوں برملا نفی کرنے کی جرأت نہ کرتے۔

غلط نظریہ

ان لوگوں کا یہ خیال دراصل اس غلط نظریے کا نتیجہ ہے کہ موت کے بعد ثواب وعقاب کا سارا معاملہ صرف

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

روح سے ہوتا ہے اور اگر بدن یا اجزائے بدن سے اس معاملے کا تعلق ہوتا بھی ہے تو پھر بھی روح کا تعلق ان ابدان عنصر یہ مدفونہ سے نہیں ہوتا۔ بغیر تعلق روح کے ہی یہ بدن یا اجزائے بدن مثاب یا معذب ہوتے ہیں۔

یہ نظریہ جمہور اہلسنت کے اس اعتقادی پہلو سے قطعی طور پر متصادم ہے کہ ثواب وعقاب کا معاملہ صرف روح سے نہیں بلکہ اجساد عنصر یہ مدفونہ یا اس کے اجزاء بھی جس حالت میں بھی وہ پائے جاتے ہوں اور جس مقام میں بھی وہ ہوں روح کے تعلق سے لذت والم کا ادراک کرتے ہیں اور قبر کے ثواب وعذاب کا معاملہ روح اور بدن دونوں کے مجموعے سے متعلق ہوتا ہے۔ بنی آدم کی ارواح وفات کے بعد خواہ علیین اور سجین میں استقرار پذیر کیوں نہ ہوں ان کا ایسا تعلق اجساد عنصر یہ مدفونہ یا اس کے اجزاء سے ضرور قائم کیا جاتا ہے جس سے لذت والم کا ادراک ہو سکے۔

معتزلہ اور روافض کا نظریہ

اہلسنت والجماعت کے برخلاف معتزلہ اور روافض عذاب قبر کے قائل نہیں ہیں ان کا نظریہ یہ ہے کہ قبر میں عذاب وثواب کچھ نہیں ان کے نزدیک اجساد مدفونہ محض جمادی حیثیت میں ہوتے ہیں اور عالم برزخ میں انتقال کرنے کے بعد روح وبدن میں کلی مفارقت رہتی ہے۔ شرح عقائد نسفی میں ہے: ''وانکر عذاب القبر بعض المعتزلة والروافض'' اور بعض معتزلہ اور روافض نے عذاب قبر کا انکار کیا ہے۔ (ص ۷۲)

معتزلہ کی شاخ فرقہ کرامیہ اور صالحیہ اس کے قائل ہیں کہ اجساد مدفونہ ہیں تو جمادی حیثیت میں، لیکن عذاب وثواب قبر پھر بھی حق ہے۔ حالانکہ جب جماد میں حس ہی نہیں ہے تو اس کی تعذیب وتنعیم اور لذت والم کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ میت کو جماد تسلیم کرتے ہوئے عذاب قبر کا اقرار کرنا محض سفسطہ اور مغالطہ دہی اور در پردہ انکار کی ہی اقرار نما صورت ہے۔ حق یہی ہے جو اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے اور قرآن وسنت کے سرچشمے اسی عقیدے کی آب یاری کرتے ہیں۔

علامہ خیالی فرماتے ہیں: ''جوّز بعضهم تعذيب غير الحي ولا شک انه سفسطة'' ان میں سے بعض نے بغیر حیات بدن کے معذب ہونے کو جائز قرار دیا ہے۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ نری حماقت ہے۔ (خیالی ص ۱۱۸)

علامہ عبدالحکیم اس کی وجہ میں فرماتے ہیں: ''لان الجماد لا حس له فكيف يتصور تعذيبه'' اس لئے کہ جماعت میں (الم ولذت کا) احساس نہیں ہوتا تو اس کی تعذیب کیسے متصور ہو سکتی ہے۔ (حاشیہ عبدالحکیم)

خلاصۃ المرام یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے جسد اطہر کو روضۂ منورہ میں ان بعض منتسبین دیوبند کے کہنے کے مطابق محض بے حس وبے شعور اور جماد مطلق تسلیم کر لیا جائے تو معتزلہ اور روافض کے اس اصول کو صحیح تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وفات کے بعد روح وبدن میں کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ان میں کلی مفارقت رہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن وسنت کے پیش نظر یہ اہل حق کا نظریہ نہیں ہو سکتا۔ عقائد اہلسنت کی سب کتابوں میں عذاب قبر کے برحق ہونے کی تصریح کی گئی ہے اور اس عقیدہ کو ضروریات اہل سنت میں شمار کیا گیا ہے۔

جو شخص اس کا قائل نہیں وہ معتزلہ اور روافض کے موافق اور اہلسنت کا مخالف ہے اور اگر بتاویل قائل ہے تو اس کے فرقہ کرامیہ میں سے ہونے میں تو شبہ ہی نہیں ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

دعوت فکر

جو حضرات یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے اجساد مبارکہ صرف اکرا ما محفوظ ہیں اور ارواح مطہرہ سے ان کو کلی مفارقت ہے۔ اس لئے وہ حیات النبی ﷺ کے ماننے والوں اور سماع عند القبر کے قائلین کے خلاف، قرآن کریم کی ان آیات کو چسپاں کر کے، جن کو مشرکین کے خلاف پیش کیا جاتا تھا۔ اس عقیدہ کا شرکیہ ہونا ثابت کرنے میں مصروف ہیں اور ایسے عقیدے والوں کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کا اعلان کررہے ہیں۔ ان کو اپنی اس روش پر غور وفکر کی ضرورت ہے۔ اس قدر بے جا شدت اور غلو کے ساتھ جمہور اہلسنت کے عقیدہ سے خلاف کا اظہار کرنا کسی طرح بھی موزوں اور قابل تحمل ہوسکتا ہے؟

ظاہر ہے کہ اس قدر غالیانہ انداز فکر اور متشددانہ طرز عمل سے اپنے حزبی اور گروہی تعصب کے آشکارا کرنے کے سوا اور کیا حاصل کیا جاسکتا ہے؟

عود روح فی الجسد

جمہور اہلسنت والجماعت اس پر متفق ہیں کہ موت کے بعد قبر میں یا جہاں بھی میت کا جسد عنصری یا اس کے اجزا ہوں روح کا عود ہوتا ہے اور جسد، میت یا اس کے اجزاء میں اس عود روح کی وجہ سے پھر حیات قائم ہو جاتی ہے۔ یہ عود دخول روح در جسد کی صورت میں ہوتا ہو یا اتصال روح بجسد سے ہوتا ہو، بہرحال اتنی بات مجمع علیہ اور یقینی ہے جس پر سب کا اتفاق ہے کہ بدن مدفون (یا اجزائے بدن) دخول روح یا اس کے تعلق سے فائز الحیات ہو جاتا ہے۔

صحاح ستہ کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف میں ہے: ”تعاد روحہ فی جسدہ الخ“ اس کی روح اس کے جسد میں لوٹائی جاتی ہے۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۹۸)

اس حدیث کی سند کے بارے میں حافظ نورالدین الہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”رواہ احمد ورجالہ رجال الصحیح“ اس کو امام احمد نے روایت کیا ہے اس کے سب راوی صحیح کے راوی ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۴۹)

اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”ھذا حدیث مشہور مستفیض صححہ جماعۃ من الحفاظ الخ“ یہ حدیث مشہور مستفیض ہے حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (کتاب الروح ص ۵۸، ۵۹)

ایک اور جگہ اس حدیث کو حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بدن کی طرح روح کے لوٹنے کے بارے میں نص صریح قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں: ”النص الصریح وھو قولہ ﷺ فتعاد الروح فی جسدہ“ حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ روح اس کے بدن میں لوٹائی جاتی ہے۔ نص (صحیح) اور صریح ہے۔ (کتاب الروح ص ۵۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو ”کما ثبت الحدیث“ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۴) جیسا کہ یہ حدیث ثابت ہے، کہہ کر صحیح قرار دیا ہے۔

غرضیکہ یہ حدیث اصول حدیث کی رو سے بالکل صحیح اور مذہب اہلسنت والجماعت کی قوی دلیل ہے۔ علامہ ابن قیم نے اپنے استاذ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ عود روح کی حدیثیں صحیح اور متواتر ہیں: ”قال شیخ الاسلام الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح الی البدن وقت السوال“ شیخ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

الاسلام نے کہا ہے کہ صحیح حدیثیں جو کہ متواتر ہیں بتلا رہی ہیں کہ سوال کے وقت روح پھر بدن میں لوٹائی جاتی ہے۔
(کتاب الروح ص ۶۲)

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ، ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ہبیرہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے کی کہ سوال صرف روح سے ہوتا ہے اور روح جسم کے طرف نہیں لوٹائی جاتی، تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وخالفهم الجمهور فقالوا تعادالروح الى الجسد او بعضه كما ثبت في الحديث ولو كان على الروح فقط لم يكن للبدن بذالك اختصاص'' اور جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ روح کو پورے جسم یا بعض حصہ کی طرف لوٹایا جاتا ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے اور اگر اس کا تعلق صرف روح سے ہوتا تو بدن کی اس میں کوئی خصوصیت نہ ہوتی۔
(فتح الباری ج ۵ ص ۷۳)

علامہ آلوسی بغدادی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''والجمهور على عود الروح الى الجسد كله او بعضه وقت السوال على وجه لا يحس به اهل الدنيا الا من شاء الله منهم'' جمہور اہلسنت اس کے قائل ہیں کہ روح کو پورے جسم یا بعض جسم کی طرف سوال کے وقت ایسے انداز سے لوٹایا جاتا ہے جس کو اہل دنیا محسوس نہیں کر سکتے۔ مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہے تو محسوس کرا دے۔ (روح المعانی ج ۲۲ ص ۵۷)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۵۰ھ ارشاد فرماتے ہیں: ''واعادة الروح اى ردها او تعلقها الى العبد اى جسده بجميع اجزائه او بعضها مجتمعة او متفرقة فى قبره حق'' اور روح کا لوٹانا یعنی اس کا مکمل طور پر رد کرنا یا اس کا تعلق بندے کی طرف یعنی اس کے جسم کی طرف تمام اجزائے بدن میں یا بعض میں عام اس سے کہ اس کے اجزاء مجتمع ہوں یا متفرق اس کی قبر میں حق ہے۔ (شرح فقہ اکبر ص ۱۲۰ ملا علی قاری)

امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۴۱ھ فرماتے ہیں: ''والايمان بملك الموت بقبض الارواح ثم ترد فى الاجساد فى القبور فيسألون عن الايمان والتوحيد'' ملک الموت کے ارواح کو قبض کرنے پھر ارواح کے قبروں میں جسموں کی طرف لوٹائے جانے پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ قبر میں ایمان و توحید کے بارے میں سوال ہوتا ہے۔ (کتاب الصلوٰۃ ص ۴۵)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ عود روح الی الجسد کا عقیدہ صرف بعد کے متاخرین حضرات ہی کا اختیار کردہ نہیں ہے بلکہ احادیث صحیحہ متواترہ سے ثابت اور ائمہ اربعہ میں سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے۔ ایک امام اس کو حق اور دوسرے ایمان ایمان سے تعبیر فرماتے ہیں اور ان کے فرمان کی بنیاد صحیح اور صریح حدیثیں ہیں۔ جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

شرح عقائد نسفی کے شارح علامہ عبدالعزیز پر ہاروی رحمۃ اللہ علیہ صاحب نبراس فرماتے ہیں: ''ان الاحاديث الصحيحة ناطقة بان الروح تعاد فى الجسد عند السوال فالجواب بانكار الاعادة غير موجه'' احادیث صحیحہ ناطق ہیں کہ روح پھر جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔ اس لئے اعادے کا انکار کر کے معتزلہ کو جواب دینا ٹھیک نہیں ہے۔
(نبراس ص ۳۳)

حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کشمیری فرماتے ہیں: ''ثم السوال عندى يكون بالجسد مع

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

الروح کما اشار الیہ صاحب الھدایۃ فی الایمان" میرے نزدیک قبر کا سوال وجواب روح اور بدن کے مجموعے سے ہوتا ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے بھی کتاب الایمان میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ (فیض الباری ص ۱۸۵)

حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ہدایہ کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے: "ومن یعذب فی القبر یوضع فیہ الحیوۃ فی قول العامۃ" جس شخص کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے عام علماء کے قول کے مطابق اس میں حیات ڈالی جاتی ہے۔ (ہدایہ ج ۲ ص ۴۸۴)

خلاصہ یہ ہے کہ قبر میں نکیرین کے سوال کے وقت بدن عنصری میں روح کا اعادہ کیا جاتا ہے اور بدن مادی یا اس کے اجزاء اور روح دونوں سے یہ سوال وجواب وابستہ ہے۔ جمہور اہلسنت کا مسلک یہی ہے اور بقول علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ احادیث صحیحہ متواترہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔

عذاب قبر اور مذہب اہل السنۃ

سوال کی طرح ہی قبر کا ثواب وعذاب بھی بدن یا اجزائے بدن اور روح دونوں کے مجموعہ سے وابستہ ہے۔ بدن یا اجزائے بدن سے، خواہ وہ کسی بھی حالت میں ہوں، عذاب وثواب کا یہ تعلق روح واسطہ رہتا ہے اور عذاب وثواب اس بدن مادی عنصری کو روح کے تعلق سے ایک گونا حیات حاصل ہونے کے بعد ہوتا ہے۔

صرف روح یا بدن کے عذاب وثواب یا روح وبدن کے تعلق کے بغیر دونوں کے علیحدہ علیحدہ معذب ومثاب ہونے کا نظریہ جمہور اہل اسلام کے خلاف ہے۔

عقائد اہلسنت کی درسی کتاب الخیالی کے مشہور محشی علامہ ایوبی رحمہ اللہ اس مسئلے میں مذاہب کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اعلم ان المذاھب فی ھذا المقام ثلاثۃ الاول المیت حیی فی قبرہ فیعذب وھذا ھو مذھب اھل السنۃ والحق والثانی انہ جماد لا یعذب ولا یدرک العذاب وھذا ھو مذھب جمھور المعتزلۃ والروافض والثالث انہ جماد یعذب وھو مذاھب الصالحیۃ من المعتزلۃ ومذھب ابن جریر" (الخیالی ص ۱۱۸)

جاننا چاہئے کہ اس مقام میں تین مذاہب ہیں۔ پہلا مذہب اہلسنت اور اہل حق کا ہے وہ یہ کہ میت کو قبر میں حیات حاصل ہوتی ہے جس سے عذاب ہوتا ہے، دوسرا جمہور معتزلہ اور روافض کا مذہب ہے وہ یہ کہ میت بالکل جماعت ہوتی ہے نہ تو اس کو عذاب ہوتا ہے نہ ادراک عذاب اور تیسرا مذہب معتزلہ کے فرقہ صالحیہ اور ابن جریر (کرامی) کا ہے وہ یہ کہ میت جماد ہوتی ہے (اس میں روح بالکل نہیں ہوتی اس کے باوجود) اس کو عذاب ہوتا ہے۔

قبر میں صرف روح کے معذب ومثاب ہونے کے علامہ ابن حزم اور ابن میسرہ اور صرف بدن بغیر روح کے معذب ہونے کے، محمد بن جریر کرامی اور ان کے اتباع ہی قائل ہیں۔ مگر اہلسنت اور اہل حق کا مذہب یہی ہے کہ میت کو قبر میں حیات حاصل ہوتی ہے اور بدن وروح کے مجموعہ پر عذاب وثواب ہوتا ہے۔ بدن پر بغیر روح کے عذاب وثواب کا عقیدہ معتزلہ کی شاخ صالحیہ اور کرامیہ کا ہے۔ اہلسنت اور اہل حق کے نزدیک روح کے بغیر بدن جماد محض ہے۔ اس لئے اس کی تعذیب اور تثویب غیر معقول ہے اور حیات کے بغیر جماد میں الم ولذت کا احساس غیر متصور ہے۔ جیسا کہ علامہ خیالی اور علامہ عبدالحکیم کی عبارت بالا میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ اہلسنت کے نزدیک قبر کا عذاب وثواب بوجہ اعادۂ روح اور احیاء کے بدن میں حصول حیات سے ہوتا ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

علامہ نووی شارح مسلم فرماتے ہیں: "ثم المعذب عند اهل السنة الجسد بعينه او بعضه بعد اعادة الروح اليه او الى جزء منه و خالف فيه محمد بن جرير و عبدالله بن كرام و طائفة فقالوا لا تشترط اعادة الروح قال اصحابنا هذا فاسد لان الالم و الاحساس انما يكون في الحي الخ" پھر اہلسنت کے نزدیک بعینہٖ جسد یا اس کے جزء کی طرف روح کے لوٹائے جانے کے بعد سزا دی جاتی ہے اور اس کا محمد بن جریر اور عبداللہ بن کرام اور ایک گروہ مخالف ہے وہ کہتے ہیں کہ عذاب کے لئے اعادہ روح شرط نہیں ہے لیکن ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ یہ فاسد ہے۔ کیونکہ درد اور اس کا احساس زندہ ہی کو ہو سکتا ہے۔

علامہ سید محمود الحنفی آلوسی رحمہ اللہ مفتی بغداد فرماتے ہیں: "وتحقيقه في شرح الشمائل للعلامة ابن حجر رحمہ اللہ ثم اعلم ان اتصال الروح بالبدن لا يختص بجزء دون جزء بل هي متعلة مشرقة على سائر اجزاء و ان تفرقت و كان جزء بالمشرق و جزء بالمغرب و لعل هذا الاشراق على الاجزاء الاصليه لانها التي يقوم بها الانسان من قبره يوم القيامة على ما اختاره جمع" اس کی تحقیق علامہ ابن حجر کی شرح شمائل میں ہے پھر تو جان لے کہ روح کا بدن کے ساتھ اتصال خاص نہیں ہے کہ کسی ایک جزو کے ساتھ ہو اور دوسرے جز سے نہ ہو۔ بلکہ یہ بدن کے تمام اجزاء کے ساتھ متصل ہے اور اس کا تمام اجزاء پر پرتاؤ ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ اجزاء متفرق ہو چکے ہوں اور ایک جز و مشرق میں اور دوسرا مغرب میں ہو اور شاید کہ روح کا یہ پرتاؤ اصلی اجزاء پر ہو کیونکہ یہی وہ اجزا ہیں جن کے ساتھ انسان قیامت کے دن قبر سے اٹھے گا جیسا کہ ایک بڑی جماعت نے اس کو اختیار کیا ہے۔

(تفسیر روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۳)

علامہ علی قاری حنفی رحمہ اللہ الفاظ حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: "فيعاد الروح في جسده" ظاهر الحديث ان عود الروح الى جميع اجزاء بدنه فلا التفات الى قول البعض و لا الى قول ابن حجر الى نصفه فانه لا يصح ان يقال من قبل اعقل بل يحتاج الى صحة النقل" حدیث کے ظاہر سے ثابت ہو رہا ہے کہ میت کے تمام بدن میں روح کا عود ہوتا ہے اس لئے بعض لوگوں کے اس قول کی طرف التفات نہ کیا جائے کہ بعض بدن کی طرف عود ہوتا ہے اور نہ ابن حجر کے قول کی طرف توجہ کی جائے کہ نصف بدن میں عود ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ بات عقل سے نہیں کہی جاسکتی بلکہ صحیح نقل کی محتاج ہے۔

امام ابوبکر الجصاص الرازی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں: "و اذا جاز ان يكون المؤمنون تداحيوا في قبورهم قبل يوم القيامة وهم منعمون فيها جاز ان يحى الكفار في قبورهم فيعذبوا" اور جب یہ جائز ہے کہ مومنوں کو قیامت کے دن سے پہلے قبروں میں زندہ کیا جاتا ہے اور وہ قبور میں راحت پاتے ہیں تو جائز ہے کہ کفار کو بھی قبروں میں زندہ کیا جائے اور عذاب دیا جائے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۵۸)

"احياء الموتى في قبورهم و مسئلة منكر و نكير عذاب القبر للكافر و الفاسق كلها حق عندنا و اتفق عليه سلف الامة قبل ظهور الخلاف و اتفق عليه الاكثر بعده" اور منکر نکیر کا سوال اور کافر و فاسق کے لئے عذاب قبر سب مسئلے ہمارے نزدیک حق ہیں اور اختلاف سے پہلے سلف امت اور اختلاف رونما ہونے کے بعد امت کی اکثریت ان کے حق ہونے پر متفق رہی ہے۔ (مواقف مع الشرح ۷۱۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مواقف کے شارح علامہ سید شریف الجرجانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''واذ ثبت التعذیب ثبت الاحیاء والمسئلة لان کل من قال بعذاب القبر قال بھما'' اور جب میت کا معذب ہونا ثابت ہوا تو اس کا زندہ کرنا اور اس سے سوال بھی ثابت ہو گیا۔ کیونکہ جو شخص بھی عذاب قبر کا قائل ہے وہ زندہ کرنے اور سوال کا بھی قائل ہے۔

(شرح مواقف ص ۷۱۶)

ان عبارات سے بھی واضح ہے کہ سلف امت میں اس مسئلہ کے اندر کوئی اختلاف نہیں تھا کہ مردوں کو قبروں میں زندہ کیا جاتا ہے اور ان کی ارواح کو ان کے اجسام میں لوٹایا جاتا ہے اور منکر نکیر کا سوال ہوتا ہے، بعد میں معتزلہ وغیرہ کا گروہ پیدا ہوا اور اختلاف رونما ہوا۔ مگر جمہور امت، سلف صالحین کے ساتھ ہیں اور احیاء موتی فی القبور کے قائل ہیں اور جو شخص بھی عذاب قبر کا قائل ہے اس کو احیاء موتی فی القبر، قبر میں میت کے زندہ کرنے اور نکیرین کے سوال کا قائل ہونا ضروری ہے۔ احیاء فی القبر کے قائل ہوئے بغیر عذاب قبر کا اقرار کرنا حقیقت میں اس کا انکار کرنا ہے۔

منکرین حیات کا اعتراض اور اس کا جواب

منکرین حیات کا بڑا اعتراض یہ تھا کہ بعض مردوں کو درندے اور پرندے کھا جاتے ہیں اور بعض کو جلا کر راکھ بنا کر بہا دیا جاتا ہے اور بعض سولی پر لٹکا دیئے جاتے ہیں تو ان میں حیات کیسے اور کہاں سے آجاتی ہے؟ جب کہ مشاہدہ بھی اس کے خلاف ہے کسی کو ان میں حیات نظر نہیں آتی اور دیکھنے والوں کو میت کا اٹھنا بیٹھنا حس وحرکت چیخ و پکار کچھ محسوس نہیں ہوتا۔

علمائے اہلسنت نے اس اعتراض کے جواب میں فرمایا ہے کہ جس حیات کا قبر میں سوال نکیرین اور عذاب وثواب کے لئے اثبات کیا جاتا ہے۔ اس سے بعینہٖ ایسی حالت کا صلہ مراد نہیں ہے جیسی کہ دنیا میں تھی یا قیامت میں حاصل ہوگی۔ جس کو دوسرے لوگ بھی محسوس کر سکیں۔ بلکہ ایسی حیات مراد ہے جس میں ایسا ادراک وشعور پیدا کر دیا جائے جس سے میت کو عذاب وراحت اور الم ولذت کا ادراک اور احساس ہو سکے۔ جب اس میں ادراک اور احساس کی ایسی کیفیت پیدا ہوگی تو وہ زندہ کہلائے گا نہ جماد۔

میت کا اٹھنا بیٹھنا وغیرہ اگرچہ ہمیں محسوس نہیں ہوتا۔ مگر اس سے میت پر وارد ہونے والی ان کیفیات کا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔

کیا اللہ تعالیٰ کو قدرت نہیں ہے کہ میت یا اس کے اجزاء میں جس جگہ بھی وہ ہوں چاہے جانوروں کے پیٹ میں ہوں یا سمندر کی تہہ میں، ادراک وشعور کی کیفیت پیدا کر دے؟ اور کیا اجزائے متفرقہ میں اعادۂ روح اور حیات کا تحقق قدرت خداوندی سے خارج ہے؟

علامہ نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں اس اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں: ''قال اصحابنا ولا یمنع من ذالک کون المیت قد تفرقت اجزاہ کما نشاھدہ فی العادۃ او اکلہ السباع او حیتان البحر او نحو ذالک فکما ان اللہ تعالٰی یعیدہ للحشر وھو سبحانہ وتعالٰی قادر علی ذالک فکذا یعید الحیوۃ الی جزء فیہ وان اکلتہ السباع والحیتان'' ہمارے اصحاب نے فرمایا ہے کہ اس میں کوئی مانع نہیں ہے کہ میت کے اجزاء بکھر

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جائیں جیسا کہ عادۃ ہم اس کا مشاہدہ کرتے ہیں یا اس کو درندے کھا جائیں یا مچھلیاں لقمہ بنالیں یا اسی طرح کی کوئی صورت پیش آجائے تو جیسے اللہ تعالیٰ میدان حشر میں جسم کے لوٹانے پر قادر ہے اسی طرح جسم کے کسی جز میں زندگی لوٹانے پر بھی قادر ہے، اگرچہ اس کو درندے اور مچھلیاں کھا جائیں۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۸۵، ۳۸۶)

علم کلام کے مشہور محقق عالم علامہ عبدالشکور سالمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''فاذا کان الروح متصلاً بالشخص سواء کان عظماً او لحماً او ترابا فانه یتالم'' جب روح کا بدن سے تعلق ثابت ہے تو بدن کو الم اور دکھ پہنچے گا عام اس سے کہ بدن ہڈی یا گوشت یا مٹی ہو جائے۔ (تمہید ص ۱۳۵)

علامہ ابن القیم الحنبلی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: ''فلو اکله السباع او احرق حتی صار رماداً و نسف فی الهواء او هلب او غرق فی البحر وصل الی روحه و بدنه من العذاب ما یصل الی القبور'' سو اگر اس کو درندے کھا گئے ہوں یا جلا دیا گیا ہو یہاں تک کہ راکھ ہوا میں اڑا دی گئی ہو یا سولی پر لٹکا دیا گیا ہو یا دریا برد ہو چکا ہو۔ بہرکیف اس کی روح اور بدن دونوں کو وہ عذاب حاصل ہوگا جو قبر میں دفن شدہ کو حاصل ہوتا ہے۔ (کتاب الروح ص ۷۱)

علامہ ابن الہمام الحنفی رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد علامہ مقدسی رحمہ اللہ اس اعتراض کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں: ''ولو سلم اشراطها جاز ان یحفظ الله تعالٰی من الجزاء ما یتاتی به الادراک بان یصلح بنیة وان کان المیت فی بطون السباع وقعور البحار وغایة ما فی الباب ان یکون بطن السبع ونحوه قبر أله الا یمتنع ان لا یشاهد الناظر منه ما یدل علٰی ذالک فان النائم ساکن بظاهره وهو مع ذالک لا یدرک من الآلام واللذات ما یحس تاثیره عند یقظة من منامه وخروج منی من جماع راه فی منامه'' اور اگر اس (ڈھانچے) کا شرط ہونا تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ڈھانچے سے ان اجزاء کی حفاظت فرمالیں جس سے عذاب کا ادراک ہو سکے۔ اگرچہ میت درندوں کے پیٹوں اور دریاؤں کی گہرائیوں میں ہو یا زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ درندے کا وغیرہ کا پیٹ اس کے لئے قبر ہوگا اور اس لئے کوئی محال لازم نہیں آتا کہ دیکھنے والا میت عذاب وغیرہ کا کچھ اثر نہیں دیکھتا۔ کیونکہ خوابیدہ شخص بظاہر ساکن ہوتا ہے پھر وہ تکالیف اور لذت کا اثر محسوس کرتا ہے اور بسا اوقات ان کا اثر بیداری کے بعد بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ مثلاً وہ مار جو اس کو بحالت نیند پڑی ہو اس کا درد اور منی کا خروج کہ بحالت نینداس نے جماع کیا ہو بیداری کے بعد بھی ظاہر ہوتا ہے۔ (المسامرہ مع المسایرہ ج ۲ ص ۱۱۷)

اہلسنت والجماعت کے حنفی، شافعی، حنبلی تینوں مسالک کے علمائے کلام منکرین حیات کے اس اعتراض کی تردید میں بہ یک زبان لکھ رہے ہیں کہ قبر کے حالات کا مشاہدہ نہ ہونے کے باوجود اس حیات کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور آگ میں جل جانے یا درندوں کے پیٹ میں ہونے، اسی طرح قعر دریا میں ڈوب جانے سے، حیات قبر کا انکار لازم نہیں آتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ میت جگہ اور جس حالت میں بھی ہو اسی جگہ اور اسی حالت میں اعادۂ حیات کر کے اس کو عذاب وثواب میں رکھے۔ اس صورت میں اس زمینی قبر کی بجائے اس کی قبر وہی جگہ ہوگی جس جگہ میت یا اجزائے میت ہوں گے۔ متکلمین اسلام کے اس کہنے اور لکھنے کے باوجود بھی وہی فرسودہ اعتراضات اور اشکالات جو پہلے معتزلہ نے کئے تھے اب بھی کئے جارہے ہیں، جن کا بار بار جواب دیا جاچکا ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

انکار حیات کا منشاء

دراصل منکرین کے انکار حیات کا منشاء یہ ہے کہ وہ قبر اور برزخ کے معاملات کو اپنی عقل نارسا کی ترازو میں تولنا اور اپنی ان مادی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ قبر و برزخ کے معاملات ماورائے عقل ہوتے ہیں اور وہاں کے حالات کو عام طور پر ہماری مادی نگاہوں سے اوجھل رکھا گیا ہے اور عادتاً عالم برزخ کی چیزیں ہمیں اس دنیا میں نظر نہیں آتی اور ایمان بالغیب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ عام طور پر ان کو ہماری ان آنکھوں اور حواس ظاہرہ سے پوشیدہ رکھا جائے۔

عالم برزخ

انسان عالم برزخ میں پہنچ کر دنیا والوں سے پردے میں ہو جاتا ہے قرآن کریم کا ارشاد ہے ''ومن ورائھم برزخ الٰی یوم یبعثون'' (المؤمن) اور ان کے پیچھے قیامت کے دن تک ایک پردہ ہے۔

برزخ ایک ایسا پردہ خفا ہے کہ وہاں کے حالات عامۃ الناس کی آنکھوں سے اوجھل ہیں اور اس کی انتہاء قیامت پر ہے۔ ہاں انبیاء علیہم السلام اور اولیائے عظام کو اس عالم کی بطور خرق عادت کے کبھی سیر کرا دی جاتی ہے۔ یہ دوسرا مسئلہ ہے۔ ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو کچھ فرما دیا اس پر یقین رکھیں اور برزخ کا جو پہلو معرض خفا میں ہے اس میں قیاسات کے گھوڑے نہ دوڑائیں اور اپنی عقل نارسا کو دخل نہ دیں اور فوق العقل کو خلاف عقل قرار دے کر منقولات صحیحہ کے انکار کے درپے نہ ہوں۔

جب احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ قبر اور عالم برزخ میں جسد میت کی طرف روح کا اعادہ ہوتا ہے اور اس سے ایک گونا حیات حاصل ہو کر ثواب و عذاب کے معاملات روح و جسم دونوں سے وابستہ ہیں تو اب سطحی قسم کے عقلی استبعادات کی بناء پر جسم کو معاملات قبر سے علیحدہ کہنا اور صرف روح پر ان کے وارد ہونے کو تسلیم کرنا یا بغیر تعلق روح علیحدہ علیحدہ دونوں کے معذب و مثاب ہونے کا قول کرنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔

صحیح حدیث سے جسم کے معذب ہونے کا ثبوت

صحاح ستہ کی کتابوں میں حضرت ابو سعید خدری، حضرت حذیفہ اور حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہم) سے مختلف الفاظ کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں: ''عن النبی ﷺ قال کان رجل یسرف علی نفسہ فلما حضرہ الموت قال لبنیہ اذا انا مت فاحرقونی ثم اطحنونی ثم ذرونی فی الریح فواللہ لئن قدر اللہ علیّ لیعذبنی عذابا ما عذبہ احداً فلما مات فعل بہ ذالک فامر اللہ تعالٰی الارض فقال اجمعی ما فیک منہ ففعلت فاذا ھو قائم قال ما حملک علی ما صنعت قال مخافتک یا رب فغفر لہ'' آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص نے اپنے گناہوں کی وجہ سے اپنے نفس پر بڑی زیادتی کی تھی جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو تم مجھے جلا کر میری راکھ کو خوب پیس کر ہوا میں اڑا دینا۔ بخدا اگر اللہ تعالٰی نے

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مجھ پر تنگی کی تو مجھے وہ ایسی سزائیں دیں گے جو اور کسی کو اس نے نہیں دی۔ جب اس کی وفات ہوئی تو اس سے بھی کارروائی کی گئی اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اس کے تمام ذرات کو جمع کر دے سو اس نے ایسا ہی کیا جب وہ جمع کر دیا گیا تو وہی آدمی کھڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کارروائی تم نے کیوں کی؟ اس نے کہا تیرے ڈر سے اے میرے پروردگار، رسول اللہ نے اسے بخش دیا۔ (الحدیث بخاری ج ۱ ص ۴۹۵)

اور ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ اس نے کہا کہ میری راکھ کا آدھا حصہ خشکی میں اور آدھا دریا میں بکھیر دینا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (بخاری ج ۲ ص ۱۱۷ و مسلم ج ۲ ص ۳۵۶)

اس حدیث سے ثابت ہے کہ پروردگار عالم نے میت کی راکھ کو بحر و بر سے جمع فرما کر اسے انسان بنایا اور پھر اس سے سوال فرمایا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ اس مسئلے پر بحث فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں، بلاشبہ مرنے کے بعد اجزائے بدن سے بھی روح کا تعلق رہتا ہے۔ گو نیکوں کی روحیں علیین میں ہوتی ہیں اور بدوں کی سجین میں۔ لیکن روحوں کا روحانی تعلق ابدان کے ذرات کے ساتھ رہنا ضروری ہے خواہ کسی کو قبر میں دفن کریں خواہ جلا دیں خواہ ڈوب جائے۔ ذرے ذرے کے ساتھ روح کا تعلق بالاتر از فہم رہتا ہے۔ اس کی نظیر ایک تار برقی ہے تار برقی کا تعلق دیکھئے کہاں سے کہاں تک رہتا ہے۔ ایسا ہی روح کا تعلق باوجود علیین و سجین کے تعلق کے بدن کے ساتھ بھی ہے اور ضرور ہے مگر اس دنیا کی آنکھیں محسوس نہیں کر سکتیں کیونکہ عالم غیب کے اسرار کو دنیا کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور نہ دکھایا جانا مناسب ہے۔ کیونکہ پھر ایمان بالغیب نہیں رہے گا۔ (المصالح العقلیہ حصہ سوم ص ۱۲۷، ۱۲۸)

اور فرماتے ہیں: ''جس کے ٹکڑے ٹکڑے اور اجزا الگ الگ ہو کر پراگندہ ہو جاویں خدا قادر مطلق پر نہ مشکل اور نہ ممتنع ہے کہ ان اجزاء میں روح کو پیوست کر دے اور درد و لذت اور دکھ دسکھ کا شعور ان اجزاء میں پیدا کر دے۔'' (المصالح العقلیہ حصہ سوم ص ۱۱۹)

ہمارا مقصد تمام حوالوں کا استیعاب نہیں ہے بلکہ مختصر طریقے پر یہ بتلانا ہے کہ قبر کے معاملات میں روح کے تعلق کے ساتھ بدن یا اجزائے بدن بھی شریک ہوتے ہیں اور حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور میں جو عود روح الی البدن کے ساتھ قبر میں حیات ثابت ہوتی ہے اس کی تائید بخاری اور مسلم کی اس صحیح حدیث سے بھی ہو رہی ہے اور حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی وضاحت بھی اس کی تائید کر رہی ہے۔ یہی عقیدہ حق ہے اور جمہور اہلسنت والجماعت کا اسی کے مطابق اعتقاد ہے۔

حضرت مفتی اعظم دیوبند کا فتویٰ

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند سے سوال ہوا کہ: ''زید کہتا ہے کہ مرنے کے بعد قیامت تک انسان کی روح قبر ہی میں رہتی ہے یہ درست ہے یا نہیں؟ اور کہ مرنے کے بعد عذاب روح کو ہوتا ہے یا جسم کو یا دونوں کو؟ حضرت رحمہ اللہ نے ارقام فرمایا:

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

الجواب (۱) قبر میں ہی روح کا تعلق رہتا ہے اور مستقر اصلی اس کا علیین یا سجین ہے۔ (۲) عذاب روح پر مع جسم کے ہوتا ہے جیسا کہ ظاہر احادیث سے ثابت ہے۔ فقط (فتاوی دارالعلوم دیوبند ج ۵ ص ۴۲۶، ۴۲۷)

اور ایک سوال یہ تھا کہ مرنے کے بعد جو سوال وغیرہ ہوتے ہیں تو روح مرنے کے بعد آسمان پر چلی جاتی ہے پھر قبر میں لائی جاتی ہے یا جسم میں بند کر دی جاتی ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا ''جسم سے روح کو تعلق رہتا ہے۔ فقط'' (فتاوی دارالعلوم دیوبند ج ۵ ص ۴۶۲)

حضرت مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کے ان فتاوی سے واضح ہے کہ قبر میں سوال وجواب اور عذاب وثواب جسم سے بہ تعلق روح ہوتا ہے۔ اگرچہ روح کا مستقر اصلی علیین یا سجین ہے۔

منکرین حیات کا ایک اور اعتراض

قبر کی اس حیات پر منکرین نے ایک اور یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور کے پیش نظر اس حیات کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ قرآن کریم کی نصوص کے خلاف ہوگا۔ مثلاً ایک مقام پر کفار کا قول نقل فرمایا گیا ہے: ''قالوا ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین'' وہ کہیں گے کہ ہمارے رب تو موت دے چکا ہم کو دو بار اور زندگی دے چکا ہم کو دوبارہ۔ (المومن)

اور دوسرے مقام میں ارشاد ہے: ''کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتاً فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون'' (تم کیسے کفر کرتے ہو اللہ کے ساتھ حالانکہ تم بے جان تھے اور اس نے تمہیں زندہ کیا پھر وہ تمہیں مارے گا پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دو دفعہ کی حیات اور دو دفعہ کی موت ہی قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اگر قبر میں حیات تسلیم کر لی جائے تو بجائے دو دفعہ کی حیات کے تین دفعہ کی حیات ثابت ہوگی اور حدیث براء رضی اللہ عنہ سے عود روح الی البدن کے ساتھ چونکہ قبر میں حیات ثابت ہوتی ہے اس لئے یہ حدیث نص قرآنی کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔

جواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور تشریحات سلف سے بے نیازی اختیار کر کے بالاستقلال قرآن کریم کی دعوت دینا اور اس کی مراد اور مفہوم کو اپنی رائے سے اپنے مقصد کے مطابق متعین کر کے عوامی سطح پر احادیث کو قرآن کریم سے اس طرح ٹکراتے چلے جانا کہ جس حدیث کو اپنے مقصد کے خلاف پایا، اسی کو قرآن کریم کے خلاف کہہ دیا۔ یہ کس قدر مغالطہ آمیز انکار حدیث کی صورت پیدا کر دی گئی ہے۔ جن اکابر رحمہم اللہ اور سلف صالحین نے قبر کی اس حیات کو تسلیم کیا ہے کیا انہوں نے نص قرآنی کی مخالفت کی ہے؟

بات یہ ہے کہ ثم یحییکم سے قطعی طور پر قیامت کے دن کی حیات مراد لینا ہی متعین نہیں ہے بلکہ بعض مفسرین نے معترض کے علی الرغم اس سے قبر میں نکیرین کے سوال کے وقت کی حیات بھی مراد لی ہے اور اس سے احیاء فی القبر کا اثبات کیا ہے۔

چنانچہ علامہ ابو السعود رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ثم یحییکم بالنشور یوم ینفخ فی الصور او للسوال فی

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

القبور'' (تفسیر ابوالسعود ج ۱ ص ۴۲) پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا کا مطلب یہ ہے کہ نفخۂ ثانیہ کے بعد قبروں سے تمہیں نکالے گا یا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ قبور میں سوال کے لئے تمہیں زندہ کرے گا۔

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کے (ج ۱ ص ۵۶) پر اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۵۱) پر علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کے (ج ۱ ص ۴۷) پر اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے (روح المعانی ج ۲۴ ص ۵۲) پر ''احییتنا اثنتین'' کی تفسیر میں اس کو نقل کیا ہے۔ اس تفسیر کے لحاظ سے قیامت کے دن کی حیات ''ثم الیه ترجعون'' سے ثابت ہے۔

اسی طرح دوسری آیت ''احییتنا اثنتین'' میں جن دو حیاتوں کا ذکر ہے ان میں بھی ایک حیات قبر کی شامل ہے۔ کیونکہ قیامت کے دن سے پہلے ماضی میں دو دفعہ کی حیات جب ہی ثابت ہوسکے گی جب ایک حیات دنیا کی ہو اور اس کے ساتھ دوسری حیات قبر کی شمار کی جائے۔ اس لئے کہ قیامت سے زمانہ ماضی میں یہی دو حیاتیں ہیں جن کی تعبیر ''احییتنا اثنتین'' ماضی کے صیغے سے کی جارہی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت سے پہلے یہ دو حیاتیں حاصل ہو چکی ہیں۔

دوسرے یہ کہ ان آیتوں میں دو دفعہ کی جس حیات کا ذکر ہے وہ حیات مطلقہ حیات کاملہ اور پوری حیات ہے جس میں بدن کو فروغ پانے اور جملہ ضروریات کی حاجت پڑتی ہے اور اس کی حرکات محسوس و شاہد ہوتی ہیں۔ بلاشک یہ حیات کاملہ یا تو دنیا میں ہوتی ہے اور یا پھر قیامت کے دن ہوگی۔ رہی قبر اور برزخ کی حیات تو وہ مطلق اور کامل حیات نہیں ہے بلکہ فی الجملہ اور نوع من الحیات ہے۔ اس میں بدن عنصری نہ تو دنیاوی خوراک وغیرہ کا محتاج ہوتا ہے نہ ہی عام طور پر اس کی حرکات کا احساس اور مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

اس فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی پہلے زمانے میں معتزلہ وغیرہ باطل فرقوں نے عذاب قبر اور راحت قبر کے بارے میں بڑے بڑے مغالطے دے کر عوام کے ذہنوں میں الجھنیں پیدا کرنے کی کوشش کی تھی اور آج بھی انہیں کی طرح حیات فی القبر کو نصوص قرآن کے خلاف کہا جارہا ہے۔ حالانکہ اس حیات کے تسلیم کرنے سے قرآن کریم کی کسی نص کی مخالفت لازم نہیں آتی۔ اس کو نصوص قرآنیہ کے خلاف سمجھنا کوتاہ فہمی پر مبنی ہے جیسا کہ مذکورہ بالا جواب سے واضح ہے۔

ایک اور مغالطہ کا ازالہ

اسی طرح منکرین حیات کا یہ مغالطہ بھی اصول اہلسنت سے بے خبری پر مبنی ہے کہ اخبار احاد سے یہ مسئلہ کیوں کر ثابت کیا جاسکتا ہے؟ عقیدہ ثابت کرنے کے لئے تو دلائل قطعیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یقین کا فائدہ اور قطعیت صرف قرآن پاک اور خبر متواتر الاسناد ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ اخبار احادیث بھی جو اپنی اپنی جگہ اگرچہ ظن کا فائدہ دیتی ہیں لیکن وہ سب مل کر اگر کسی قدر مشترک میں متحد ہو جائیں تو ان سے ایسے یقین کا فائدہ حاصل ہوسکتا ہے جس پر عقیدے کی بنیاد قائم کی جاسکے۔ پھر جب داخلی اور خارجی قرآئن اور مختلف طبقوں کے اہل حق کا اجماع اور اتفاق اس کے مسلمہ حقیقت ہونے کی شہادت دے دیں تو یہ بنیاد یقین اور بھی مستحکم ہو جاتی ہے۔

علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وانما الادلة المعتبرة ههنا المستقراة من جملة ادلة ظنية تظافرت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

علی معنی واحد حتی افادت فیہ القطع فان للاجتماع من القوۃ مالیس للافتراق ولاجلہ افاد التواتر القطع وھذا نوع منہ فاذا حصل من استقراء ادلۃ المسئلۃ مجموع یفید العلم فھو الدلیل المطلوب وھو شبیہ بالتواتر المعنوی" عام طور پر جو دلائل یہاں پر معتبر ہیں وہ اسی قسم کے ہیں جو علیحدہ علیحدہ اگرچہ ظنی ہوں مگر کسی قدر مشترک پر سب کے متفق ہوجانے کی وجہ سے خاص اس مسئلے میں یقین کا فائدہ دینے لگتے ہیں۔ دلائل کے اجتماع کے بعد جو قوت پیدا ہوجاتی ہے وہ انفرادی حیثیت میں نہیں ہوسکتی۔ متواتر بھی اسی اجتماعی قوت کی وجہ سے یقین کا فائدہ دیتی ہے۔ پس جب کسی ایک مسئلے کے لئے متفرق دلائل جمع ہوجائیں تو ان کے مجموعے سے اس قدر مشترک کے لئے ایک یقین حاصل ہوجاتا ہے اور وہ بھی ایک قسم کا تواتر معنوی ہی ہے۔ (الموافقات ج ۱ ص ۳۶)

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "واحادیث الاحاد لو ثبت انما تکون ظنیۃ اللھم اذا تعدد طرقہ بحیث صار متواتراً معنویاً فحینئذ قد یکون قطعیاً" اخبار احاد اگر ثابت بھی ہوں تو بھی ظنی ہیں ہاں اگر ایک ہی مضمون متعدد طریقوں سے اس طرح مروی ہو کہ تواتر معنوی پیدا ہوجائے تو اس وقت یہ قدر مشترک بھی قطعی اور یقینی ہوجاتا ہے۔ (شرح فقہ اکبر ص ۱۹ طبع مصری)

عذاب قبر کا عقیدہ جن احادیث صحیحہ سے ثابت ہے وہ بھی اگرچہ اخبار احاد ہیں اور لفظاً متواتر نہیں مگر قدر مشترک اور معنی کے اعتبار سے متواتر ہیں۔

شرح مواقف میں ہے: "والاحادیث الصحیحۃ الدالۃ علیہ ای علی عذاب القبر اکثر ان تحصی بحیث تواتر القدر المشترک وان کان کل واحد منہا من قبیل الاحاد" عذاب قبر کو اس قدر صحیح حدیثیں ثابت کرتی ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے اگرچہ ہر ایک خبر واحد ہے مگر ان کا قدر مشترک متواتر ہے۔ (ص ۷۱۶)

شرح عقائد نسفی میں ہے: "وبالجملۃ الاحادیث فی ھذا المعنی وفی کثیر من احوال الاخرۃ متواترۃ المعنی" (ص ۷۲)

خلاصہ یہ ہے کہ اس مطلب (یعنی عذاب قبر) اور آخرت کے بہت سے حالات میں معنی کے اعتبار سے متواتر حدیثیں ہیں۔

قرآن کریم نے عالم آخرت کی بہت سی تفصیلات پیش کی ہیں مگر آخرت کی پہلی منزل عالم برزخ اور قبر پر اجمال واشارات ہی کی مصلحت کارفرما ہے۔ اس لئے عذاب قبر کا ذکر اجمالی طور پر ہی قرآن کریم میں کیا گیا ہے اور اس کی تشریح اور تفصیل احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے جو لوگ احادیث صحیحہ کی روشنی میں دیکھنے کی بجائے محض اپنی نارسا عقل اور مادی طبیعت سے قرآن کریم کی تفسیر وتشریح کرنے کے عادی ہیں ان کی سمجھ میں وہ تشریحات نہیں آتیں جن کو احادیث صحیحہ میں بیان کیا گیا ہے اور ان کو سلف صالحین نے قبول کیا ہے۔ اس لئے وہ ان تشریحات کو قرآن کریم کے اجمال سے ٹکرا کر ان کے رد کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔

قبر کا مفہوم

لفظ قبر اور اس کی جمع قبور اور اس کا مادہ قرآن کریم میں بھی آیا ہے: "واذا القبور بعثرت، ولا تقم علی

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

قبرہ، فاماتہ فاقبرہ'' اور احادیث میں تو اس کثرت سے یہ لفظ آیا ہے کہ ان کا آسانی سے شمار نہیں کیا جا سکتا۔ قبر کا لفظ حقیقتاً اس گڑھے پر اطلاق کیا جاتا ہے جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے اور اس کا جسد عنصری اس میں رکھا جاتا ہے۔ مفردات امام راغب (ص ۳۹۰) میں ہے ''البقر مقر المیت'' قبر میت کی قرار گاہ ہے۔

عذاب قبر کی حدیثیں اس کا واضح ثبوت ہے کہ قبر سے مراد یہ زمینی گڑھا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے جن دو قبروں پر کھجور کی ٹہنی دو حصے کر کے گاڑی تھی۔ (بخاری ج ا ص ۳۵ و مسلم ج ا ص ۱۴۱) ظاہر ہے کہ وہ بھی حسی قبریں اور گڑھے ہی تھے اسی طرح قبیلہ بنو نجار کے جس باغ میں پانچ یا چھ قبریں تھیں ان کے پاس گزرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کا خچر بدکا تھا۔ (مسلم ج ا ص ۳۸۶)

وہ بھی یہی ظاہری حسی قبریں تھیں۔ اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے: ''ان المیت اذا وضع فی قبرہ انہ یسمع خفق نعالھم حین یولون مدبرین'' میت جب قبر میں رکھی جاتی ہے اور دفن کرنے والے اس سے واپس ہوتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ کو سنتی ہے۔ (الحدیث بخاری ج ا ص ۱۷۸ و مسلم ج ا ص ۳۸۶)

اور دوسری حدیث میں آیا ہے: ''اذا وضعتم موتاکم فی قبورھم فقولوا بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ'' جب تم اپنے مردوں کو قبروں میں رکھنے لگو تو اس وقت بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ کے الفاظ پڑھا کرو۔

(مستدرک ج ا ص ۳۶۶)

میت جن قبروں میں رکھی جاتی ہے اور دفن کرنے والے جن قبروں میں اس کو دفن کرتے اور ان سے واپس آتے ہیں وہ یہی حسی قبریں اور ظاہری زمینی گڑھے ہی ہوتے ہیں۔ لغت عرب اور تمام صحیح روایات کی شہادت سے ثابت ہو رہا ہے کہ لفظ قبر اور قبور کا ان حسی اور زمینی گڑھوں پر اطلاق کیا گیا ہے جن میں میت کو دفن کیا جاتا ہے۔

اس لحاظ سے جہاں بھی قبر یا قبور کا لفظ بولا جائے گا تو اس سے حقیقتاً شریعت میں یہی گڑھے مراد ہوں گے جن میں مردے دفن کئے جاتے ہیں۔

غرق شدہ اور سوختہ اور ماکول وغیرہ کی قبر

البتہ جس میت کا جسم محفوظ نہ رہا ہو یا غرق ہو جانے وغیرہ کی وجہ سے اس کے قبر میں دفن کرنے کی نوبت نہ آئی ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ جس مقام پر بھی وہ میت یا اجزائے میت ہوں گے وہی مقام اس کے لئے قبر ہوگا وہیں اس سے سوال ہوگا وہیں اس کو عذاب و ثواب بھی ہوگا۔ جیسا کہ مسامرہ کی مذکورہ عبارت کے جملے:

''غایۃ مافی الباب ان یکون بطن السبع ونحوہ قبزلہ'' سے واضح ہو رہا ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ وہ مومنین اور کفار جن کی نعشیں کسی قبر میں دفن نہیں ہوئی ہیں جلائی گئیں یا درندوں نے کھالی ہیں یا کسی اور صورت سے تلف اور عدیم الوجود ہوگئی ہیں۔ ان سے نکیرین کا سوال کس مقام پر ہوگا اور عذاب قبر کیسے واقع ہوگا؟ لکھتے ہیں مقدمہ رابعہ تعذیب و تنعیم کی مدرک روح ہے اصالۃً نہ جسد مگر تبعاً ...... جب انسان مرجاتا ہے تو اس کی روح باقی رہتی ہے اور مقام اس کا برزخ ہوتا ہے اور اسی جگہ اس کو عذاب

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

وضغطہ ہوتا رہتا ہے۔خواہ جسد کہیں ہو اور درندوں نے کھالیا ہو یا سوختہ ہوکر متفرق ہو گیا ہو البتہ اجزائے جسد یہ کے ساتھ اس کو کچھ تعلق رہتا ہے اس تعلق کی وجہ سے ان اجزاء میں اس قدر حیات باقی رہے جس سے عذاب وثواب کا اثر جسد پر ہی آجا۔ے تو کچھ بعید نہیں۔ چنانچہ اخبار کثیرہ سے ثابت ہوا کہ بعض اہل قبور کا عذاب لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اس کی بناوہی تابعیت ہے۔بحکم مقدمہ رابعہ۔ (امداد الفتاویٰ ج ۶ ص ۱۲۸)

ایک غلطی کا ازالہ عالم برزخ اور قبر کی حقیقت

بعض لوگ صوفیائے کرام کے ایسے ارشادات سے کہ قبر حقیقت میں زمین کے اس ظاہری نشان کا نام نہیں ہے بلکہ وہ عالم برزخ کا نام ہے، اس غلط فہمی کا شکار ہوجاتے ہیں کہ عالم برزخ اس ظاہری قبر سے بالکل ہی کوئی جدا حقیقت ہے اور اس ظاہری قبر کو عالم برزخ سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ ظاہری قبر اور زمینی نشان بھی عالم برزخ کا ہی ایک حصہ اور اس میں داخل ہے۔ کیونکہ مکان برزخ کی ابتداء قبر کے اس ظاہری نشان سے ہی ہوتی ہے۔جس میں علیین اور سجین بھی شامل ہیں۔دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ علیین اور سجین کی ابتداء قبر کے اس زمینی نشان سے ہی ہوتی ہے اور قبر کا یہ نشان علیین اور سجین کی حدود میں داخل اور اس کا نقطہ آغاز ہے اور عالم برزخ اس زمینی نشان اور علیین وسجین سب کو ہی شامل ہے۔

الامام عبدالجلیل بن موسیٰ القصری رحمۃ اللہ علیہ شعب الایمان میں فرماتے ہیں: ''البرزخ علی ثلاثۃ اقسام مکان وزمان وحال، فالمکان من القبر الی علیین تعمرہ ارواح السعداء ومن القبر الی سجین تعمرہ ارواح الاشقیاء واما الزمان فھو مدۃ بقاء الحق فیہ من الاول من مات او یموت من الجن والانس الی یوم یبعثون واما الحال فاما منعمۃ واما معذبۃ او محبوسۃ حتی تتخلص بالسوال من الملکین الفتانین'' برزخ تین چیزوں سے عبارت ہے، مکان، زمان اور حال پھر مکان قبر سے علیین تک ہے جسے نیکوں کی روحیں آباد کرتی ہیں اور قبر سے سجین تک ہے جس میں بدوں کی روحیں رہتی ہیں اور زمان وہ عرصہ ہے جو جن یا انسان کی موت سے شروع ہوکر قیامت تک ہے۔رہا حال تو یا وہ انعام یافتہ ہوگا یا معذب ہوگا یا محبوس ہوگا یہاں تک کہ سوال وجواب نکیرین سے خلاصی پائے۔ (الحاوی للسیوطی ج ۲ ص ۳۲۷)

الغرض عالم برزخ کو اس ظاہری قبر سے بھی ضرور تعلق ہوتا ہے اور قبر صرف اسی حسی گڑھے اور زمین کے اس ظاہری نشان ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ یہ ایک برزخی منزل ہے جس کا ایک پہلو زمینی نشان ہے اور اس کی باقی حدود واطراف اللہ رب العزت ہی جانتے ہیں۔

کسی میت کے لئے کوئی گڑھا کتنا ہی فراخ کیوں نہ بنادیا جائے۔اللہ تعالیٰ اگر چاہیں تو اسے تنگی کی آخری حد تک پہنچا دیتے ہیں مگر اس کی تنگی کو ظاہری حواس ادراک کرنے سے قاصر ہیں۔اس لئے وہ دیکھنے میں بظاہر اتنا ہی فراخ نظر آتا رہے گا جتنا اس کو بنایا گیا ہے۔اسی طرح کسی بندہ خدا کے لئے کوئی قبر کتنی ہی تنگ کیوں نہ بنادی جائے وہ رحیم مطلق جب چاہے تو اسے حد نظر سے بھی زیادہ فراخ کردیتا ہے۔مگر اس کی یہ فراخی بھی

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ظاہری آنکھوں سے مخفی اور مستور رہتی ہے، صرف وہی بندہ خدا اس پر اطلاع پاتے ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ کبھی اس کا انکشاف کرامت فرما دیتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لیکن صرف محسوس نہ ہونے کے سبب کسی امر کا انکار صریحاً عقل کی بدہضمی ہے۔ قبر کا تنگ یا فراخ ہونا بھی ایک عالم باطن کے اسرار سے ہے جسے اہل کشف صوفی یا اولیاء اللہ لوگ دیدہ باطن سے اس کو دیکھ لیتے ہیں، اہل باطن بسا اوقات کشف قبور کے ذریعے سے مردوں کو قبروں میں معذب یا مثاب دیکھتے ہیں۔'' (المصالح العقلیہ ج ۳ ص ۱۲۸)

ان حقائق کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ عالم برزخ کو اس ظاہری قبر سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا یا یہ ظاہری قبر عالم برزخ سے بالکل ہی کوئی علیحدہ اور جدا حقیقت ہے کس قدر خلاف واقعہ اور محل حیرت بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عالم برزخ اور قبر میں عام خاص کی نسبت ہے۔ برزخ عام اور قبر خاص ہے۔ اس لئے ہر قبر تو برزخ ہے مگر ہر برزخ قبر نہیں۔ اس لئے کہ عام اور خاص میں ایک مادہ اجتماعی اور ایک افتراقی ہوتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ عذاب قبر سے صرف عذاب برزخ مراد لینا عذاب قبر کا انکار کرنا ہے۔ کیونکہ ہر عذاب قبر تو عذاب برزخ ہے مگر ہر عذاب برزخ عذاب قبر نہیں ہے۔ حالانکہ تواتر سے جو عذاب ثابت ہوتا ہے وہ عذاب قبر ہے، اس کا انکار تواتر کا انکار ہے۔

اب اگر قبر میں صرف جسم ہو اور روح نہ ہو تو نہ عذاب، عذاب ہے اور نہ ثواب، ثواب۔ کیونکہ اس حالت میں روح کے بغیر الم ولذت کے احساس اور ادراک سے جسم خالی ہوگا اور اگر صرف روح کو عذاب مانا گیا تو وہ قبر میں نہیں ہوگی تو عذاب قبر نہ ہوا اور جسم کے بغیر صرف روح کا قبر میں ہونا ظاہر البطلان ہے۔ ثابت ہوا کہ عذاب روح اور جسم دونوں پر ہوگا۔ تب ہی عذاب قبر متحقق ہوگا۔ اس صورت کے بغیر کسی دوسری صورت میں عذاب قبر نہیں ہو سکتا۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ان تمام شبہات کا منشاء یہ ہے کہ قبر نام اس گڑھے کا رکھ لیا ہے۔ حالانکہ قبر سے مراد احادیث میں یہ گڑھا نہیں بلکہ مراد قبر سے عالم برزخ ہے اور عالم برزخ اس گڑھے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ برزخ اس حالت کا نام ہے جو آخرت اور دنیا کے درمیان کی حالت ہے اگر قبر میں دفن کر دیا ہے وہی اس کا برزخ ہے اس سے وہاں ہی سوال وجواب اور ثواب وعذاب ہوگا اور اگر بھیڑیے نے یا شیر نے کھا لیا اس کے لئے وہی برزخ ہے اور اگر جلا دیا تو جہاں جہاں اس کے اجزاء ہوں گے اس سے وہاں ہی یہ سب واقعات پیش آئیں گے۔ لیکن چونکہ شریعت میں دفن کرنے کا حکم ہے اس لئے عالم برزخ کو قبر سے تعبیر فرمایا ہے۔'' (حیات طیبہ ص ۹)

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے اس ارشاد سے واضح ہوا کہ عالم برزخ اگرچہ قبر کے اس گڑھے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام ہے مگر قبر کا یہ گڑھا بھی برزخ ہی ہے برزخ سے بے تعلق اور جدا نہیں ہے اور قبر کے اس گڑھے میں بلکہ جس جگہ بھی میت یا اجزائے میت موجود ہوں گے خواہ وہ کسی جانور کا پیٹ ہو یا وہ غرق شدہ اور جلایا ہوا ہو، اس سے وہاں ہی سوال وجواب اور ثواب وعذاب ہوگا۔ اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ یہ قبر وغیرہ سب عالم برزخ میں داخل اور اس کا حصہ ہے اور یہ کہنا غلط ہے کہ قبر کو عالم برزخ سے کوئی تعلق ہی نہیں۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بغیر تعلق روح کے جسم کی تعذیب غیر معقول ہے

اس زمانے میں جو تعلق ارواح بابدان کا انکار کیا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ ارواح کے تعلق کے بغیر ہی قبر میں میت کے ساتھ ثواب وعذاب کے معاملات پیش آتے ہیں۔ جیسا کہ ''اقوال المرضیہ[1]'' میں لکھا ہے: ''اور اس کو عالم مثال میں بغیر تعلق روح کے حیات بسیط کے ساتھ عذاب وثواب ہوتا ہے۔'' (ص ۵۵)

اور ''شفاء الصدور'' مؤلفہ مولانا محمد حسین نیلوی میں ہے: ''لهم اجسام مثالية فى عالم البرزخ لاتعلق لهم بهذه الاجسام الترابيه الارضيه العنصريه المدفونه فى الحفر الارضيه'' اس کا ترجمہ مترجم صاحب نے اس طرح کیا ہے ''اوران ارواح کو اجسام مثالیہ بھی ملتے ہیں اس جسم عنصری سے ان کا اتصال ثابت نہیں۔''

یہ وہی بغیر احیاء کے تعذیب جماد کا پرانا غیر معقول نظریہ ہے اور مذہب صالحیہ اور کرامیہ کی صدائے بازگشت ہے۔ جس کی علمائے امت اور متکلمین اہل سنت نے واضح طور سے ہمیشہ تردید کی ہے۔ اس لئے کہ بغیر تعلق روح کے میت جماد ہے اور جماد کا تألم وتلذذ غیر معقول اور اس کی تعذیب وتنعیم غیر متصور ہے۔ چونکہ جماد الم ولذت کا احساس ہی نہیں کر سکتا جیسا کہ ''حاشیہ خیالی'' کے حوالے سے پہلے مذکور ہوا اور مواقف اور اس کی شرح میں بھی اس کو غیر معقول قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: ''واماماذهب اليه الصالحى من المعتزلة وابن جرير الطبرى وطائفة من الكراميه تجويز من ذالك التعذيب على الموتى من غير احياء فخروج عن المعقول لان الجماد لاحس له فكيف يتصور تعذيبه'' جس مسلک کو معتزلہ کے صالحی اور ابن جریر طبری اور کرامیہ کے ایک گروہ نے اختیار کیا ہے کہ وہ مردہ کو بغیر زندہ کرنے کے عذاب کو جائز قرار دیتے ہیں تو یہ غیر معقول ہے۔ کیونکہ (بغیر زندہ کئے) جماد میں حس نہیں ہوتی تو اس کی سزا کا تصور کیسے ہو سکتا ہے۔ (مواقف مع الشرح ص ۷۱۶)

اس کی وجہ یہ ہے کہ الم اور احساس صرف زندہ میں ہوتا ہے اور اس کے لئے جس طرح کی زندگی کی ضرورت ہے اس سے جماد خالی ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لان الالم والاحساس انما يكون فى الحى'' اس لئے کہ الم اور احساس صرف زندہ ہی میں ہوتا ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۸۶)

صاحب ''الاقوال المرضیہ'' نے میت کو جماد تسلیم کرتے ہوئے اس کے معذب ومثاب ہونے کی بنیاد حیات بسیط پر جو کہ عالم کائنات کے ذرہ ذرہ میں پائی جاتی ہے، رکھنی چاہئے ہے۔ یہ بھی ان کا مغالطہ ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ: ''جنہوں نے اس جسم کو کالجماد کہہ کر عذاب وثواب کا انکار کر دیا ہے دراصل وہ حیات بسیط کی حقیقت کو نہیں سمجھے۔'' (ص ۵۶)

---

[1] یہ رسالہ مولانا محمد امیر سابق خطیب جامع مسجد بلاک ۱۸ سرگودھا کا ہے پہلے ایڈیشن میں اس رسالے کا نام اقوال المرضیہ لکھا ہوا ہے یہ نام لفظی اعتبار سے بھی صحیح نہیں ہے کہ اس میں اقوال نکرہ اور اس کی صفت المرضیہ معرفہ ہے اور معنوی اعتبار سے بھی محل نظر ہے، کیا مؤلف کے نزدیک رسالے میں درج شدہ تمام کے تمام اقوال ہی مرضیہ اور پسندیدہ ہیں؟ اب دوسرے ایڈیشن میں اقوال پر الف، لام داخل کر کے لفظی تصحیح تو کر دی ہے، مگر معنوی اشکال مذکور اب بھی بدستور رہا تی ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اس عبارت سے انکا مطلب یہ ہے کہ روح انسانی کے تعلق کے بغیر میت کو جماد تسلیم کر کے بھی عذاب وثواب ہوتا ہے اور اس کی صورت ان کے نزدیک یہ ہے کہ میت کے لئے بھی دوسرے جمادات کی طرح ایک حیات بسیط حاصل ہے۔ میت کو اسی حیات بسیط کے ساتھ عذاب وثواب ہوتا ہے، حالانکہ یہ حیات بسیط تنعیم وتعذیب کے لئے ہرگز کافی نہیں ہے۔ اسی لئے متکلمین نے جماد کی تعذیب کو غیر متصور کہا اور عذاب وثواب قبر کے لئے دوبارہ حیات کے اعادہ اور نوعا من الحیات کے خلق کو تسلیم کیا ہے۔

میت کو جماد تسلیم کر کے اس کے ثواب وعذاب کا قائل ہونا صرف معتزلہ کی شاخ کرامیہ اور صالحیہ کا عقیدہ اور ان کا خصوصی نظریہ ہے۔ اس کے اس نظریہ کی تردید سے علم کلام کی تمام کتابیں بھری پڑی ہیں۔ مگر صاحب ''الاقوال المرضیہ'' کے نزدیک معتزلہ کرامیہ کا مردود نظریہ ہی درست اور مقبول ہے۔ ان کے نزدیک شائد یہ تمام متکلمین بھی جنہوں نے تعذیب جماد کے کرامی نظریہ کا ابطال کیا ہے، حیات بسیط کی اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکے کہ جماد میں بھی ایک حیات بسیط بغیر روح کے ہوتی ہے اور اس حیات کے ساتھ اس کی تعذیب متصور ہے اور کیا اس حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی کرامیہ کے نظریہ ''انہ جماد'' کو تمام متکلمین نے یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ جماد کی تعذیب غیر متصور ہے؟

اگر یہ حیات بسیط تعذیب بدن کے لئے کافی ہوتی اور اس میں لذت والم کا ادراک واحساس ہوسکتا تو کرامیہ کے جواب میں متکلمین کا یہ کہنا کیسے درست ہوتا کہ جماد کی تعذیب غیر متصور ہے؟ اس صورت میں تو متکلمین کو کرامیہ کے نظریہ جماد تعذیب کو تسلیم کر لینا چاہئے تھا اور اس کی توجیہ حیات بسیط کے ساتھ کر کے اس کی تصحیح کر دینی چاہئے تھی۔ مگر متکلمین اسلام نے معتزلہ کے اس نظریہ کی بھی تردید کی کہ میت کو جماد کہہ کر اس کے عذاب وثواب کا انکار کیا جائے اور کرامیہ وغیرہ کے اس سفسطہ اور مغالطہ کا بھی رد کیا ہے کہ میت کو جماد ہوتے ہوئے عذاب وثواب ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جماد میں احساس الم ولذت مفقود ہے۔ اس لئے تعذیب وتنعیم غیر متصور اور غیر معقول ہے۔ مگر صاحب ''الاقوال المرضیہ'' تعذیب جماد کا تصور قائم کرانے میں معتزلہ کرامیہ کے ہمنوا ہیں اور ان کے مردہ نظریہ میں جان ڈالنا چاہتے ہیں اور متکلمین اسلام نے جو میت میں تعذیب وتنعیم کے لئے ایک گونہ حیات کے اعادہ اور نوع من الحیات کے خلق کا قول کیا تھا اس کی برملا تردید کر رہے ہیں۔

لکھتے ہیں: ''اگر بعض معتزلہ اور روافض کو مذکورۃ الصدر تحقیق کا علم ہوتا تو ''ان المیت جماد لا حیوۃ لہ ولا ادراک لہ وتعذیبہ محال'' (میت جماد ہے اس میں حیات نہیں اور نہ ادراک ہے اس لئے اس کی تعذیب محال ہے) کا قول نہ کرتے۔''

اور شرح عقائد والے کو ''انہ یجوز ان یخلق اللہ تعالٰی فی جمیع الاجزاء او بعضھا نوعا من الحیوۃ'' (الاقوال المرضیہ ص ۶۷) (جائز ہے کہ اللہ تعالٰی تمام اجزاء یا بعض میں ایک قسم کی حیات پیدا کر دیں) کی تاویل نہ کرنی پڑتی۔''

مؤلف مذکور کا مقصد واضح ہے کہ متکلمین اسلام نے جو میت کے جماد ہونے کی بناء پر اس کی تعذیب کو محال کہا تھا اور تعذیب جماد کے کرامی نظریہ کا ابطال کیا تھا وہ درست نہیں۔ اسی طرح میت کی تعذیب کے لئے ایک گونا حیات کے خلق کا جو قول کیا تھا وہ بھی ان کے نزدیک بے ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ کرامیہ کی طرح میت کو جماد تسلیم

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کرتے ہیں اور پھر اس میں حیات وادراک تسلیم کر کے اس کی تعذیب وتنعیم کو متصور قرار دیتے ہیں اور جماد کی تعذیب کو متکلمین نے جو غیر متصور قرار دیا تھا اور اس لئے میت کی تعذیب کے لئے نوع من الحیات کے خلق کی تاویل کی تھی وہ بھی ان کے نزدیک غیر ضروری تھی۔

غرضیکہ تعذیب جماد کے تصور کے نظریے میں مؤلف ''الاقوال المرضیہ'' معتزلہ کی شاخ کرامیہ کے ساتھ ہمنوائی کر کے متکلمین اہلسنت کے نظریہ کا ابطال کرنا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تعذیب جماد کے اس نظریہ کو تسلیم کر لینے کے بعد جماد کی تعذیب متصور ہو کر کرامیہ کے نظریہ کی تائید ہو جاتی ہے اور اس کے محال ہونے کا تصور باطل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ متکلمین اسلام نے اس کو غیر معقول غیر متصور قرار دیا ہے۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے تمام متکلمین اسلام اور بعد کے علماء کرام اس حیات بسیط کی حقیقت سے بے خبر ہی رہے۔ جس سے مؤلف مذکور نے اس چودھویں صدی کے آخر میں سب کو آگاہ کیا ہے۔

تعذیب جماد کے نظریہ کے غیر معقول اور غیر متصور ہونے کے علاوہ میت کی تعذیب وتنعیم کے لئے حیات بسیط کو کافی سمجھ لینے کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ اس جسم میت کو قبر کا عذاب وثواب حیات جمادی کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ انسان کے تعلق کا تو انکار کیا جا رہا ہے۔ جیسا کہ (الاقوال المرضیہ ص ۵۵) کی عبارت بالا میں اور ''شفاء الصدور'' کی مذکورہ عبارت میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ جب اس تحقیق کی رو سے روح انسانی کا جسم سے کوئی تعلق نہ رہا جس کی وجہ سے جسم، حیات انسانی سے متصف تھا تو بغیر تعلق روح کے جسم میں جو حیات ہوگی ظاہر ہے کہ وہ حیات جمادی ہی ہو سکتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ موت کے بعد عالم برزخ میں پہنچ کر یہ جسم، انسانی جسم نہیں رہتا۔ نہ اس میں انسانی حیات ہوتی ہے بلکہ یہ جماد بن جاتا ہے اور اس میں حیات بھی جمادی ہی ہوتی ہے۔

مقام غور ہے کہ عالم برزخ کے عذاب وثواب کے بارہ میں قرآن وسنت کی جو نصوص وارد ہیں کیا ان کا تقاضا یہی ہے کہ انسان کو عالم برزخ میں جماد بنا کر بحیثیت جماد کے اس کو عذاب وثواب ہوتا ہے؟

غرضیکہ تعلق روح اور اعادہ حیات کے بغیر میت کی تعذیب وتنعیم کا نظریہ کسی طرح بھی اہلسنت کے عقیدہ کی موافقت نہیں کرتا۔ یہ عقیدہ معتزلہ صالحیہ، کرامیہ کا عقیدہ ہے کہ میت جماد بھی ہے اور پھر اس کو عذاب بھی ہوتا ہے۔ صاحب ''اقوال المرضیہ'' اور ان کے ہم نوا تو اس عقیدہ میں معتزلہ کرامیہ کے واضح طور پر ساتھ ہیں اور معتزلہ کرامیہ کا دفاع کرتے ہوئے متکلمین اسلام کا رد کر رہے ہیں۔ البتہ جو لوگ اس تعلق ارواح کے مسئلے پر سکوت کا پردہ ڈالنا چاہتے ہیں ان کو غور کرنا چاہئے کہ جمہور اہلسنت کے مسلک کے خلاف وہ کہیں راہ اعتزال پر تو گامزن نہیں ہو رہے اور ان کا قدم کسی غلط سمت میں تو نہیں اٹھ رہا ہے۔

صاحب ''جواہر القرآن'' کا نظریہ اور اس کی تردید

تعلق ارواح کے مسئلہ میں جس انداز بیان کو بڑا محتاط سمجھا جاتا ہے وہ صاحب جواہر القرآن مولانا غلام اللہ خان مرحوم کا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''باقی رہا ارواح کا تعلق ابدان کے ساتھ تو اس کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے تو اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اتباع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے ارشادات

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

واقوال میں تعلق روح بجسم عنصری کا کوئی نفیاً یا اثباتاً ذکراذکار ہے۔البتہ چوتھی صدی کے بعد سے شارحین حدیث نے بعض حدیثوں میں تطبیق کے سلسلہ میں تعلق روح بجسد عنصری کا مختلف عنوانات سے ذکر کیا ہے......اس لئے عالم برزخ میں تعلق ارواح بابدان عنصریہ کے بارے میں سکوت سب سے احوط مسلک ہے۔ کیونکہ قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں تعلق کا کوئی ذکراذکار نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص غیر معلوم الکیفیت تعلق کا اثبات کرتا ہے تو وہ بھی قابل ملامت نہیں۔ چونکہ متقدمین میں ایک کثیر تعداد مختلف عنوانات کے ساتھ اس کی قائل ہے۔'' (جواہرالقرآن ج ا ص ۱۹۴)

جن لوگوں کے نزدیک تعلق ارواح بابدان عنصریہ، عقیدہ شرکیہ قرار پاچکا ہے وہ اس کو شرک سمجھتے ہیں اور اس کے اظہار میں بھی وہ کسی طرح کی مداہنت سے کام نہیں لیتے۔ ان کے فتویٰ شرک کی زد سے تو صاحب ''جواہرالقرآن'' اس مسلک ''سکوت واحتیاط'' کے اختیار کرنے کے باوجود بھی نہیں بچ سکے۔ کیونکہ کسی عقیدہ شرکیہ پر سکوت کے احوط ہونے کے کوئی معنی نہیں ہیں اور نہ ہی یہ کسی طرح جائز ہے ایک شرکیہ عقیدہ کی تردید سے سکوت کیا جائے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ دین کے اندر ایسا عقیدہ ایجاد کرنا جس کا ثبوت ان کے نزدیک نہ صرف یہ کہ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے نہیں ملتا۔ بلکہ قرون ثلاثہ بھی اس کے ذکراذکار سے خالی ہیں۔ کیا احداث فی الدین اور بدعت فی العقیدہ نہیں ہے؟ پھر اس کا قائل قابل ملامت کیوں نہیں رہا؟

اور صاحب ''جواہرالقرآن'' نے اس کی جو یہ وجہ لکھی ہے کہ: ''متقدمین میں ایک کثیر تعداد مختلف عنوانات کے ساتھ اس کی قائل ہے۔'' اس پر غور درکار ہے کہ متقدمین سے ان کی کیا مراد ہے؟ کیا متقدمین کی کثیر تعداد قرون ثلاثہ کے بعد کی ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس کی کیا وجہ کہ جس چیز کا ذکراذکار قرون ثلاثہ میں نہیں تھا اور اس کا ثبوت کتاب اللہ وسنت صحیحہ سے بھی نہیں ملتا ایسی چیز کی متقدمین میں ایک کثیر تعداد کیوں قائل رہی؟

قبر میں اعادہ روح کی احادیث کا متواتر ہونا اوپر ثابت ہو چکا ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اعادۃ الروح الی العبد حق پر نص فرمادی ہے اور حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ثم ترد فی الاجساد فی القبور سے روح کے اعادہ فی القبر کی تصریح فرمارہے ہیں۔

ان نصوص حدیثیہ اور ائمہ مذاہب کی تصریحات کے ہوتے ہوئے صاحب ''جواہرالقرآن'' کا تعلق ارواح بابدان عنصریہ کے بارہ میں سکوت کو احوط قرار دینا سنت صحیحہ سے اس کے ثبوت کا انکار کرنا اور قرون ثلاثہ کو اس کے ذکر سے خالی کہنا کسی طرح درست نہیں ہوسکتا۔ کیا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ قرون ثلاثہ کے بعد کی پیداوار ہیں؟ اور کیا انہوں نے کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کے برخلاف یہ اعتقادی بدعت ایجاد کی ہے؟ اگر یہ اعتقاد ایسا ہی ہے تو صاحب ''جواہرالقرآن'' کو کم ازکم اس کے بدعت قرار دینے کی ہمت تو ضرور کرنی چاہئے تھی اور اس طرح اس کو سکوت کے پردے میں لپیٹنے کا تکلف نہیں کرنا چاہئے تھا۔

اگرچہ صاحب ''جواہرالقرآن'' نے اس عقیدے کو صاف لفظوں میں بدعت نہیں کہا۔ مگر اس کے بدعت ہونے کے تمام دلائل کو انہوں نے اس جگہ جمع کردیا ہے اور ظاہر ہے کہ جس عقیدہ کا ثبوت کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے بھی نہ ملتا ہو اور قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر بھی اس کے ذکرواذکار سے خالی ہوں تو ہر سمجھدار آدمی سمجھ سکتا ہے کہ یہ عقیدہ بے دلیل اور بدعت ہے، کسی عقیدہ کے بدعت ہونے پر اس سے زیادہ اور کون سے دلائل قائم کئے جاسکتے ہیں؟

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

پہلے تو مؤلف ''جواہر القرآن'' تعلق ارواح بابدان کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ: ''سنت صحیحہ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ الخ'' پھر لکھتے ہیں کہ ''چوتھی صدی کے بعد سے شارحین حدیث نے بعض حدیثوں میں تطبیق کے سلسلہ میں تعلق روح بجسد عنصری کا مختلف عنوانات سے ذکر کیا ہے۔''

جب مؤلف مذکور کو تسلیم ہے کہ شارحین حدیث نے حدیثوں میں تطبیق کے سلسلہ میں اس تعلق روح بجسد عنصری کا ذکر کیا ہے تو اس تعلق روح کے حدیثوں سے ثبوت میں کیا کلام رہ گیا، پھر اس کے سنت صحیحہ سے ثبوت کی نفی کیوں کی گئی ہے؟ کیا مؤلف مذکور کو بعض حدیثوں میں تطبیق کی ضرورت نہیں ہے؟

عود روح پر احادیث صحیحہ کی دلالت اور ائمہ مذہب کی نص نیز متکلمین کی تصریحات کے برخلاف صاحب ''جواہر القرآن'' کا تعلق ارواح بابدان عنصریہ کے بارہ میں سکوت کو احوط قرار دینا معلوم نہیں احتیاط کی کون سی قسم میں داخل ہے؟

جن حضرات اکابر نے اس تعلق کا اثبات اور ذکر کیا ہے کیا ان سب نے بے احتیاطی سے کام لیا ہے؟ اور جب مؤلف ''جواہر القرآن'' نے یہ تسلیم کیا تھا کہ: ''وفات کے بعد آنحضرت ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں یہ تعلق روح حیات حاصل ہے۔'' (ماہنامہ تعلیم القرآن ماہ اگست ۱۹۶۲ء)

تو کیا ایک عقیدہ بدعت اور بے احتیاطی کو اختیار کیا تھا؟

حاصل یہ ہے کہ اگر صرف روح کے معذب ومثاب ہونے کا نظریہ درست ہوتا جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے تو میت کے ماکول اور لقمہ ہو جانے کی صورت میں ان کھائے ہوئے اجزاء میں اور وہ بھی دوسرے جانوروں کے پیٹ میں، اگر ایک گونا حیات ثابت کرنے کی متکلمین کو کیا ضرورت تھی؟

بدن مثالی

اسی طرح اگر روح کو بدن مثالی کے ساتھ عذاب وثواب ہوتا اور بدن عنصری کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہ ہوتا تو بدن مثالی بھی کھانے والے کے پیٹ میں نہیں جاتا۔ اس کے پیٹ میں جس بدن کے اجزاء جاتے ہیں وہ تو جسد عنصری کے ہی اجزاء ہوتے ہیں انہی اجزاء میں متکلمین ایک گونا حیات ثابت کرتے اور اس حیات پر عذاب وثواب کو مرتب کرتے ہیں۔ حیات بسیط اور حیات جمادی کو تعذیب وتنعیم کے لئے نہ صرف یہ کہ کافی نہیں سمجھتے بلکہ جمادکی تعذیب وتنعیم کو غیر متصور وغیر معقول قرار دیتے ہوئے رد کرتے ہیں۔

ایک عقلمند اور منصف مزاج آدمی کے لئے یہ بات کافی ہے کہ تمام علمائے عقائد اور متکلمین نے بدن اور اجزائے بدن میں ایک گونہ حیات کے خلق کا ذکر فرمایا ہے۔ اگر عذاب قبر کے سلسلہ میں بدن اور اجزائے بدن کا واسطہ نہ ہوتا تو متکلمین کو ان میں حیات کے خلق کے قائل ہونے کی کچھ ضرورت نہیں تھی۔ علمائے عقائد اور متکلمین اسلام کے اس قول سے ثابت اور واضح ہو رہا ہے کہ عالم قبر میں راحت وعذاب کا تعلق بدن مادی اور عنصری کے ساتھ بھی ہے اور وہ بھی اس کی ایسی حیات کے بعد کہ اس کو الم ولذت اور احساس وادراک ہو سکے نہ بایں طور کہ وہ جماد کا جماد ہی رہے اور پھر بھی اس پر راحت والم کی کیفیت طاری ہوتی ہو۔ کیونکہ اوپر ثابت ہو چکا کہ جماد کی

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تعذیب وتنعیم غیر معقول اور غیر متصور ہے۔اس لئے عذاب وثواب قبر کے لئے اس صورت کو تجویز کرنا درحقیقت اقرار نما انکار کی ہی ایک صورت اور معتزلہ کرامیہ کی صدائے بازگشت ہے۔

حیات انبیاء علیہم السلام اور سماع عند القبر

تمام اہلسنت والجماعت اس عقیدے پر متفق ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام قبر اور عالم برزخ میں زندہ ہیں اور ان حضرات کی یہ زندگی تمام مؤمنین بلکہ حضرات شہداء کی حیات سے بھی اعلیٰ وارفع اور قوی تر ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کی ان کی قبور میں زندگی متفق علیہ عقیدہ کی حیثیت سے ایک طے شدہ حقیقت ہے۔ اکابر اہلسنت میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں ملتا جس نے انبیاء علیہم السلام خصوصاً حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر کا انکار کیا ہو اور قبر مبارک میں آپ کی روح مبارک کے جسد اطہر سے اتصال وتعلق کی نفی کی ہو۔ بلکہ اس عقیدہ پر اجماع ہے کہ قبر اطہر میں روح مبارک کا جسد اطہر سے ایسا تعلق اور اتصال ثابت ہے جس کے سبب سے جسم مبارک میں حیات اور سماع کی قوت حاصل ہے اور قبر مبارک کے قریب سلام کہنے والوں کا سلام آپ بنفس نفیس خود سماعت فرما لیتے ہیں۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلک علمائے دیوبند

زیر عنوان مسئلہ میں اکابر علماء دیوبند کا مسلک اجمالی طور پر معلوم کرنے کے لئے ''المہند'' کی عربی عبارت کا اکابر کا ہی کیا ہوا اردو ترجمہ ذیل پیش کیا جاتا ہے۔

المہند میں ہے: ''ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو۔''

چنانچہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ: ''انباء الاذکیاء بحیات الانبیاء'' میں بتصریح لکھا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ: ''علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ انبیاء وشہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسی دنیا میں تھی اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے۔ کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے۔'' الخ!

پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کہ برزخی بھی ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہے اور ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کا اس مبحث میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے، نہایت دقیق اور انوکھے طرز کا بے مثل جو طبع ہو کر لوگوں میں شائع ہو چکا ہے اس کا نام ''آب حیات'' ہے۔ (المہند ص ۱۴)

المہند کا تعارف

یہ رسالہ علمائے دیوبند کا مسلکی دستاویز کی حیثیت سے فخر العلماء والمتکلمین شیخ الفقہاء والمحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری نے مرتب فرمایا تھا اور اس وقت کے تمام اکابر علمائے دیوبند نے اپنے تحقیقی اور مختار مسلک کے طور پر اس کو اپنی تصدیقات سے مزین فرمایا تھا۔ جن میں خصوصیت کے ساتھ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

صاحب رحمۃ اللہ علیہ رائے پوری، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلوی قابل ذکر ہیں۔

حیات دنیوی اور برزخی کی تشریح

عقائد علماء دیوبند کی مسلکی دستاویز ''المہند'' کی اس عبارت کی روشنی میں عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تفصیل وتشریح پیش خدمت ہے۔

''المہند'' کی عبارت میں ''نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے'' کے بعد اکابر علماء دیوبند کا یہ تحریر فرمانا کہ: ''اس سے ثابت ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی ہے۔'' صاف طور پر اس کی دلیل ہے کہ دنیوی حیات سے اکابر رحمۃ اللہ علیہ کی مراد یہ ہے کہ یہ حیات اس دنیوی جسم مبارک میں ہے اور نماز جس زندہ جسم کو چاہتی ہے اس سے بھی ان اکابر کی مراد یہی دنیوی جسم مبارک ہے۔ جس کے ساتھ یہ دنیوی حیات حاصل ہے۔ اگر اس جسم سے کوئی دوسرا جسم مراد ہوتا تو اس کو دنیوی حیات پر دلیل بنانا کسی طرح بھی درست نہیں ہوسکتا۔

نیز اس سے دنیوی حیات کا یہ مفہوم بھی متعین ہوجاتا ہے کہ عالم برزخ میں ہوتے ہوئے چونکہ یہ دنیا والا جسم اطہر ہی نماز وغیرہ بجالاتا ہے۔ اس لئے دنیوی جسم کے مشغول عبادت ہونے کی حیثیت سے یہ حیات دنیوی ہے اور عالم برزخ میں ہونے کی وجہ سے بھی برزخی ہے۔ اس طرح یہ حیات برزخی بھی ہے اور دنیوی بھی ہے۔ حضرات اکابر دیوبند کے اس ارشاد سے کہ اس معنی کو برزخی ہی ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہے سے واضح ہوگیا کہ ان حضرات کے نزدیک حیات برزخی میں عالم برزخی اس حیات کا ظرف ہے اور اس حیات اور برزخ میں علاقہ ظرفیت کا ہے نوعیت نہیں۔ یعنی آپ کی یہ حیات طیبہ اگرچہ اسی دنیوی بدن اقدس کے ساتھ ہے۔ مگر حاصل عالم برزخ میں ہے۔

لیکن اس حیات دنیوی سے اکابر علماء دیوبند کا یہ ہرگز مقصد نہیں ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہونے والی اس جسمانی حیات کے لئے دنیوی حیات کے جملہ لوازمات بھی ثابت ہیں اور جیسے کھانے پینے وغیرہ کی دنیا میں حاجت ہوتی تھی اسی طرح قبر اطہر میں بھی ہوتی ہے۔ بلکہ قبر شریف والی جسمانی حیات میں بھی چونکہ دنیوی حیات کی طرح ادراک اور علم وشعور حاصل ہوتا ہے اس لئے بھی اس حیات کو دنیوی حیات کہہ دیا جاتا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرات اکابر دیوبند نے المہند میں علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کی جس عبارت کو استدلال میں پیش کرتے ہوئے الیٰ آخر ما قال کہا ہے۔ اس میں اس کی تصریح ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی قبر میں حقیقی حیات ہونے کے باوجود حیات جسمانی کے جملہ لوازمات ثابت نہیں ہے مثلاً کھانے پینے کی جس طرح دنیا میں حاجت ہوتی ہے اس طرح قبر کی اس حیات میں نہیں ہوتی۔ اسی طرح اور بھی کئی احکام میں فرق اور تفاوت ہے۔ البتہ دنیوی حیات کی طرح علم وسماع ان کو حاصل ہے۔

''ولا یلزم من کونها حیاة حقیقة ان یکون الابدان معها کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج الی الطعام والشراب والامتناع عن النفوذ فی الحجاب الکثیف وغیر ذالک فی صفات الاجسام التی نشاهدها بل قد یکون لها حکم آخر فلیس فی العقل ما یمنع فی اثبات الحیوة الحقیقیة لهم واما الادراکات

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کالعلم والسماع فلاشک ان ذالک ثابت وسند کثبوتہ لسائر الموتی فکیف بالانبیاء'' اوراس حیات کے حقیقی حیات ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس حیات کے ساتھ بدنوں کو کھانے پینے کی ویسی ہی حاجت ہو جیسے دنیا میں تھی یا یہ کہ وہ کثیف پردہ میں نفوذ نہ کرسکیں اوراس طرح اجسام کی دیگر صفات جن کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں ہوسکتا ہے کہ ان ابدان کا حکم دوسرا ہواس میں کوئی امتناع نہیں کہ ان کے لئے حقیقی حیات ثابت ہو رہے اور اکات مثل علم وسماع تو ان کے ثبوت میں کوئی شک ہی نہیں یہ تو تمام مردوں کے لئے ثابت ہیں تو انبیاء علیہم السلام کے لئے کیوں ثابت نہ ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ حضرات اکابر نے جسمانی اور ادراکات کی وجہ سے اس کو دنیوی حیات کہا ہے۔ (شفاء السقام ص ۱۴۳)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ان تلک الحیوۃ فی القبر وان کانت یترتب علیھا بعض مایترتب علی الحیوۃ فی الدنیا المعروفۃ ورد السلام المسموع ونحو ذالک الا انھا لا یترتب علیھا کل من یمکن ان یترتب علی تلک الحیوۃ المعروفۃ'' اس قبر کی زندگی پر اگرچہ بعض وہ امور مرتب ہوتے ہیں جو دنیا کی معروف زندگی پر مترتب ہوتے ہیں۔ مثلاً نماز، اذان واقامت اور سنے ہوئے سلام کا جواب لوٹانا اوراسی طرح کے کئی اور امور، مگر اس پر وہ سب امور مترتب نہیں ہوتے جو دنیا کی معروف زندگی پر مترتب ہوتے ہیں۔ (روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۸)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ ''لطائف قاسمیہ'' میں ارقام فرماتے ہیں: ''انبیاء کرام علیہم السلام کو انہی اجساد کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔'' (ص ۳)

اور تحریر فرماتے ہیں: ''انبیاء کرام کو ابدان دنیا کے حساب سے زندہ سمجھیں گے۔'' (ص ۴)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ اور اکابر علماء دیوبند نے جو آنحضرت ﷺ کی عالم برزخ کی حیات کو دنیوی کہا ہے تو اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ وہ حیات اسی دنیا والے جسم اطہر میں ہے اس کو دنیوی حیات کہنے سے ہرگز ان کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ وہ حیات اس عالم دنیا میں ہے یا بجمیع الوجوہ دنیوی حیات ہے۔

ایک مغالطہ

جب حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے اس حیات دنیوی کے مفہوم اوراس کے حدود کو خود واضح فرمادیا ہے کہ وہ اس عالم دنیا میں نہیں ہے اور نہ وہ بعینہا اس دنیا والی حیات ہے۔ بلکہ اس پر حیات دنیوی کا اطلاق ابدان دنیوی میں زندگی ہونے کے اعتبار سے ہے تو پھر کس قدر مغالطہ دہی ہے کہ اس حیات دنیوی کے ابطال کے لئے ان آیات اور روایات کا سہارا لیا جاتا ہے جن میں اس عالم دنیا کی حیات کے مطلوب اور محبوب نہ ہونے اور حیات اخروی کے مرغوب ومحبوب ہونے کا بیان ہے یا ان اکابر کے خلاف یہ پروپیگنڈا کیا جائے کہ یہ حضرات آنحضرت ﷺ کو اسی عالم دنیا میں زندہ سمجھتے ہیں اور وہ انتقال من دار الی دار کے قائل نہیں ہیں۔

ان اکابر کی طرف ایسی خلاف حقیقت بات کے منسوب کرتے وقت اپنی آخرت اور وہاں کی جواب دہی کی فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

انبیاء علیہم السلام پر وفات شریفہ کا ورود

حضرت انبیاء کرام علیہم السلام پر وفات شریفہ کا ورود ایک قطعی اور حتمی امر ہے۔ عموماً اس کا اعتقاد رکھنا ضروری

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ تمام انبیاء علیہم السلام پر حسب فرمان خدوندی ''کل نفس ذائقۃ الموت'' موارد ہوئی اور خصوصاً آنحضرت ﷺ کی وفات کی خبر قبل از وقوع ''انک میت'' اور ''افان مات'' آیات میں دی گئی اور وقوع وفات کی خبر بھی متعدد احادیث میں دی گئی ہے۔ ''توفی النبی قبض النبی ﷺ'' اور خطبہ صدیقیہ کے صریح الفاظ ''ان محمدا قد مات'' اس پر نص ہیں نیز آپ کی تجہیز و تکفین اور دفن وقبر مبارک وغیرہ کا ذکر احادیث میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ غرضیکہ آپ ﷺ کی وفات شریفہ ایک مسلم اور ثابت شدہ حقیقت ہے اور کوئی شخص اس کا منکر نہیں ہے ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ پر وفات شریفہ وارد ہوئی ''کل نفس ذائقۃ الموت'' کا وعدہ پورا ہوا اور آپ نے عالم دنیا سے عالم برزخ میں انتقال فرمایا۔ یہ تمام امت کا اجماعی مسلمہ عقیدہ ہے۔

امت کے اس مسلمہ عقیدہ کو موضوع بحث بنا کر آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے آنحضرت ﷺ کی وفات کو ثابت کرنے کے در پے ہونا خلط مبحث ہونے کے علاوہ اکابر علماء پر اس الزام تراشی اور تہمت لگانے کے بھی مترادف ہے کہ یہ حضرات اکابر قرآن وحدیث کی نصوص قطعیہ کے برخلاف آنحضرت ﷺ کی وفات شریفہ کے قائل نہیں ہیں۔ کیا یہ طریقہ حضرات اکابر رحمہم اللہ کی کھلم کھلا توہین کرنے اور ان کو نصوص قطعیہ کے انکار کا برملا مجرم ٹھہرانے کے مترادف نہیں ہے؟

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں: حسب ہدایت ''کل نفس ذائقۃ الموت'' اور ''انک میت و انہم میتون'' ''تمام انبیاء کرام علیہم السلام خاص کر سرور انام ﷺ کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضروری ہے۔'' (لطائف قاسمیہ ص ۴)

یہ عبارت نص ہے اس عقیدہ کے ضروری ہونے پر کہ آنحضرت ﷺ کی وفات شریفہ ہو چکی ہے، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے اس عقیدہ کو ضروری قرار دینے کے باوجود ان پر اس تہمت کے لگانے کی کیا کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ وہ وفات شریفہ کے ورود کے قائل نہیں ہیں؟

الحاصل حضرات انبیاء علیہم السلام پر ورود موت کا عقیدہ ایک حتمی اور قطعی منصوص عقیدہ ہے اور اس کا اعتقاد رکھنا ایسے ضروری عقائد میں سے ہے جن پر امت مسلمہ کا اتفاق اور اجماع ہے۔ مگر اس سے حیات النبی ﷺ کے عقیدہ اور حیات بعد الوفات کے مسئلہ کو کچھ تصادم نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ حیات وعدۂ الٰہی کے پورا ہونے اور ورود موت کے بعد قبر اور عالم برزخ میں حاصل ہے اور یہ حیات بھی ثابت اور اہلسنت کا متفق علیہ اجماعی عقیدہ ہے۔

شرائط تناقض

تناقض کے لئے وحدت زمان اور وحدت مکان کی شرط کا پایا جانا بھی ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ عالم برزخ کی اس حیات بعد الوفات میں یہ دونوں شرطیں مفقود ہیں۔ جس زمانے میں عالم دنیا کی موت نصوص سے ثابت ہے وہ زمانہ عالم برزخ کی حیات کے مغائر ہے۔ اسی طرح عالم اور مکان بھی موت وحیات کا مختلف ہے۔ اس لئے حیات فی البرزخ ان نصوص کے کسی طرح معارض ومخالف نہیں جن سے عالم دنیا کی موت ثابت ہو رہی ہے۔ ورنہ تو پھر عالم قیامت میں بھی حیات کا حصول ایسی نصوص کے مخالف ہوگا۔ حالانکہ عالم قیامت کی حیات بھی نصوص سے ثابت ہے اور یقینی بات ہے کہ خدائے صادق کے کلام میں، تعارض، نقص اور عیب ہونے کی وجہ سے محال ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حیات جسمانی

یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ جسم کی حیات عادتاً روح کے تعلق کے بغیر متحقق نہیں ہوتی اور یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ فقط روح کے زندہ ہونے سے ہی بغیر تعلق روح کے کسی شخص کو زندہ نہیں کہا جاتا۔ کیونکہ روح تو ہر شخص کی ہر وقت زندہ رہتی ہے۔ اگر صرف روح کی زندگی سے ہی جسم کو زندہ کہا جایا کرتا تو پھر تو جسم پر میت کا اطلاق کرنا کسی وقت بھی درست نہ ہوتا۔ کیونکہ روح تو ورود موت اور انفصال عن الجسد کے وقت بھی زندہ ہوتی ہے۔ اس لئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ کسی شخص کے زندہ ہونے یا زندہ نہ ہونے کا معیار جسم ہے اور یہی جسم زندگی اور موت کا محل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس وقت کسی شخص کے جسم میں روح یا حیات ہو اس وقت وہ شخص زندہ ہے اور جس وقت اس کی روح یا حیات اس کے جسم سے منقطع ہوا اس وقت مردہ ہے، روح کے انقطاع کے بعد وہ زندہ نہیں رہا۔ غرضیکہ جسم کی حیثیت اس بارے میں مستقر اور محل کی ہے۔ حیّ اس جسم کو کہیں گے جس کے ساتھ روح کا تعلق موجود ہو اور میت اس جسم کو کہتے ہیں جو روح سے خالی اور بے تعلق ہو۔

تمام اہلسنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام قبر اور برزخ میں زندہ ہیں اور ان کی یہ زندگی صرف روح کی زندگی نہیں ہے بلکہ جسمانی زندگی ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کی ارواح مطہرہ کے تعلق کے ساتھ ان کے ابدان مقدسہ بھی زندہ اور فائز الحیات ہیں، اس لئے اس کی ضرورت تو نہیں تھی کہ اہلسنت کے اس متفق علیہ اور اجماعی عقیدہ کو دلائل سے ثابت کیا جائے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ اس مسئلہ پر علماء عصر کثر اللہ فینا امثالھم نے مسلک اہلسنت کی تائید وحمایت میں کتاب وسنت کے دلائل کا بہت بڑا ذخیرہ پہلے ہی جمع کر دیا ہے۔ جو ایک حق کے متلاشی اور انصاف پسند شخص کی راہ نمائی کے لئے کافی سے زائد ہے۔ مگر چونکہ اس زمانے میں ایک طرف تو علمی استعداد کے انحطاط کے باعث مبسوط اور مفصل کتابوں کے مطالعہ کا ذوق بہت ہی معطل ہو رہا ہے۔

دوسری طرف مسلک اہلسنت کے اس متفقہ عقیدہ کے خلاف نہ صرف یہ کہ برملا اسٹیجوں پر اظہار خیال کیا جا رہا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر حاملین مسلک کو چیلنج اور دعوت مناظرہ دے کر فضاء کو مکدر کرنے کی بھی پوری کوشش کی جا رہی ہے۔ اس لئے مبارزت طلبی کے جواب میں میدان مناظرہ گرم کر کے جوابی کارروائی کے ذریعے مزید تلخی پیدا کرنے کی بجائے یہی مناسب سمجھا گیا کہ اس عقیدہ کے بارے میں مسلک علمائے دیوبند کو واضح کر دیا جائے اور اختصار کا لحاظ رکھتے ہوئے کتاب وسنت سے ان کے استدلال واستناد کی طرف بھی اشارہ کر دیا جائے اور اس مسلک پر متکلمین اسلام اور محققین علمائے امت کی عبارات کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ بعض ایسے مغالطات اور شبہات کے ازالہ اور دفعیہ کا بھی خیال رکھا جائے جن کو عوامی طرز پر پھیلا کر لوگوں کو غلط فہمی کا شکار کیا جا رہا ہے۔

مؤیدات مسلک علمائے دیوبند

قرآن کریم

نوع انسانی کے طبقہ شہداء کے لئے خالق کائنات کا یہ حکم ناطق ہے کہ ان کو مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں،

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

یعنی طریان موت کے بعد وہ زندہ کر دیئے گئے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے: ''ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون'' اور تم ان کو جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں مردے نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں شعور نہیں ہے۔

اس تسلیم شدہ حقیقت کے پیش نظر جس کا اوپر ذکر ہوا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ شہداء کے اجساد میں ان کی ارواح موجود ہوتی ہیں اور روح کے موجود ہونے کی وجہ سے ان کا جسم زندہ اور ان کو جسمانی حیات حاصل ہے۔ اس لئے کہ قتل فعل حسی ہے اس کا محل جسم ہے نہ کہ روح، اس لئے جو جسم قتل کا محل ہے وہی جسم حیات کا بھی محل ہوگا اور جسم کی حیات روح کے تعلق کا تقاضا کرتی ہے۔

دلالۃ النص

قرآن کریم کے الفاظ اور عبارت النص کے لحاظ سے تو یہ حکم شہداء کے لئے ہی ثابت ہے۔ مگر یہی حکم دلالۃ النص کے اعتبار سے انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی بطریق اولی ثابت ہے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ پانی پتی کی ''تفسیر مظہری'' کے ان لفظوں سے بھی اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

''لفظ فی سبیل اللہ عام یشتمل من مات فی شئ من امور الخیر غیر ان لفظ القتل لا یشمله عبارۃ لکن بدلالة النص یدخل فیه بالطریق الاولی'' فی سبیل اللہ کا لفظ عام ہے جو بھی نیک کام میں فوت ہو جائے اس کو شامل ہے مگر یہ کہ لفظ قتل عبارت میں اس کو شامل نہیں۔ البتہ دلالۃ النص کے اعتبار سے بطریق اولی اس میں داخل ہے۔ (مظہری ج ۲ ص ۱۶۶)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''الموت لیس بعدم محض وانما الانتقال من حال الی حال ویدل علی ذالک ان الشهداء بعد قتلهم وموتهم احیاء عند ربهم یرزقون وهذا صفة الاحیاء فی الدنیا واذا کان هذا فی الشهداء فالانبیاء احق واولی بذلک ونصوص العلماء فی حیوة الانبیاء کثیرة'' موت عدم محض نہیں بلکہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا ہے اور دلیل اس پر یہ ہے کہ شہدائے کرام اپنے قتل وموت کے بعد زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں اور یہ صفت ہے زندہ کی دنیا میں جب یہ صفت شہداء کی ہے تو انبیاء علیہم السلام اس کے بدرجہ اولی حقدار ہیں اور حیات انبیاء میں علماء کی عبارتیں بہت ہیں۔ (قرطبی)

انبیاء علیہم السلام کی شہداء پر افضلیت اور اولیت سب کے نزدیک مسلم ہے۔ تفسیر کبیر میں ہے: ''لان منازل الانبیاء فوق منازل الشهداء'' انبیاء علیہم السلام کے درجات شہداء کے مدارج سے بلند و بالا ہیں۔ (کبیر ج ۳ ص ۱۴۳)

اور ظاہر ہے کہ فرد ادنیٰ شہداء کے لئے جس حکم کا ثبوت نص قرآنی سے ہو رہا ہے اس حکم کے فرد اعلیٰ یعنی انبیاء علیہم السلام کے لئے علیٰ وجہ الکمال اور بدرجہ اتم ثابت ہونے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ اس طرح اس نص قرآنی سے بطور دلالۃ النص کے انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ حیات انبیاء پر بحث فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''واذا ثبت انهم احیاء من حیث النقل فانه یقویه من حیث النظر کون الشهداء احیاء بنص القرآن والانبیاء افضل من الشهداء'' اور

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جب نقل کے لحاظ سے انکا زندہ ہونا ثابت ہے تو دلیل عقلی اور قیاس بھی اس کی تائید کرتا ہے وہ یہ کہ شہداء نص قرآنی کی رو سے زندہ ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تو شہداء سے اعلیٰ اور افضل ہیں (تو بطریق اولی ان کو حیات حاصل ہوگی) (فتح الباری ج ۶ ص ۳۷۹)

امام ابوالقاسم القشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''فاخبر سبحانہ ان الشہداء احیاء عند ربھم فالانبیاء اولی بذالک لتقاصر رتبۃ الکافۃ عن درجۃ النبوۃ'' (اس ارشاد میں) اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ شہداء زندہ ہیں تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بطریق اولی زندہ ہیں کیونکہ سب کا درجہ نبوت کے مرتبہ سے قاصر ہے۔ (الرسائل القشیریہ ص ۱۰)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''والانبیاء اولی بذلک فھم اجل واعظم'' انبیاء علیہم السلام اس کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ وہ ان سے زیادہ بزرگ تر اور برتر ہیں اور فرماتے ہیں: ''فاذا کان فی الشہید فالانبیاء احق بذلک واولی'' جب یہ صفت شہید کے حق میں آئی ہے تو انبیاء اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ (انباء الاذکیا)

اور تفسیر مظہری میں ہے: ''والحق عندی عدم اختصاصھا (ای الحیوۃ) بھم (ای الشہداء) بل حیاۃ الانبیاء اقویٰ منھم واشد ظھوراً آثارھا فی الخارج'' میرے نزدیک حق یہ ہے کہ یہ حیات شہداء کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ انبیاء کی حیات ان سے زیادہ قوی ہے اور اس کے آثار خارج میں زیادہ ظاہر ہیں۔ (مظہری ج ۱ ص ۱۴۱)

انبیاء علیہم السلام کی حیات کا ثبوت

اب اگر ہمیں اس حیات کا پتہ نہیں چلتا اور ہم انہیں عبادات کرتے ہوئے محسوس نہیں کرتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری ان آنکھوں میں وہ قوت نہیں ہے کہ ہمیں ان کی زندگی یا ان کے معروف عبادت ہونے کا ادراک ہوسکے۔ کیونکہ پردۂ برزخ اس ادراک میں حائل ہوتا ہے۔ مگر ہمارے محسوس نہ کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ وہ ذوات مقدسہ اپنی قبور میں زندہ نہیں یا وہ معطل عن الافعال ہیں۔

حق یہی ہے کہ شہداء کے لئے حیات نص قرآنی سے ثابت ہے اور وہ حیات جسمانی ہے اور یہی جسمانی حیات انبیاء علیہم السلام کے لئے بطریق اولی ثابت ہے۔

علامہ عبدالحق مکی ''اکیل شرح مدارک التنزیل'' میں لکھتے ہیں: ''فذھب کثیر من السلف الی انھا حیات حقیقۃ بالروح والجسد ولکنا لا ندرک ولانعلم حقیقتھا لانھامن احوال البرزخ التی لا یطلع علیھا'' بہت سے سلف اس طرف گئے ہیں کہ وہ حیات حقیقی ہے روح اور جسد کے ساتھ لیکن ہم اس کو سمجھتے نہیں اور نہ اس کی حقیقت جانتے ہیں اس لئے کہ وہ برزخ کے ان حالات میں سے ہے جن پر اطلاع نہیں دی گئی۔ (اکیل ج ۲ ص ۲۹)

علامہ سید محمود آلوسی مفتی بغداد شہداء کی حیات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''واختلف فی ھذہ الحیوۃ فذھب کثیر من السلف الی انھا حقیقۃ بالروح والجسد ولکنا لا ندر کھا فی ھذہ النشاۃ'' اور اس حیات کے بارہ میں اختلاف کیا گیا ہے اور بلاشبہ بہت سے سلف صالحین اس طرف گئے ہیں کہ یہ حقیقتاً حیات ہے جو روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہوتی ہے لیکن ہم اس دور اور حالت میں اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۲۰)

قاضی شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وردالنص فی کتاب اللہ فی حق الشہداء انھم احیاء یرزقون وان

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

الحیاۃ فیھم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء والمرسلین " حق شہداء میں نص قرآنی وارد ہے کہ وہ زندہ ہیں انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے تو پھر انبیاء مرسلین کی حیات اطہر کس طرح جسمانی نہ ہوگی۔ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۶۴)

مفسرین کرام نے "احوال البرزخ التی لا یطلع علیھا" سے اس چیز کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ وہ حیات عالم برزخ میں ہونے کی وجہ سے ہماری ان آنکھوں سے مشاہد اور محسوس نہیں ہوتی۔ مگر ایسی عبادات کو اس حیات کے روحانی ہونے سے کچھ تعلق نہیں۔ اس لئے کہ وہ حیات جسمانی ہوتے ہوئے بھی عالم برزخ اور پردہ غیب میں ہونے کی وجہ سے غیر مشاہد اور غیر مدرک ہے اور "ولکن لا تعلمون" کی بجائے "لا تشعرون" سے شعور کی نفی فرمانے کی بھی شاید یہی وجہ ہو۔ کیونکہ شعور اس احساس کو کہتے ہیں جو حواس کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے تو اب "لا تشعرون" کا مفہوم یہ ہوا کہ شہداء کی اس حیات کا احساس اور مشاہدہ حواس کے ساتھ نہیں ہوتا۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ابوحیان کا قول ایسا ہی نقل فرمایا ہے: "وذھب آخرون الی ان الشھید حی مع الجسد والروح ولا یقدح فی ذالک عدم شعورنا بہ فنحن نراھم علی صفۃ الاموات وھم احیاء... ولذلک قال تعالٰی بل احیاء ولکن لا تشعرون فنبہ بقولہ ذالک خطابا للمؤمنین علی انھم لا یدرکون ھذہ الحیاۃ بالمشاھدۃ والحس" اور دوسرے اس طرف گئے ہیں کہ شہید جسد اور روح سمیت زندہ ہیں اور ہمارا عدم شعور اس بات میں قادح نہیں کیونکہ ہم ان کو صفت اموات پر دیکھتے ہیں، حالانکہ وہ زندہ ہیں اس واسطے اللہ تعالٰی نے بل احیاء ولکن لا تشعرون فرمایا ہے۔ پس اس ارشاد سے مومنین کو خطاب کر کے متنبہ فرمایا ہے کہ وہ اس زندگی کو مشاہدہ اور حواس سے نہیں معلوم کر سکتے۔ (شرح الصدور ص ۸۵)

اور اگر غور سے دیکھا جائے تو شہداء کی حیات کو دوسری عام اموات کی حیات سے حیات جسدی کی وجہ سے ہی امتیاز اور اختصاص حاصل ہوتا ہے ورنہ روحانی حیات تو سب کو ہی حاصل ہوتی ہے اور شہداء کو یہ حیات جسدی چونکہ عام مومنین کی حیات سے قوی تھی۔ اس لئے اس کے محسوس و مشاہد ہونے کا مظنہ تھا اور پھر اس کے محسوس و مشاہد نہ ہونے کی وجہ سے انکار حیات محتمل تھا۔ غالباً اسی وجہ سے "لا تشعرون" فرما کر اس کا غیر مشاہد اور غیر محسوس بالمشاعر ہونا بتلایا گیا ہے کہ کہیں اس کے محسوس بالحواس نہ ہونے کی وجہ سے اس کے جسمانی ہونے کی ہی نفی نہ کر دی جائے اور چونکہ ادراک بالحواس اور شعور کا تصور حیات جسدی میں ہی ممکن ہے روح کی حیات کا ادراک و احساس تو مشاعر سے ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کا تو امکان اور تصور ہی نہیں ہے کہ کوئی شخص روح کی حیات کو حواس کے ذریعہ معلوم کر سکے۔ اس لئے ارشاد باری تعالٰی "لا تشعرون" بھی شہداء کی حیات جسدی ہی کی طرف مشعر ہے۔

جیسا کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وبھذا یتمیز الشھید عن غیرہ ولو کان المراد حیاۃ الروح فقط لم یحصل لہ تمییز عن غیرہ لمشارکۃ سائر الاموات لہ فی ذالک ولعلم المؤمنین باسرھم حیاۃ کل الارواح فلم یکن لقولہ ولکن لا تشعرون معنیً" اور اس سے شہید کو دوسروں سے امتیاز ہوتا ہے اور اگر فقط روح کی حیات مراد ہوتی تو دوسروں سے امتیاز نہ ہوتا بوجہ اس کے کہ تمام اموات اس میں شریک ہیں اور مومنین کو سب کو تمام ارواح کی حیات کا علم بھی ہے تو پھر "ولکن لا تشعرون" کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ (شرح الصدور ص ۸۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

انبیاء علیہم السلام کی حیات، شہداء کی حیات سے اعلیٰ ہے

مفسرین کرام اور ائمہ عظام کی ان تصریحات سے جہاں یہ واضح ہو رہا ہے کہ نص قرآنی کی دلالت سے انبیاء علیہم السلام کی قبر اور برزخ میں حیات ثابت ہے، وہاں یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی یہ حیات بلحاظ اولیت مقام اور افضلیت درجہ شہداء کی حیات سے اقویٰ اور کامل تر ہے۔ پھر چونکہ جمہور مفسرین اور اکابر علماء متقدمین کی تصریحات کے مطابق شہداء کو حیات جسدی حاصل ہے۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام کو بدرجہ اولیٰ اس سے بھی اقویٰ اور کامل تر یعنی حیات جسدی حقیقی حاصل ہے۔ اسی وجہ سے "المہند" کی عبارت مذکورہ میں انبیاء علیہم السلام کی حیات فی القبر کے ساتھ شہداء کی حیات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

تطبیق بین الروایات

اوپر احادیث متواترہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ قبر میں جسد کی طرف روح کو لوٹایا جاتا ہے۔ جیسا کہ ابوداؤد کی حدیث کے الفاظ "تعاد الروح فی جسدہ" سے ثابت ہو چکا ہے اور بعض دوسری احادیث میں آیا ہے کہ شہیدوں اور مومنین کی روحیں جنت میں ہوتی ہیں اسی طرح احادیث صحیحہ میں ارواح انبیاء علیہم السلام کے رفیق اعلیٰ یا اعلیٰ علیین میں قیام پذیر ہونے کا ذکر بھی آتا ہے۔ بظاہران مختلف احادیث میں تعارف معلوم ہوتا ہے اور غیر بالغ نظریں ان میں جمع اور تطبیق کی صورت تجویز کرنے کی بجائے ٹکراؤ اور تصادم کا راستہ اختیار کر کے رد و انکار کی راہیں تلاش کرتی رہتی ہیں۔ حالانکہ علمائے امت ہمیشہ سے ان میں جمع اور تطبیق کی صورت اختیار کرتے آئے ہیں۔

چنانچہ بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی نے اس مسئلے پر محدثانہ اور فقیہانہ انداز سے بحث کرتے ہوئے ان روایات کی تطبیق کی یہ صورت تجویز فرمائی ہے: "وجه التطبيق مقر ارواح المؤمنين فی عليين او فی السماء السابعة كما مر ومقر ارواح الكفار فی سجين ومع ذالک لكل روح منها اتصال بجسده فی قبره لا يدرک كنهه الا الله تعالى وبذالک الاتصال يصح ان يعرض على الانسان المجموع المركب من الجسد والروح مقعدة من الجنة والنار ويحس اللذة والالم ويسمع سلام الزائر ويجيب المنكر والنكير ونحو ذالک مما ثبت بالكتاب والسنة" تطبیق اس طور پر ہے کہ مومنوں کی ارواح کا مستقر علیین یا ساتواں آسمان اور اس کی مانند کوئی اور جگہ ہے جیسا کہ گزر چکا اور کفار کی ارواح کا ٹھکانہ سجین ہے لیکن بایں ہمہ ہر روح کا جسم کے ساتھ قبر میں تعلق ہے۔ جس کی حقیقت بجز خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا اور اس اتصال کی وجہ سے صحیح ہے کہ انسان پر جو جسم و روح دونوں کا مجموعہ اور مرکب کا نام ہے اس کا ٹھکانہ جنت یا دوزخ پیش کیا جائے اور وہ لذت یا دکھ محسوس کرے اور زیارت کرنے والے کا سلام سنے اور منکر نکیر کو جواب دے اور اس کی مانند اور امور جن کا کتاب وسنت سے ثبوت ہو چکا ہے۔　(تفسیر مظہری ج ۱۵ ص ۲۲۵)

اس عبارت سے واضح ہے کہ ارواح کا مستقر علیین یا سجین میں ہونا قبر میں حیات حاصل ہونے کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ علیین اور سجین میں ارواح کا استقرار ہوتے ہوئے بھی فی الجملہ ان کا تعلق و اتصال قبروں میں اپنے اپنے اجسام کے ساتھ ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کو لذت و کلفت کا احساس و ادراک بھی ہوتا ہے اور وہ منکر و نکیر کے سوال کا جواب دیتے اور عند القبر سلام کہنے والے کا سلام سنتے ہیں۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''فالروح هناک لها اتصال بالبدن فی القبر واشراف علیه وتعلق به بحیث یصلی فی قبره ویرد علیه سلام من سلم وهی فی الرفیق الاعلی'' روح وہاں ہے وہیں سے روضہ منورہ میں موجود جسم اطہر کے ساتھ اتصال ہو رہا ہے روح مبارک اور بدن اطہر کا ایسا قوی تعلق ہے کہ آپ اپنی قبر شریف میں نماز پڑھتے ہیں اور ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ (کتاب الروح ص ۵۴)

نیز علامہ ابن قیم نے اپنی کتاب زاد المعاد میں بھی اسی طرح کی عبارت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں: ''وبعد وفاته استقرت فی الرفیق الاعلی مع ارواح الانبیاء ومع هذا فلها اشراف علی البدن واشراق وتعلق به بحیث یرد السلام علی من سلم علیه وبهذا التعلق رای موسی قائماً یصلی فی قبره'' اور وفات کے بعد رفیق اعلیٰ میں ارواح انبیاء کے ساتھ آپ کی روح نے قرار پکڑا اس کے باوجود اس کا بدن مبارک کی طرف توجہ اور ایسا تعلق ہے کہ ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں اور اسی تعلق کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا تھا۔ (زاد المعاد ج ۲ ص ۴۹)

خلاصہ یہ ہے کہ عالم برزخ میں منتقل ہو جانے کے بعد ارواح مبارکہ کو اس قدر وسعت حاصل ہو جاتی ہے کہ رفیق اعلیٰ میں ان کے استقرار کے باوجود قبور شریفہ میں موجود اجسام مطہرہ کے ساتھ بھی ان کو اتصال حاصل ہوتا ہے اور اسی اتصال اور تعلق کی وجہ سے ان کو حیات حاصل ہے اور وہ اسی تعلق کی وجہ سے اپنی اپنی قبروں میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں: ''انما نسمة المؤمن طیر تعلق فی شجر الجنة حتی یرجعه الله فی جسده یوم یبعثه رواه مالک والنسائی والبیهقی کذا فی المشکوٰة'' مومن کی روح پرندے کی شکل میں جنت کے درخت سے کھاتی رہے گی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو بعث کے دن اس کے جسد میں لوٹائے۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ یوم بعث تک روح مومن کا مستقر شجر جنت ہے۔ پس یہ صریح ہے اس میں کہ اعادہ الی الارض منافی اس قرار فی الجنۃ کے نہیں یا تو اس طرح کہ اوّل یہ اعادہ ہوتا ہو پھر سوال نکیرین کے بعد عروج الی السماء ہوتا ہو اور یا اس طرح کہ یہ اعادہ اور قرار فی الجنۃ مختلف حیثیتوں سے ایک وقت میں مجتمع ہو جاتے ہوں یعنی اصل قرار تو جنت میں ہو اور قبر میں اصل قرار نہ ہو کچھ تعلق جسد سے ہو خواہ وہ جسد اصلی حالت پر یا مستحیل ہو گیا ہو اور یہ تعلق صرف اتنا ہو کہ جس سے ادراک نعیم والم کا ہو سکے۔ جیسا اب اصل تعلق قرار کا جسد سے ہے اور ساتھ ہی عالم مثال وارواح سے بھی تعلق ہے۔ جس سے گاہ گاہ اس عالم کا انکشاف بھی ہوتا ہے اور گاہ گاہ اس سے تاثر بھی ہوتا ہے خصوصی حالت نوم میں۔ (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۴۱۹)

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اور حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی ان عبارات میں تطبیق بین الروایات کا ایسا طریقہ اختیار کیا گیا ہے جس سے روایات مختلفہ جمع ہو کر حیات انبیاء علیہم السلام اور قبر کے پاس سے صلوٰۃ وسلام کے سننے کا ثبوت ہو جاتا ہے نہ معلوم آج کل کے بعض منتسبین دیوبند تعلق ارواح کے مسئلے کا کیوں انکار کر رہے ہیں اور ان اکابر علماء کی تحقیق وتطبیق سے انحراف کر کے ارواح کا ابدان عنصریہ کے ساتھ تعلق کے بارے میں سکوت کا پردہ کیوں ڈالنا چاہتے ہیں اور ان کو اکابر کی یہ تطبیق وتحقیق کیوں پسند نہیں آتی؟

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مسلک دیوبند کی ایک حدیث مبارکہ ﷺ سے تائید

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: "ان من افضل ایامکم یوم الجمعة فیه خلق آدم وفیه قبض وفیه النفخة وفیه الصعقة فاکثر واعلیٰ من الصلوٰة فیه فان صلوٰتکم معروضة علیّ قال قالوا یارسول الله کیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت قال یقولون بلیت فقال ان الله عزوجل حرم علی الارض اجساد الانبیاء" بے شک ہمارے افضل ترین ایام میں سے جمعے کا دن ہے۔ اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی میں ان کی وفات ہوئی اور اسی میں نفخہ اولیٰ ہوگا اور اسی میں نفخہ ثانیہ ہوگا سو تم جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارا درود آپ پر کس طرح پیش کیا جائے گا جب کہ آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد حرام کر دیئے ہیں یعنی زمین ان کو نہیں کھاتی۔

(ابوداؤد ج۱ ص۱۵۰ والدارمی ص۱۹۵ والنسائی ج۱ ص۱۵۴ وابن ماجہ ص۷۷ وسنن الکبریٰ ج۳ ص۲۴۹)

نیز امام حاکم نے (مستدرک ج۱ ص۵۶۰) میں بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور وہاں امام حاکم اور علامہ ذہبی رحمہما اللہ دونوں نے اس کو بخاری اور مسلم دونوں کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: "تو اس حدیث کو امام ابن خزیمہ، ابن حبان، دارقطنی اور نووی نے صحیح کہا ہے۔" (تفسیر ابن کثیر ج۳ ص۵۱۴)

علامہ ابن عبدالہادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "فعلی هذا یکون الحدیث الذی رواه حسین الجعفی عن ابن جابر عن ابی الاشعث عن اوس حدیثاً صحیحاً لان رواته کلهم مشهورون بالصدق والامانة والثقة والعدالة وبذلک صححه جماعة من الحفاظ کابی حاتم بن حبان والحافظ عبدالغنی المقدسی وابن دحیه وغیرهم ولم یات من تکلم فیه وعلله لحجة بینة" یہ حدیث جس کو حسین الجعفی نے ابن جابر سے اور اس نے ابوالاشعث سے اس نے حضرت اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے صحیح ہے۔ اس لئے کہ اس کے سب راوی صدق وامانت اور ثقاہت وعدالت میں مشہور ہیں اسی واسطے حفاظ حدیث میں ایک بڑی جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے۔ مثلاً ابوحاتم ابن حبان، حافظ عبدالغنی مقدسی اور ابن دحیہ وغیرہم اور کوئی شخص ایسا نہیں جس نے اس حدیث پر حجت اور دلیل سے کلام کیا ہو۔ (الصارم ص۱۷۴)

اس صحیح حدیث سے امور ذیل کا ثبوت حاصل ہوتا ہے:

۱...... آنحضرت ﷺ پر زندگی میں درود شریف پیش ہوتا رہا۔ چنانچہ آپ کے یہ الفاظ صراحت کے ساتھ اس پر دلالت کرتے ہیں: "فان صلوٰتکم معروضة علیّ" تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

۲...... زندگی مبارک میں درود شریف کے پیش ہونے پر کوئی اشکال پیش نہیں آیا۔ لیکن وفات شریفہ کے بعد درود شریف کیوں کر پیش ہوگا۔ آیا صرف روح مبارک پر پیش ہوگا یا روح مبارک یا جسد اقدس کے مجموعے پر یہ عرض ہوگی؟

عقلی طور پر اس کی کئی صورتیں متصور ہو سکتی ہیں۔ اس سوال وجواب سے واضح ہو رہا ہے کہ عرض صلوٰۃ میں روح مبارک کے ساتھ جسد اقدس کو بھی ضرور دخل ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال "کیف تعرض صلوٰتنا علیک

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

وقد ارمت'' کے جواب میں ارشاد نبوی ﷺ ''ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء'' کا منشاء صاف واضح ہے کہ انبیاء کرام کے اجساد مطہرہ اس طرح محفوظ ہوتے ہیں کہ اس پر صلوٰۃ وسلام برابر پیش ہوتا رہتا ہے اور وفات سے پہلے اور وفات کے بعد عرض صلوٰۃ کی کیفیت بھی برابر ہے۔ پھر ظاہر ہے کہ وفات سے پہلے جب یہ عرض صلوٰۃ وسلام روح مع الجسد پر پورے شعور وادراک کے ساتھ ہوتا ہے تو وفات کے بعد بھی صلوٰۃ وسلام کی یہ پیشی روح مع الجسد پر ہی پورے شعور وادراک کے ساتھ ہوگی۔

اس سوال وجواب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا جسد مطہر اس طرح محفوظ ہو کہ اس کو صلوٰۃ وسلام کے پیش ہونے کا ادراک اور شعور بھی ہوتا ہو۔ اگر اجساد محفوظہ پر صلوٰۃ وسلام پیش ہی نہ ہوتا ہو یا انہیں اس صلوٰۃ وسلام کا بالکل شعور وادراک نہ ہوتا ہو تو حدیث کے دونوں جملوں میں کوئی ربط نہیں رہتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ کا جسد اطہر محض بے حس و بے شعور اکراما محفوظ نہ ہو۔ بلکہ اس میں ایسی حیات اور شعور بھی ہو کہ اس پر پیش ہونے والے صلوٰۃ وسلام کا آپ کو شعور وسماع بھی ہو ورنہ تو محض بے حس و بے شعور جسم پر درود پیش کئے جانے کا کوئی معنی نہیں ہیں۔

اسی حدیث پر حاشیہ ابوداؤد شریف میں ہے: ''ان الصحابة سألوا بيان كيفية العرض بعد اعتقادهم بانه كائن لامحاله لقول الصادق دفعاً لاشتباه ان العرض هل على الروح المجرد او على المتصل بالجسد ان جسد النبي كجسد كل احد فكفى في الجواب ماقاله على وجه الصواب'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ اعتقاد تو یقینی تھا کہ درود آپ ﷺ پر پیش کیا جائے گا۔ کیونکہ آپ ﷺ یہ ارشاد فرما چکے تھے۔ پس ان کا سوال پیش ہونے کی کیفیت سے متعلق تھا کہ وفات شریفہ کے بعد یہ درود صرف روح مجرد پر یا روح متصل بہ جسد پر اس کا عرض ہوگا۔ حضور اکرم ﷺ کا جواب کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد مطہرہ مٹی نہیں ہوتے۔ اس سوال کیفیت کا کافی جواب تھا۔ (حاشیہ ص ۱۵۷)

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''فحصل الجواب ان الانبياء احياء في قبورهم فيمكن لهم سماع صلوٰة من صلى عليهم'' جواب کا حاصل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور شریفہ میں اس طرح زندہ ہوتے ہیں کہ جو ان پر صلوٰۃ وسلام پڑھے اسے وہ خود سن سکتے ہیں۔ (مرقات ج ۲ ص ۲۰۹)

نیز ارشاد فرماتے ہیں: ''فيه اشارة الى ان العرض على مجموع الروح والجسد منهم'' اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ درود کی پیشی انبیاء علیہم السلام کے ارواح اور اجسام کے مجموعہ پر ہوتی ہے۔ (مرقات ج ۲ ص ۲۱۲)

۳...... آنحضرت ﷺ کا یہ جواب گرامی صرف ارمت کے مقابلہ میں نہیں ہے بلکہ کیف تعرض صلوٰتنا علیک کے جواب میں بھی ہے یعنی منشاء نبوت صرف یہی نہیں ہے کہ انبیاء کرام کے اجساد مطہرہ کے محفوظ ہونے کی خبر دی جائے بلکہ ایسی محفوظیت مراد ہے کہ ان پر صلوٰۃ وسلام پیش ہو سکے ورنہ بنائے سوال وجواب میں کوئی تطابق نہیں رہتا۔ انبیاء علیہم السلام کے اجساد مطہرہ کا محفوظ ہونا اور وفات کے بعد بھی وفات سے پہلے کی طرح ہی روح منور اور جسد مقدس کے مجموعہ پر صلوٰۃ وسلام کا پیش ہوتے رہنا اس پر دلیل ناطق اور شاہد صادق ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات عموماً اور آنحضرت ﷺ کی حیات خصوصاً بعد از وفات جسمانی ہے۔

اس سے بڑھ کر حیات جسمانی کی اور کون سی دلیل ہو سکتی ہے؟

دوسری حدیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ''الانبياء احياء في قبورهم

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

یصلون۔ مسند ابو یعلی ''حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔
(جامع صغیر ص ۱۰۳ ا مجمع الفوائد ج ۲ ص ۱۷۶)

امام ابو یعلیٰ کے طریق سے اس حدیث کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں اور اس کی سند بالکل صحیح ہے۔

محدث کبیر علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''رجال ابی یعلی ثقات'' ابو یعلی کے راوی ثقہ ہیں۔''
(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۱۱)

علامہ عزیزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وھو حدیث صحیح'' یہ حدیث صحیح ہے۔ (السراج المنیر ج ۲ ص ۱۳۴)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وصححہ البیھقی'' اس حدیث کی بیہقی نے تصحیح کی ہے۔''
(فتح الباری ج ۱ ص ۳۵۲)

اور علامہ حضرت انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ووافقه الحافظ فی المجلد السادس'' بیہقی کی تصحیح پر حافظ ابن حجر نے اتفاق کیا ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۶۴)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تائید فرمائی ہے۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۲۹)

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''صح خبر الانبیاء احیاء فی قبورھم'' انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ (مرقات ج ۲ ص ۲۱۲)

غرضیکہ جمہور محدثین کرام نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ''اور یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں، صحیح ہے۔'' (فضائل درود ص ۳۴)

کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لئے اصول روایت کی رو سے اس سے زیادہ کون سی دلیل ہوگی کہ اس کے سب راوی ثقہ ہوں۔ چنانچہ حافظ ابو یعلیٰ کے سلسلہ اسناد میں اس حدیث کے سب راوی معروف اور قابل اعتماد ہیں۔

اس حدیث میں حیات انبیاء کی قبور شریفہ سے صریح نسبت کے بعد اس وسوسے کے لئے قطعاً کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ انبیاء علیہم السلام صرف رفیق اعلیٰ اور اعلیٰ علیین میں فائز الحیات ہیں اور ان کی حیات شریفہ کو اجسام قبریہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

حدیث صلوٰۃ موسیٰ فی القبر پر حاشیہ نسائی زہر الربی للعلامۃ السیوطی سے منقول ہے: ''قال الشیخ بدر الدین بن الصاحب ھذا صریح فی اثبات الحیاۃ لموسیٰ علیہ السلام فی قبرہ فانہ وصفہ بالصلوٰۃ وانہ قائم ومثل ذالک لا یوصف بہ الروح وانما یوصف بہ الجسد وفی تخصیصہ بالقبر دلیل علی ھذا فانہ لو کان من اوصاف الروح لم یحتج لتخصیصہ بالقبر وقال الشیخ تقی الدین السبکی فی ھذا الحدیث الصلوٰۃ تستدعی جسداً احیاء'' شیخ بدر الدین فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قبر میں زندہ ہونے پر صریح دلیل ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نماز سے موصوف بتلایا ہے اور یہ کہ وہ کھڑے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس سے محض روح موصوف نہیں ہوتی نماز جیسے عمل سے متصف ہونا تو جسم کا کام ہے روح کا نہیں۔ نیز اس عمل کے قبر سے متعلق ہونے میں بھی حیات فی القبر پر دلیل ہے۔ اگر یہ عمل صلوٰۃ روح کی صفت ہوتی تو اس کی تخصیص قبر سے بالکل نہ ہوتی۔ شیخ تقی الدین سبکی بھی اس حدیث کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں کہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے۔ (نسائی شریف ص ۲۴۲، ۲۴۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حاشیہ سندھی للعلامہ ابوالحسن محمد بن عبدالہادی الحنفی سندھی میں یہی عبارت ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اس حدیث حیاۃ انبیاء میں صرف ''الانبیاء احیاء'' نہیں فرمایا بلکہ اس کے ساتھ ''فی قبورھم'' کی قید بھی لگائی ہے تاکہ کوئی شخص یہ گمان نہ کر سکے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی برزخی حیات صرف روحانی ہوتی ہے اس لئے ''فی قبورھم'' کے الفاظ سے اس پر متنبہ فرمایا گیا ہے کہ یہاں محل حیات وہی جسم اطہر ہے جسے قبر میں رکھا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد عنصریہ ہی بعد از وفات قبور میں اتارے جاتے ہیں، اس لئے انبیاء کی حیات کا بیان ان کی قبور کے ذکر کے ساتھ اس حقیقت کو بے نقاب کر رہا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی برزخی حیات صرف روحانی نہیں ہے بلکہ ان کے اجسام مدفونہ فی القبور میں بھی حیات حاصل ہے۔

پھر یہی نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حیات انبیاء علیہم السلام کی وضاحت ''فی قبورھم'' کے الفاظ سے فرمائی ہے بلکہ آپ نے ''یصلون'' فرما کر یہ بھی واضح فرما دیا کہ انبیاء علیہم السلام کی یہ قبر والی حیات مقصد حیات سے خالی نہیں ہے کہ اجسام مبارکہ میں حیات وشعور تو ہو مگر ان سے ایسے افعال جو مقصد حیات ہیں، اس زندگی میں بالکل صادر نہ ہوتے ہوں، مقصد یہ ہے کہ یصلون سے ایسی با مقصد حیات فی القبر کا اثبات مقصود ہے جس میں اعمال طیبہ سے تعطل نہ ہو اور ان اشخاص کریمہ کا اس زندگی میں زندوں جیسے کاموں میں اشتغال پایا جاتا ہو۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بلاغت کا قاعدہ ہے کہ کلام میں آخری قید محط کلام ہوتی ہے۔ لہٰذا ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' میں مقصود کلام صلوٰۃ اور عبادت فی القبر کا بیان کرنا ہے۔ اصل حیات مفروغ عنہ ہے۔ ''یصلون'' سے پہلے حیات کا ذکر محض تمہید کے لئے ہے اور مقصود یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام مطہرہ اگرچہ اس عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہو گئے ہیں۔ لیکن وہی اجسام حسب سابق مشغول عبادت ہیں اور اعمال حیات اور اشغال زندگی بدستور جاری ہیں۔ (سیرۃ المصطفیٰ ج ۲ ص ۲۸۰)

اکابر علمائے امت کا اجماع

قرآن وسنت کے دلائل کی روشنی میں اکابر علمائے امت، متکلمین اسلام، اور فقہائے مذاہب اربعہ نے اس مسئلہ حیات النبی ﷺ پر جس طرح اتفاق واجماع فرمایا ہے۔ مختصر طریقے پر ذیل میں اس کا تذکرہ ملاحظہ کیا جائے۔

الامام الاستاذ ابومنصور طاہر الشافعی البغدادی المتوفی ۴۲۹ھ فرماتے ہیں: ''قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا ﷺ حی بعد وفاتہ'' ہمارے اصحاب محقق متکلمین یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں۔ (نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۰۱)

حضرات متکلمین نے حیات النبی ﷺ کے اس عقیدہ کو اپنے امام ابوالحسن الاشعری المتوفی ۳۳۰ھ کا عقیدہ بتلایا ہے اور فرقہ کرامیہ نے جو ان کی طرف غلط عقیدہ منسوب کر دیا تھا، اس کی سختی سے تردید کی ہے۔

چنانچہ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری المتوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں: ''فاما ما حکی عنہ وعن اصحابنا یقولون ان محمداً ﷺ لیس نبی فی قبرہ ولا رسول بعد موتہ فبھتان عظیم وکذب محض لم ینطق بہ منھم احد ولا سمع فی مجلس مناظرۃ ذالک عنھم ولا وجد فی کتاب لھم وکیف یصح ذالک وعندھم محمد صلوٰت اللہ علیہ حی فی قبرہ'' جو بات امام ابوالحسن الاشعری اور ان کے اصحاب سے حکایت کی گئی ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ قبر میں نبی نہیں ہیں اور نہ وفات کے بعد رسول ہیں تو یہ بہتان عظیم اور خالص جھوٹ ہے

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ بات نہیں کہی اور نہ کسی مجلس مناظرہ میں ان سے سنی گئی اور نہ آپ کی کسی کتاب میں اس کا ثبوت ہے اور یہ بات ان سے نعوذ باللہ کیسے ثابت ہوسکتی ہے جب کہ ان کے نزدیک آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ (الرسائل القشیریہ ص ۱۰)

عقیدہ انکار حیات کا تاریخی پس منظر

معتزلہ کرامیہ کا عقیدہ تھا کہ حضور ﷺ اپنی وفات شریفہ کے بعد صرف حکمی طور پر نبی اور رسول ہیں اور حقیقی اعتبار سے آپ نبی اور رسول نہیں رہے۔ زوال نبوت کے اس عقیدہ کے لئے انہوں نے اس طرح استدلال کیا کہ نبوت کے لئے شعور لازم ہے۔ علم واحساس کے بغیر اس کا پایا جانا ممکن نہیں۔ لہٰذا جب بھی اس شعور کا انتفاء ہوگا نبوت منتفی ہوگی۔ کرامیہ نے وفات نبی ﷺ پر انتفاء نبوت کی بناء کے لئے روضۂ منورہ میں حیات جسمانی کو تختۂ مشق بنایا اور کلی طور پر حیات النبی کا انکار کردیا اور کہا کہ: ''آنحضرت ﷺ وفات پانے کے بعد جب قبر کے پردے میں گئے تو وہاں احساس وشعور کلی طور پر منتفی ہیں جسم اطہر محض بے جان ہے صرف اکراماً محفوظ ہے اور حیات جسدی کی نفی کو لازم ہے کہ آپ نبی نہیں رہے۔'' نعوذ باللہ منہ!

کرامیہ کا یہ کس قدر فریب اور دھوکہ ہے کہ وہ اپنے غلط عقائد کی نسبت اکابر اہلسنت کی طرف کررہے ہیں اور حیات النبی ﷺ کے انکار کو اہلسنت کا عقیدہ بتلارہے ہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض گمراہ فرقوں کے نزدیک اپنے مذہب کی ترویج واشاعت کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے۔

چنانچہ حاشیہ شرح نخبہ میں ہے: ''المراد باعتقاد حل الكذب هو اعتقاد حله لمصلحته دينية وترويج مذهبه'' جھوٹ حلال ہونے کے اعتقاد سے مراد یہ ہے کہ دین کی مصلحت کی خاطر اور اپنے مذہب کو رواج دینے کے لئے جھوٹ کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھے۔ (ص ۸۷)

سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے عہد حکومت میں نیشاپور کے قریب ایک بہت ہی فتنہ پرداز شخص بیکندی نام کا گزرا ہے یہ شخص لطائف الحیل سے سلجوقی دربار حکومت میں منصب وزارت پر آ گیا تھا، اس کے عقائد رفض واعتزال کا امتزاج تھے۔ ۴۴۵ھ کے قریب اس نے وفات النبی ﷺ اور جسد اطہر کے روضۂ منورہ میں نعوذ باللہ بےحس وبےشعور ہونے کے عقیدہ کو انعزال نبوت اور رسول اللہ ﷺ کے بعد وفات قطعاً رسول نہ ہونے کے لئے بطور زینے کے استعمال کیا اور صرف یہی نہیں کیا بلکہ اپنے خودساختہ اس نظریے کو اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے بطور افتراء کے امام اہلسنت حضرت ابوالحسن الاشعری کی طرف منسوب کردیا۔

روضۂ منورہ میں حیات کے انکار سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے جوار رسول میں ہونے اور روضۂ اطہر میں ہم پہلو سونے کی شان امتیاز کمزور ہوتی تھی۔ ممکن ہے کہ اس انکار حیات سے اس کے رفض کو کچھ تسکین پہنچتی ہو اور ظاہر ہے کہ وفات کے بعد روح بدن کی کلی مفارقت کے اس نظریے سے عذاب قبر کا انکار قریب الیقین ہوجاتا ہے۔ جس سے اس کے اعتزال کو قوت مل رہی تھی۔

اس وقت امام حدیث امام احمد بن الحسین البیہقی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۸ھ) زندہ تھے۔ آپ نے اور امام ابوالقاسم القشیری رحمہ اللہ نے نہایت قوت اور ثابت قدمی سے اس فرقہ کرامیہ کا مقابلہ کیا۔ یہ سارے مفاسد جس بنیاد پر قائم کئے جارہے تھے وہ یہی تھی کہ حضور ﷺ اپنی قبر مبارک میں محض بے جان ہیں (معاذ اللہ) ان بزرگوں نے یہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جڑ ہی اکھاڑ کر رکھ دی اور بتایا کہ حقیقت حال اور قرآن وسنت کا استدلال کیا ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے رسالہ "حیات الانبیاء" لکھا اور علامہ قشیری رحمہ اللہ نے "شکایۃ اھل السنۃ فیما نالھم من المحنۃ" میں ان افتراءات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ اس کی تفصیل حافظ ابن عساکر کی کتاب تبیین کذب المفتری اور طبقات الشافعیہ زیر ترجمہ امام ابوالحسن الاشعری ملاحظہ کیجئے۔

اہلسنت کا عقیدہ اور اکابر کی تصریحات

علم کلام کے مشہور امام علامہ حسن بن عبدالحسن المشہور بابی عذبہ لکھتے ہیں: "قال ابو حنیفہ رحمہ اللہ انہ رسول الآن حقیقۃ وقال الکرامیہ لا" امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی حقیقی طور پر رسول ہیں اور فرقہ کرامیہ والے کہتے ہیں کہ آپ کا رسول ہونا اب حقیقی معنوں میں نہیں۔ (ص ۳ طبع حیدرآباد)

"وھو صلی اللہ علیہ وسلم بعد موتہ باق علی رسالہ ونبوتہ حقیقۃ کما یبقی وصف الایمان للمؤمن بعد موتہ وذالک الوصف باق بالروح والجسد معاً لان الجسد لاتاکلہ الارض... انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ رسولاً الی الابد حقیقۃ لا مجازاً" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات شریفہ کے بعد اب بھی اپنی رسالت اور نبوت پر حقیقی طور پر قائم ہیں جیسا کہ مومن اپنی وفات کے بعد بھی صفت ایمان سے متصف رہتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی رسالت پر حقیقی اعتبار سے قائم رہنا روح اطہر اور جسد انور کے ساتھ ہے...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور ہمیشہ تک کے لئے رسول ہیں حقیقی معنی کے لحاظ سے نہ کہ محض حکمی طور پر۔ (الروضۃ البہیہ ص ۵)

"ان الاشعری واصحابہ قائلون بان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر حی یحس ویعلم" امام اشعری اور ان کے سب اصحاب اس بات کے قائل ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اب قبر شریف میں زندہ ہیں اور ان کو علم واحساس بھی حاصل ہے۔ (الروضۃ البہیہ ص ۱۵)

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ان اللہ عزوجل ثناہ رد الی الانبیاء ارواحھم فھم احیاء عند ربھم کالشھداء" بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے ارواح ان کی طرف لوٹا دیئے ہیں وہ اپنے رب کے ہاں شہیدوں کی طرح زندہ ہیں۔ (حیات الانبیاء ص ۱۴، وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۶)

علامہ ابن عقیل الحنبلی رحمہ اللہ (المتوفی ص ۵۱۳) کا ارشاد ہے: "قال ابن عقیل من الحنابلہ وھو صلی اللہ علیہ وسلم حیٌ فی قبرہ" علامہ ابن عقیل حنبلی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ (الروضۃ البہیہ ص ۱۴)

امام بدرالدین بعلی الحنبلی رحمہ اللہ جنہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے فتاویٰ کا اختصار کیا ہے لکھتے ہیں: "والانبیاء احیاء فی قبورھم وقد یصلون" حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور بسا اوقات نماز پڑھتے ہیں۔ (مختصر الفتاویٰ ص ۱۷۰)

امام علی بن عبدالکافی رحمہ اللہ السبکی لکھتے ہیں: "اما حیوۃ الانبیاء اعلی واکمل واتم من الجمیع لانھا للروح والجسد علی الدوام علی ما کان فی الدنیا" انبیاء علیہم السلام کی حیات سب سے زیادہ اعلیٰ کامل اور تام ہے اس لئے کہ یہ دائمی طور پر جسد اور روح کے لئے ہے جس طرح دنیا میں تھی۔ (شفاء السقام ص ۵۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ان حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر لا یعقبھا موت بل یستمر حیاً

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

والانبیاء احیاء فی قبورھم'' آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک میں ایسی زندگی ہے جس پر موت نہیں آتی بلکہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے اور انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاوی رحمہ اللہ المتوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں: ''نحن نؤمن ونصدق بانہ ﷺ حی یرزق فی قبرہ وان جسدہ الشریف لاتأکلہ الارض والاجماع علی ھذا'' ہم اس بات پر ایمان لاتے اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق ملتا ہے اور آپ کے جسد اطہر کو زمین نہیں کھاتی اور اس پر اجماع منعقد ہے۔ (القول البدیع ص ۱۴۵)

امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حیاۃ فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علماً قطعیا لما قام عندنا من الادلۃ فی ذالک وتواترت بہ الاخبار الدالۃ علی ذالک'' آنحضرت ﷺ کی اپنی قبر میں اور اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کی حیات ہمارے نزدیک قطعی طور پر ثابت ہے۔ کیونکہ اس پر ہمارے نزدیک دلائل قائم ہیں اور تواتر کے ساتھ اخبار موجود ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں۔ (فتاویٰ اور انبیاء الاذکیاء ص ۲)

علامہ داؤد بن سلیمان بغدادی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کے متواتر کہنے میں امام سیوطی رحمہ اللہ کی تائید کی ہے۔ (المنحۃ الوہبیہ ص ۱۱)

علامہ سمہودی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''واما ادلۃ حیاۃ الانبیاء فمقتضاھا حیاۃ الابدان کحالۃ الدنیا مع الاستغناء عن الغذاء'' بہرکیف حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات کے دلائل اس کے مقتضی ہیں کہ یہ حیات ابدان کے ساتھ ہو جیسا کہ دنیا میں تھی خوراک سے استغناء کے ساتھ۔ (وفاء الوفاء ص ۱۳۵۵)

حضرت ملا علی قاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ فرماتے ہیں: ''المعتقد المعتمد انہ ﷺ حی فی قبرہ کسائر الانبیاء فی قبورھم احیاء عند ربھم وان لارواحھم تعلقاً بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی فھم بحسب القلب عرشیون باعتبار القالب فرشیون'' قابل اعتماد عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں اور اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور ان کے ارواح کا عالم علوی اور سفلی دونوں کے ساتھ تعلق ہوتا ہے جیسا کہ دنیا میں تھا۔ اس لئے وہ قلب کے لحاظ سے عرشی اور جسم سے فرشی ہیں۔ (شرح شفاء ج ۲ ص ۴۲)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را در وے خلاف نیست حیات جسمانی دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی۔'' حیات انبیاء متفق علیہ ہے کسی کا اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے (اور یہ حیات) حیات جسمانی دنیوی حقیقی ہے نہ کہ حیات معنوی روحانی۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۵۷۴)

علامہ نورالحق دہلوی رحمہ اللہ شرح بخاری میں فرماتے ہیں: ''قول مختار و مقرر جمہور ہمیں است کہ انبیاء علیہم السلام بعد از اذاقت موت زندہ زند بحیات دنیوی۔'' قول مختار اور جمہور کے نزدیک یہی ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام موت کا ذائقہ چکھنے کے بعد دنیوی حیات کے ساتھ زندہ ہو جاتے ہیں۔ (تیسیر القاری ج ۳ ص ۲۶۲)

حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمہ اللہ کے شاگرد رشید مولانا قطب الدین خان صاحب دہلوی رحمہ اللہ ترجمہ مشکوٰۃ شریف میں لکھتے ہیں: ''زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے۔ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے۔'' (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۴۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

واضح رہے کہ مولانا قطب الدین صاحب رحمہ اللہ کے اس ترجمہ مشکوٰۃ شریف کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ اس کی تصدیق حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔ (مظاہر حق ص ۲)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بانی دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں: ''انبیاء کرام علیہم السلام کو انہی اجسام دنیوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔'' (لطائف قاسمی ص ۳)

حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں: ''آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں، نبی اللہ حی یرزق، اس مضمون حیات کو بھی مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ ''آب حیات'' میں بما لا مزید علیہ ثابت کیا ہے۔'' (ہدایۃ الشیعہ ص ۱۸)

نیز فرماتے ہیں: ''ولان النبیین صلوات اللہ علیھم اجمعین لما کانوا احیاء فلا معنی لتوریث الاحیاء منھم'' جب کہ انبیاء کرام علیہم السلام سب کے سب زندہ ہیں تو ان کی وراثت زندوں کو ملنے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ (الکوکب الدری ج ۱ ص ۴۲۳)

حضرت شیخ المحدثین مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری رحمہ اللہ شارح ابوداؤد فرماتے ہیں: ''ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کما ان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورھم'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں جس طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ (بذل المجہود ج ۲ ص ۱۱۷)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

۱...... ''آپ بنص حدیث قبر میں زندہ ہیں۔'' (التکشف ص ۴۳۶)

۲...... بیہقی وغیرہ نے حدیث انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ کذا فی المواہب! (النشر الطیب ص ۳۵۷)

۳...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے لئے بہت کچھ شرف حاصل ہے کیونکہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے بلکہ خود حضور یعنی جسد مع تلبس الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں۔ کیونکہ آپ قبر میں زندہ ہیں۔ قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں، صحابہ کا بھی اعتقاد ہے۔ (اشرف الجواب ج ۲ ص ۱۶۰)

۴...... غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر موافقین اور مخالفین کے نزدیک بالاتفاق محفوظ ہے اور مع الروح ہے جیسا کہ بیان کیا گیا وہ بقعہ جس سے جسم مبارک خصوص مع الروح مس کئے ہوئے ہے عرش سے بھی افضل ہے۔ (نَیل الصدور ص ۱۵۲)

قابل غور بات یہ ہے کہ قبر اطہر کا وہ حصہ جو جسد اطہر سے متصل ہے، باجماع امت کعبہ شریف بلکہ عرش معلی سے بھی افضل ہے تو کیا یہ فضیلت (نعوذ باللہ) صرف ایسے بے جان جسد اطہر کی ہے جس کے ساتھ روح انور کا تعلق کبھی رہ چکا ہے مگر اب نہیں ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو پھر موئے مبارک جو جسد اطہر سے جدا ہو چکے ہیں اور کسی وقت جسد اطہر سے متصل تھے ان کا بھی یہی حال ہوتا بلکہ لباس مبارک جو کبھی جسد اطہر پر پڑ چکا ہے اس کا بھی یہی حکم ہوتا وغیرہ وغیرہ کہ ان چیزوں کو بھی جسد اطہر کے ساتھ اتصال یا تلبس کا تعلق حاصل رہا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ان چیزوں کے کعبہ شریف سے افضل ہونے کا قول کسی نے نقل نہیں کیا۔ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ قبر مبارک میں جسد اطہر مع تعلق روح کے محفوظ و موجود ہے اور جسد اطہر مع الروح کے تلبس و اتصال کی وجہ سے قبر مبارک کو فضیلت حاصل ہوئی ہے۔ نعوذ باللہ صرف بے جان جسد اطہر کی وجہ سے کی وجہ سے قبر مبارک کو یہ فضیلت ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ان کثیرا من الاعمال قد ثبت فی القبور کالاذان والاقامۃ عندالدارمی وقرأۃ القرآن عندالترمذی الخ'' بہت سے اعمال قبور شریفہ میں بھی ثابت ہیں جیسا کہ دارمی کی روایت ہے اذان واقامت اور ترمذی شریف کی روایت سے تلاوت قرآن کا ثبوت ملتا ہے۔
(فیض الباری ج ۱ ص ۱۴۳)

۲ ...... ''ولعل المراد بحدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون انھم ابقوا علی ھذہ الحالۃ ولم تسلب عنھم'' انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازوں میں مشغول ہیں، شاید اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اس حالت (اشتغال باعمال طیبہ) پر باقی رکھے گئے ہیں یہ کیفیت ان سے سلب نہیں کی گئی۔
(تحیۃ الاسلام ص ۳۶)

۳...... ''تسرد فی ذکر الحیوۃ افعالھا لااصلھا او اراد مع الاجساد فان اجسادھم حرمت علی الارض'' یہ احادیث صرف حیات کا بیان نہیں کرتیں بلکہ افعال حیات (زندوں والے کاموں کو) بھی ثابت کرتی ہیں یا یہ مراد ہو کہ حیات اجسام کے ساتھ ہے کیونکہ انبیاء کرام کے اجساد مطہرہ مٹی پر حرام کردیے گئے ہیں۔ (تحیۃ الاسلام ص ۳۶)

اور ظاہر ہے کہ جن اجساد مطہرہ کو مٹی پر حرام کیا گیا ہے وہ یہی اجساد عنصریہ ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ان کے اجساد عنصریہ کے ساتھ مع اعمال وافعال کے ثابت ہے۔ صرف بقاء روح کی حیات مراد نہیں ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ شارح مسلم فرماتے ہیں: ''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی کما تقرر وانہ یصلی فی قبرہ باذان واقامۃ'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں جیسا کہ اپنی جگہ ثابت ہے اور آپ اپنی قبر میں اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔ (فتح الملہم ج ۳ ص ۳۱۹)

۲ ...... ''ولایتوھم من ھذا انکار حیاتہ فی قبرہ الشریف فانہ لروحہ صلی اللہ علیہ وسلم اشرافاً علی البدن المبارک المطیب واشرافاً وتعلقاً بہ'' اس سے آپ کی اپنی قبر شریف میں زندگی کے انکار کا وہم نہ کیا جائے کیونکہ آپ کی روح مقدس بدن مبارک پر اپنا اثر ڈال رہی ہے اور اس کی اس پر روشنی پڑ رہی ہے اور اس کا بدن اطہر کے ساتھ تعلق قائم ہے۔ (فتح الملہم ج ۳ ص ۳۶۱)

فرقہ مجدیہ کے عقائد

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ اپنے رسالہ ''الشہاب الثاقب'' میں مجدی اور ان کے فرقہ کا عقیدہ بیان فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں: ''بعض ان کے حفظ جسم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل ہیں مگر بلا علاقہ روح۔'' (ص ۱۴۵)

آگے تحریر فرماتے ہیں ''اب غور فرمایئے کہ ان کے رسائل اور اعتقادات بالکل اس کے مخالف ہیں۔''
(ص ۱۴۵)

۲ ...... اپنی خودنوشت سوانح میں حضرت مدنی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''وہ عقائد واقوال جو طائفہ وہابیہ کے مشہور اور مابہ الامتیاز بین اہل السنۃ وبینہم ہیں۔ ان کے خلاف ان حضرات کی تصانیف بھری ہوئی ہیں اور یہ حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں بلکہ مثبت بھی ہیں اور بڑے زور شور سے اس پر دلائل قائم کرتے ہوئے متعدد رسائل

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اس بارہ میں تصنیف فرما کر شائع کر چکے ہیں۔ رسالہ ''آب حیات'' نہایت مبسوط رسالہ خاص اسی مسئلہ کے لئے لکھا گیا ہے۔'' (نقش حیات ج ۱ ص ۱۰۳)

حضرت مدنی قدس سرہ نے بغیر تعلق روح فقط جسم نبوی ﷺ کے محفوظ ہونے کا قائل مجدی فرقے کو قرار دیا ہے اور حضرات اکابر علمائے دیوبند کو نہ صرف انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی اور روح و جسم کے درمیان تعلق کا قائل بتلایا ہے بلکہ ان حضرات کو اس کا ثابت کرنے والا اور بڑے زور وشور سے اس پر دلائل قائم کرنے والا فرمایا ہے۔

اب جو علماء روح مبارک اور جسم اطہر کے درمیان اس تعلق اور حیات جسمانی کا انکار کر رہے ہیں یا اپنے اس انکار پر سکوت کا پردہ ڈالنے کی کوشش میں ہیں، وہ غور فرمائیں کہ وہ کس راستے پر گامزن ہیں؟

جمہور اہل السنۃ کا عقیدہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں: ''جمہور امت کا عقیدہ اس مسئلے میں یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام برزخ میں جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں اور ان کی حیات برزخی روحانی نہیں بلکہ جسمانی حیات ہے جو حیات دنیوی کے مماثل ہے بجز اس کے کہ وہ احکام کے مکلف نہیں ہیں......صرف حیات روحانی کا قول جمہور علمائے امت کے خلاف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دیوبندیت کو مستقل مذہب نہیں جمہور اہلسنت والجماعت کے مکمل اتباع ہی کا نام دیوبندیت ہے جو عقیدہ جمہور اہلسنت کے خلاف ہے وہ دیوبندیت کے بھی خلاف ہے۔'' (الصدیق ملتان جمادی الاولیٰ ۱۳۷۸ھ)

مخدوم العلماء حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم دارالعلوم تحریر فرماتے ہیں: ''احقر اور احقر کے مشائخ کا مسلک وہی ہے جو المہند میں بالتفصیل مرقوم ہے یعنی برزخ میں جناب رسول اللہ ﷺ اور تمام انبیاء بجسد عنصری زندہ ہیں جو حضرات اس کے خلاف ہیں وہ اس مسئلہ میں دیوبند کے مسلک سے ہٹے ہوئے ہیں۔'' (الصدیق مذکور)

حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مفتی دارالعلوم دیوبند ارقام فرماتے ہیں: ''آنحضرت ﷺ اپنی مزار مبارک میں بجسدہ موجود اور حیات ہیں آپ کے مزار مبارک کے پاس کھڑا ہو کر جو سلام کرتا ہے اور درود پڑھتا ہے آپ خود سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔'' (الصدیق مذکور)

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور فرماتے ہیں: ''تمام اہلسنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی یہ برزخی حیات اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ حیات حسی اور جسمانی ہے۔ اس لئے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عام مومنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے۔''
(سیرۃ المصطفیٰ ج ۳ ص ۲۷۸)

آگے فرماتے ہیں: ''غرض یہ کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی ہے محض روحانی نہیں'' (ج ۳ ص ۲۸۰)

اور آگے چل کر تصریح فرماتے ہیں: ''یہ تمام امور اس امر کی قطعی دلیل ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی اور ارواح طیبہ کا اجسام مبارکہ سے تعلق قائم ہے۔'' (سیرۃ ج ۳ ص ۲۸۴)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''اس حدیث پاک میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ درود روح مبارک اور بدن مبارک دونوں پر پیش ہوتا ہے۔'' (تبلیغی نصاب، فضائل درود شریف ص ۳۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب حدیث الا ردّ اللہ علیّ روحی کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اتنی بات سب کے نزدیک مسلم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء علیہم السلام کو اپنی قبور میں حیات حاصل ہے اس لئے حدیث کا یہ مطلب کسی طرح نہیں ہوسکتا کہ آپ کا جسد اطہر روح سے خالی رہتا ہے اور جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دلوانے کے لئے اس میں روح ڈال دیتا ہے۔ اس بناء پر اکثر شارحین نے ردروح کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ کی روح مبارک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی اور جلالی تجلیات کے مشاہدہ میں معروف رہتی ہے (اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے) پھر جب کوئی امتی سلام عرض کرتا ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعہ یا براہ راست آپ تک پہنچتا ہے تو اللہ کے اذن سے آپ کی روح اس طرف متوجہ ہوتی ہے اور آپ سلام کا جواب دیتے ہیں بس اس روحانی توجہ اور التفات کو رد روح سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔'' (معارف الحدیث ج ۵ ص ۳۷۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات علماء مذاہب کے بیانات اور متکلمین اسلام کی تصریحات اس حقیقت پر واضح شہادات ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات برزخیہ کے جسمانی اور دنیا والے جسم اطہر سے قائم ہونے پر تمام اہلسنت کا اجماع اسلام کے ہر دور میں رہا ہے اور ملت اسلامیہ کے مختلف ادوار میں انبیاء علیہم السلام کی حیات فی القبور کا مسئلہ اس کثرت سے بیان ہوتا رہا اور اتنے شدومد سے سامنے آتا رہا ہے کہ ان تمام نقول کا استقصاء اور تمام دلائل کا احصاء قریب ناممکن ہے۔

بعض ائمہ دین اور اکابر ملت کا اس کو صراحۃً بیان کرنا اور سواد اعظم اہلسنت کے ہر فقہی اور کلامی مسلک کا اس کو تسلیم کرتے چلے آنا اور اس نقطہ حیات سے کسی کا اختلاف منقول نہ ہونا حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متفق علیہ اور اجماعی مسئلہ ہونے کی واضح دلیل ہے اور قرآن وسنت کے دلائل کے علاوہ خود امت مسلمہ کا اتفاق واجماع بھی اس کے اثبات کے لئے ایک مستقل اور وزنی دلیل کی حیثیت کا حامل ہے۔ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اس حیات سے جس پر امت کا اجماع ہے محض روح کی حیات مراد نہیں ہے اگر محض کی حیات مراد ہوتی تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور میں قبور کا لفظ معاذ اللہ بیکار ہو جاتا ہے اور عبارات اکابر رحمہم اللہ میں بھی قبر کے لفظ سے کوئی مقصد حاصل نہ ہوتا۔

اس حدیث شریف اور عبارات اکابر سے واضح ہو رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام عموماً اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً اپنی اپنی قبور میں زندہ ہیں اور قبور میں حیات کا مفہوم اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ روح مبارک کا جسم اطہر سے تعلق قائم ہو کر جسم اطہر میں حیات حاصل ہے۔

حیات دنیوی کا مفہوم

جن اعیان امت اور اکابر ملت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم برزخی کی اس حیات جسمانی کو ''دنیوی'' کہا ہے جیسا کہ علامہ نورالحق دہلوی رحمہ اللہ شارح بخاری، علامہ سبکی رحمہ اللہ، علامہ سمہودی رحمہ اللہ وغیرہ اکابر کی عبارات میں اوپر گزرا ہے اور نواب قطب الدین صاحب رحمہ اللہ دہلوی شاگرد حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمہ اللہ کی عبارت میں ''دنیا کی سی'' کا لفظ موجود ہے۔ نیز مسلک علمائے دیوبند کی اجتماعی دستاویز ''المہند'' میں بھی بعینہٖ یہی لفظ مذکور ہے، اس دنیوی حیات کا مفہوم صرف یہ ہے کہ عالم برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی جسد اقدس فائز الحیات ہے جو

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

پہلے اس عالم دنیا میں متصف بالحیات تھا اور آپ کی روح مبارک کا آپ کے دنیوی بدن مقدس سے تعلق ہونے کی وجہ سے آپ کے لئے علم وسمع اور ادراکات بھی ثابت ہے۔

حضرات اکابر رحمہم اللہ کے نزدیک حیات دنیوی کا یہ مفہوم ہرگز مراد نہیں ہے کہ عالم دنیا کی حیات کے جمیع لوازم آپ کے لئے وہاں ثابت ہیں اور عالم برزخ کی یہ حیات تمام احکام میں حیات دنیوی کی طرح ہے۔ وفاء الوفاء کی عبارت میں اس کی طرف اشارہ گذر چکا ہے اور عبارات ذیل کے ملاحظہ سے بھی یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔

علامہ سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ولا یلزم من کونھا حیوۃ حقیقیۃ ان یکون الابدان کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج الی الطعام والشراب... واما الادراکات کالعلم والسماع فلاشک فیہ ان ذالک ثابت'' اس کے حیات حقیقی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہاں بھی ابدان اسی طرح کھانے پینے کے محتاج ہوں جس طرح کہ اس دنیا میں تھے اور ادراکات مثلاً علم وسماع تو ان کے ثبوت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ (شفاء السقام ص ۱۴۳)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ قدس سرہ نے بھی اس حیات دنیوی کا مفہوم اور اس کی حدود وقیود یہی بیان فرمائی ہیں کہ: ''انبیاء علیہم السلام کو ان ہی اجسام دنیوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔'' (لطائف قاسمیہ ص ۳)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ بھی اس طرح ارقام فرماتے ہیں: ''ارواح انبیاء کو بدن کے ساتھ علاقہ بدستور رہتا ہے مگر اطراف وجوانب سے سمٹ آتی ہے۔ اس لئے حیات جسمانی کو نسبت سابق سے اسی طرح قوت ہو جاتی ہے جیسے ظرف مذکور کے رکھ دینے کے بعد چراغ کے شعلہ میں نورانیت بڑھ جاتی ہے اور سکتہ میں ایسا ہو جاتا ہے جیسے فرض کرو کہ چراغ ٹمٹمانے لگے اور گل ہو جانے کو ہو۔ بہر حال ارواح انبیاء کرام کو بدستور اپنے ابدان کے ساتھ تعلق رہتا ہے بلکہ کیفیت حیات میں بوجہ اجتماع اور بھی قوت آ جاتی ہے اور مثل چراغ وظلمت ظرف محیط حیات وموت دونوں مجتمع ہو جاتے ہیں۔'' (المصالح العقلیہ ج ۲ ص ۲۱۲)

معلوم ہوا کہ جس طرح دنیا میں اجسام عادۃً خوراک کے محتاج ہوتے ہیں قبور مبارکہ میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام طیبہ کو اس عالم دنیا کی خوراک کی حاجت نہیں ہوتی۔ البتہ قبور مبارکہ میں دنیوی حیات کی طرح ان حضرات کو ادراک اور علم وشعور حاصل ہوتا ہے اور انہی اہم امور کی وجہ سے اس حیات کو دنیوی اور جسمانی حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نواب قطب الدین صاحب رحمہ اللہ نے مظاہر حق میں اور علمائے دیوبند نے اپنی مسلکی دستاویز ''المہند'' میں ''دنیا کی سی'' کا جملہ اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے تحریر کیا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی یہ حیات من کل الوجوہ دنیوی نہیں ہے بلکہ ادراک وعلم اور شعور وغیرہ بعض وجوہ سے یہ حیات دنیا کی سی ہے۔

باقی رہا یہ کہ: ''الشیئ اذا ثبت، ثبت بلوازمہ'' کے قاعدہ کی رو سے دنیوی حیات کے تمام لوازم اسی عالم برزخ کی حیات پر کیوں مرتب نہیں ہوتے؟

اوّل تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حیات من کل الوجوہ حیات نہیں ہے تو اس پر من کل الوجوہ حیات کے لوازم کیسے مرتب ہو سکتے ہیں؟ جب یہ حیات فی الجملہ ہے تو اس کے لوازم بھی فی الجملہ ہی ثابت ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ محل حیات اور موطن بدل گیا ہے، پہلے عالم دنیا اور اس موطن میں حیات حاصل تھی۔ اب عالم برزخ اور دوسرے موطن میں حیات حاصل ہے۔ اس لئے عالم کے بدلنے سے لوازم کا انتفاء لازم آ گیا۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

آسمان پر اسی دنیوی حیات حقیقی جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں۔ مگر ان کی اس وقت کی آسمانی حیات جسمانی سے، حیات جسدی دنیوی کے لوازم، طعام، شراب کی احتیاج، دنیوی موطن اور عالم کے بدلنے کی وجہ سے، بالاتفاق منتفی ہیں۔

حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''برزخ صغریٰ چوں از یک وجہ از موطن دنیوی است گنجائش ترقی دارد احوال ایں موطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد الانبیاء یصلون فی القبور شنیدہ باشند'' برزخ صغریٰ ایک جہت سے موطن دنیوی بھی کہلا سکتا ہے اور اس اعتبار سے اس برزخی حالت میں بھی ترقی کی گنجائش ہے۔ اس موطن کے حالات مختلف لوگوں کے حالات کے مناسب مختلف ہوتے ہیں۔ انبیاء اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ یہ حدیث آپ نے سنی ہوگی۔　(مکتوبات ج ۲ نمبر ۱۶ ص ۲۹)

مطلب یہ ہے کہ برزخی زندگی کے ان افعال میں بھی ترقی کرنے اور قرب الٰہی میں بڑھتے چلے جانے کی گنجائش ہے اور اس جہت سے اسے اس موطن کو دنیوی بھی سمجھا اور کہا جا سکتا ہے۔

تفسیر قرطبی سے بھی اس طرف اشارہ سمجھا جا سکتا ہے۔ تفسیر قرطبی میں ہے: ''والحیاۃ التی تکون فی القبر علی ھذا التاویل فی حکم حیاۃ الدنیا'' وہ زندگی جو قبر میں ہوتی ہے اس تاویل کی رو سے وہ دنیوی زندگی کے حکم میں ہے۔　(قرطبی ج ۱ ص ۲۴۹)

غرضیکہ عالم برزخ کو ایک جہت سے عالم دنیا سے تعلق ہے اور ایک جہت سے عالم آخرت کے ساتھ بھی اس کو تعلق ہے، اسی لئے اس میں حاصل ہونے والی یہ حیات بھی من وجہ دنیوی اور من وجہ اخروی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جب ظرف یعنی عالم کے لئے دو جہتیں دنیوی اور اخروی حاصل ہیں تو ضروری ہے کہ مظروف یعنی حیات کے لئے بھی علاقہ ظرفیت کی وجہ سے یہی دونوں جہتیں دنیوی اور اخروی، حاصل ہوں اور ایک جہت سے یہ حیات، دنیوی اور دوسری جہت سے اخروی کہلاتی ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو عالم برزخ میں جو زندگی حاصل ہے، علاوہ اس کے کہ وہ عالم من وجہ دنیوی اور من وجہ اخروی ہے اور اس لئے وہاں کی زندگی من وجہ دنیوی اور من وجہ اخروی ہے۔ باعتبار ابدان کے بھی وہ زندگی دنیوی ہے۔ نیز علم و شعور وغیرہ ادراکات میں بھی وہ زندگی دنیوی زندگی کی طرح ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہر جہت سے یہ زندگی دنیوی ہے اور دنیوی زندگی کے تمام لوازم اس زندگی کے لئے ثابت ہیں۔

مولانا محمد منظور نعمانی اپنے مضمون ''مسئلہ حیات النبی ﷺ'' میں لکھتے ہیں: ''ان حضرات کی ایسی عبارت کا یہ مطلب قرار دینا کہ انبیاء علیہم السلام پر موت وارد نہیں ہوئی اور ان کو اپنی قبروں میں بعینہٖ دنیا والی حیات حاصل ہے۔ ایسا سمجھنے والوں کی خوش فہمی کے علاوہ ان بزرگوں پر تہمت بھی ہے۔ اسی طرح ہمارے بزرگوں کی تحریروں میں مثلاً: ''التصدیقات'' میں انبیاء علیہم السلام کی قبر والی حیات کو ''حیاۃ دنیویہ'' کہا گیا ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں۔ اس کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ وہ حیات دنیا کی سی ہے یعنی مع الجسد ہے صرف روحانی نہیں ہے جو تمام مومنین کو بھی حاصل ہے جن کے اجسام مٹی ہو چکے ہیں۔ ''التصدیقات'' کے اردو ترجمہ ہی میں غور کرنے سے یہ مطلب خود واضح ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ان بزرگوں کی ایسی عبارتوں کا یہ مطلب بیان کرنا اور ان کا یہ مسلک بتانا کہ انبیاء علیہم السلام پر موت وارد ہی نہیں ہوئی اور قبروں میں وہ بعینہٖ دنیا والی ناسوتی حیات کے ساتھ موجود ہیں۔ صریحاً ان پر یہ الزام لگانا ہے کہ اس مسئلہ میں ان کی رائے قرآن وحدیث کے صریح نصوص وبینات اور اجماع صحابہ اور اجماع امت کے خلاف

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہے، میں نہیں یقین کرتا کہ ہمارے علماء میں سے کسی نے ایسی لغو بات کہی ہو۔ "سبحانک ھذا بھتان عظیم"

(ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ص ۳۹ نومبر و دسمبر ۱۹۵۸ء)

چونکہ عالم برزخ کی یہ زندگی کسی جہت سے دنیوی اور کسی جہت سے اخروی ہوتی ہے، اس لئے اگر اکابر کی کسی عبارت سے اس زندگی کے ناسوتی یا مماثل حیات دنیا ہونے کی نفی ہوتی ہو تو اس سے ان کی مراد یہی ہوگی کہ یہ زندگی دنیوی محضہ اور تمام احکام میں احکام دنیا کے مماثل نہیں ہے۔ اس طرح تمام عبارات میں تطبیق حاصل ہو سکتی ہے۔ خواہ مخواہ عبارات میں تعارض پیدا کرتے رہنا اور ایک عبارت کو دوسری عبارت سے ٹکراتے چلے جانا کوئی علم کی بات نہیں ہے۔

مسئلہ سماع انبیاء علیہم السلام عند القبر

آنحضرت ﷺ کے سماع عند القبر پر تمام اہلسنت والجماعت کا اتفاق اور اجماع ہے اور اہلسنت میں کوئی معتبر شخص ایسا نہیں گزرا جو یہ کہتا ہو کہ آنحضرت ﷺ عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے۔

البتہ جن لوگوں نے حضور ﷺ کی عالم برزخ کی اس زندگی کا اس طرح تصور قائم کیا ہے کہ (نعوذ باللہ) جسم اقدس قبر اطہر میں بے حس و بے شعور صرف اکراماً محفوظ ہے اور ان لوگوں نے سرور عالم ﷺ کی حیات فی القبر کے ساتھ سماع عند القبر کا بھی انکار کر دیا ہے۔ حالانکہ حدیث مذکورہ حدیث حفظ اجساد انبیاء علیہم السلام سے جس طرح انبیاء علیہم السلام کے اجساد مبارکہ کا تحفظ اور عرض صلوٰۃ کی کیفیت کا بیان مقصود ہے، اسی طرح اس حدیث سے ایسی حیات جسمانی کا ثبوت بھی ہو رہا ہے۔ جس سے ان کی قبور مبارکہ پر عرض کئے گئے صلوٰۃ وسلام کو وہ بنفس نفیس خود سماعت فرما لیتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: "فمحصل الجواب ان الانبیاء احیاء فی قبورھم فیمکن لھم سماع صلوٰۃ من صلی علیھم" حاصل جواب یہ ہے کہ بے شک انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اس طرح زندہ ہوتے ہیں کہ جو ان پر صلوٰۃ وسلام پڑھے اسے وہ خود سن سکتے ہیں۔ (مرقات ج ۲ ص ۲۰۹)

اس لئے کہ جسد اقدس میں شعور و ادراک اور سماع صلوٰۃ وسلام کی قوت کے حاصل ہوئے بغیر محض بے حس و بے شعور جسد کے محفوظ رہنے کی خبر دینے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال "کیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت" کا جواب کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اجساد مقدمہ کو تو محفوظ تسلیم کرنا اور اس میں حیات اور سماع صلوٰۃ وسلام کی قوت اور شعور و ادراک کا انکار کرنا، جواب مبارک کو سوال کے غیر مطابق قرار دے کر سوال و جواب میں بے ربطی اور عدم مطابقت پیدا کرنے کے مترادف ہے۔

علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وعلی ھذا فقولھم وقد ارمت کنایۃ عن الموت والجواب بقولہ ﷺ ان اللہ حرم الخ کنایۃ عن کون الانبیاء احیاء فی قبورھم" صحابہ کا وقد ارمت، کہنا موت سے کنایہ ہے اور آنحضرت ﷺ کا اس کے جواب میں یہ ارشاد فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے یہ اس کا کنایہ ہے کہ انبیاء کرام اپنی اپنی قبور میں زندہ ہوتے ہیں۔ (حاشیہ نسائی ج ۱ ص ۱۵۵)

علامہ سندھی کے اشارہ سے واضح ہو گیا کہ جن لوگوں نے ان اللہ حرم الخ کو صرف قد ارمت کے ظاہر کا جواب قرار دیا ہے وہ منشاء حدیث کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں، کیونکہ علامہ سندھی کے ارشاد مذکور پر قد ارمت موت سے اور ان اللہ حرم الخ حیات فی القبر سے کنایہ قرار پاتا ہے تو صحابہ کرام علیہم السلام کے سوال کا حاصل یہ ہوا کہ آپ کی وفات کے بعد ہمارا درود شریف آپ پر کس طرح عرض کیا جائے گا؟ اور آنحضرت ﷺ کے جواب کا

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حاصل وہ ہوا جس کا ذکر علامہ قاری رحمہ اللہ کی "مرقات شرح مشکوٰۃ" کے حوالہ سے اوپر گزرا کہ انبیاء علیہم السلام کی قبور میں اس طرح کی زندگی ہوتی ہے جس سے وہ صلوٰۃ وسلام کو سن سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سوال کے جواب میں اجساد مقدسہ کے اس طرح محفوظ ہونے کی خبر دینا کہ ان میں عرض صلوٰۃ وسلام کی صلاحیت ہی نہ ہو اور (نعوذ باللہ) وہ بے حس و بے شعور جماد محض ہوں، کیسے درست ہوسکتا ہے اور یہ اس سوال کا جواب کیسے بن سکتا ہے؟

اس لئے لازماً مقصد حدیث محفوظیت اجساد مطہرہ کی خبر دینے کے ساتھ ان اجساد مقدسہ میں ایسی حیات کا اثبات بھی ہے جس سے عرض صلوٰۃ وسلام کا شعور وسماع بھی ہوتا ہو۔

اسی طرح یہ حدیث حفظ اجساد بھی وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام پر عرض صلوٰۃ کے ساتھ ان کے سماع کی بھی دلیل ہے۔

دوسری حدیث

"عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال من صلّی علیّ عند قبری سمعته و من صلّی علیّ نائیاً ابلغته رواه البیهقی فی شعب الایمان و ابن حبان فی کتاب الاعمال بسند جید" ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس سے مجھ پر درود بھیجے گا تو اس (کے درود) کو میں خود سنوں گا اور جو شخص مجھ پر دور سے درود بھیجے گا تو اس کا وہ درود مجھ تک پہنچایا جائے گا (کہ ملائکہ سیاحین پہنچائیں گے) (مشکوٰۃ اور اشعۃ اللمعات)

شارحین حدیث نے اس سمعتہٗ سے براہ راست خود سننا ہی مراد لیا ہے، علامہ علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"من صلّی علی عند قبری سمعتهٗ ای سماعا حقیقیا بلا واسطة" جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھے گا اس کو میں سنوں گا یعنی حقیقی طور پر بغیر واسطے کے سماعت ہوگی۔ (مرقات ج ۲ ص ۱۰)

اس حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں اس پر صاف طور پر دلالت ہے کہ روضہ اقدس پر آپ کو درود وسلام کا سماع ہوتا ہے اور اس کو آپ قریب سے بلاواسطہ خود سماعت فرماتے ہیں۔ البتہ دور سے پڑھا ہوا درود شریف فرشتوں کے ذریعہ آپ کو روضۂ اقدس میں پہنچایا جاتا ہے۔

تحقیق حدیث

اس حدیث کی ابوالشیخ والی سند کے متعلق علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ رواہ ابوالشیخ بسند جید" اس کو ابوالشیخ نے اچھی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔" (فتح الباری ج ۶ ص ۳۷۹)

اس حدیث کی ابوالشیخ والی سند یہ ہے: "حافظ ابوالشیخ اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم سے عبدالرحمن الاعرج رحمہ اللہ نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے الحسن بن صباح رحمہ اللہ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے اعمش رحمہ اللہ نے بیان کیا وہ ابوصالح رحمہ اللہ سے اور وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "من صلّی علیّ عند قبری سمعته و من صلّی علی من بعید اعلمته"

جلاء الافہام لحافظ ابن القیم (ص ۱۹) وقال غریب جداً (از تسکین الصدور ص ۳۱۸ و ص ۳۱۹) اس سند کے تمام راوی ثقہ اور معروف ہیں ان راویوں کی تعدیل وتوثیق کی مکمل اور تفصیلی تحقیق کے لئے تسکین الصدور کے مذکورہ صفحات دیکھے جائیں۔ اکابر محدثین کے نزدیک اس حدیث کی یہ سند صحیح اور جید ہے۔ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس سند پر جید ہونے کا حکم لگایا ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اسی طرح علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے (القول البدیع ص۱۱۶) پر اور علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے (مرقات ج ۲ ص ۱۰) پر اور علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۰) پر اس کی سند کو جید قرار دیا ہے۔ بعض محدثین کے نزدیک تو جید اور صحیح میں کچھ فرق نہیں ہوتا صحیح کو ہی جید کہہ دیتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ان ابن الصلاح یری التسویة بین الجید والصحیح ولذا قال البلقینی بعد ان نقل ذالک من ذالک یعلم ان الجودة تعبر بها عن الصحة'' امام ابن صلاح جید اور صحیح کو ایک ہی قرار دیتے ہیں اور اس لئے بلقینی نے یہ نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس سے معلوم ہو کہ صحت کی تعبیر جودۃ سے کی جاسکتی ہے۔ (تدریب الراوی ج۱ ص۲۰۸)

اور جن حضرات نے صحیح اور جید میں فرق ملحوظ رکھا ہے ان کے نزدیک بھی جید کو حسن لذاتہ سے اونچا مقام حاصل ہے اور جمہور محدثین کے نزدیک حسن بھی حجت اور قابل استدلال ہے تو پھر جید جس کا مرتبہ حسن سے بھی اونچا ہے وہ بدرجہ اولی حجت اور قابل استدلال ہوگی۔

غرضیکہ حدیث مذکور کی ابوالشیخ والی سند کا قابل اعتبار و لائق استناد ہونا محدثین کرام اور ابن حجر رحمہ اللہ جیسے امام جرح و تعدیل کی تصریحات سے ثابت ہو چکا ہے اور ابوالشیخ کی اسی سند سے امت کا استدلال ہے۔ علامہ بیہقی رحمہ اللہ کی رائے کے مطابق اس حدیث کی جس سند میں محمد بن مروان سدی مجروح راوی آیا ہے۔ اس محمد بن مروان سدی والی مجروح سند سے جمہور کا استدلال نہیں ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''حیات الانبیاء'' میں اس روایت کا سلسلہ اسناد اس طرح بیان کیا ہے:

''اخبرنا علی بن محمد بنی نشران انبأ ابو جعفر الرازی ثنا عیسی بن عبداللہ الطیالسی ثنا العلاء بن عمرو الحنفی ثنا ابو عبدالرحمن عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی هریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیاً ابلغته'' خبر دی ہے ہم کو علی بن محمد بن نشران نے خبر دی ابو جعفر رازی نے، حدیث بیان کی عیسیٰ بن عبداللہ الطیالسی نے بیان کیا العلاء بن عمرو الحنفی نے، بیان کیا ابو عبدالرحمن نے اعمش سے انہوں نے ابن صالح سے انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جس شخص نے میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھا (میں اس کو سنتا ہوں اور جو) دور سے درود پڑھا وہ مجھ کو پہنچایا جاتا ہے۔

اس سند میں ابو عبدالرحمن راوی کون ہے؟ اس کا نام اور ولدیت یہاں مذکور نہیں، امام بیہقی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ وہ محمد بن مروان سدی صغیر ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی میزان الاعتدال میں سدی کے ترجمہ میں حدیث مذکور نقل کرنے میں بیہقی رحمہ اللہ کی متابعت کی ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ابو عبدالرحمن هذا هو محمد بن مروان السدی فیما اری وفیه نظر'' (حیات الانبیاء ص۱۷)

امام بیہقی رحمہ اللہ کی رائے میں یہ راوی سدی صغیر ہے جو کہ مجروح راوی ہے، مگر اس کے باوجود وہ اس حدیث کو ساقط الاعتبار قرار نہیں دیتے بلکہ اس سے پہلی ذکر کردہ روایات کو اس کی تاکید قرار دے کر اس کو قبول کررہے ہیں۔ جیسا کہ وفیہ نظر کے بعد متصل ہی ''وقد معنی مایو کدہ'' اس حدیث کے مضمون کی تائید و تقویت گزشتہ احادیث سے ہوتی ہے۔'' فرمانے سے واضح ہے کہ امام بیہقی کے نزدیک اگرچہ راوی متکلم فیہ ہے مگر یہ روایت مقبول ہے، متروک نہیں ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ کی نظر و جرح کو تو بیان کرنا اور اس کی تاکید کے بیان کرنے اور اس روایت کے قبول

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کرنے سے صرف نظر کرنا نہ معلوم تحقیق کی کون سی قسم ہے؟ نیز اس حدیث کے مطابق تمام امت کا اجماعی عقیدہ اور عمل اور امت کی تلقی بالقبول بھی اس حدیث کی صحت پر شاہد عدل ہے۔

علامہ طاہر بن صالح الجزائری، حافظ ابن حزم الظاہری کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ''اذا ورد حدیث مرسل او فی احد ناقلیہ ضعف فوجدنا ذالک الحدیث مجمعاً علی اخذہ والقول بہ علمنا یقیناً انہ حدیث صحیح لاشک فیہ'' اور جب کوئی مرسل حدیث ہو یا کوئی ایسی حدیث ہو جس کے کسی راوی میں ضعف ہو اور ہم یہ دیکھیں کہ سب لوگوں کا اس پر اجماع ہے اور سب اس کے قائل ہیں تو یقیناً ہم یہ جان لیں گے کہ وہ حدیث صحیح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ (توجیہ النظر ص ۵۰)

اس لئے اس حدیث کی دوسری سند میں محمد بن مروان سدی کے آنے سے امت کا اجماعی عقیدہ اور عمل متاثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ امت کے عقیدہ اور عمل کی بنیاد اس حدیث کی ابوالشیخ والی جید سند اور دوسری احادیث حفظ اجساد انبیاء وغیرہ پر استوار ہے۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے جو اس حدیث کے بارہ میں ''غریب قطعاً'' کہا ہے تو یہ حدیث کے صحیح ہونے کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ بخاری اور مسلم میں متعدد روایتیں اس لحاظ سے غریب ہیں کہ ان میں کہیں راوی متفرد ہوتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ضعیف ہیں اور صحیح نہیں ہیں اور ترمذی شریف میں کئی جگہ آتا ہے حسن صحیح غریب۔ اگر غرابت صحت کے منافی ہوتی تو حسن اور صحیح کے ساتھ ہرگز جمع نہ ہوتی۔

شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''انہ الغرابۃ لاتنافی الصحۃ ویجوز ان یکون الحدیث صحیحاً غریباً'' بلاشک غرابت صحت کے منافی نہیں ہے اور جائز ہے کہ حدیث صحیح غریب ہو۔ (مقدمہ مشکوۃ ص ۶)

غرضیکہ غرابت کی وجہ سے اس صحیح حدیث کو رد کر دینا کسی طرح درست نہیں ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا مسلک

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ جیسے حضرات جو شرک و بدعات کے معاملہ میں بڑے حساس واقع ہوئے ہیں بلکہ ان کی اس نزاکت حس نے ان کو بعض امور میں سخت گیری اور تشدد کی حد تک پہنچا دیا ہے کہ کسی بات سے ان کو شرک کا ادنیٰ ترین وہم بھی پیدا نظر آتا ہو تو وہ اس کا سد باب نہایت سختی سے کرتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سماع عند القبر میں امت کے اجماعی مسلک کے ساتھ ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں: ''فاخبر انہ یسمع الصلوۃ والسلام من القریب وانہ یبلغ ذلک من البعید'' آپ نے فرمایا کہ قریب سے پڑھے ہوئے صلوۃ و سلام کو خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا ہوا پہنچایا جاتا ہے۔

(رسائل ابن تیمیہ ص ۳۹۱)

اسی طرح علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے شاگرد علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ومع ھذا فلما اشراف علی البدن واشراق وتعلق بہ بحیث یرد السلام علی من سلم علیہ'' مع ہذا بدن مبارک پر اس کا پرتو اور روشنی پڑتی ہے اور اس کا بدن سے اس انداز سے تعلق ہے کہ آپ سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ (زادالمعاد ج ۲ ص ۴۹)

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''قد روی ابن شیبہ والدار قطنی عنہ من صلّی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلّی علیّ نائیاً ابلغتہ وفی اسنادہ لین لکن لہ شواھد ثابتۃ فان ابلاغ الصلوۃ والسلام علیہ من البعید قد

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

رواہ اهل السنن من غیر وجه الخ" ابن ابی شیبہ اور دارقطنی نے آنحضرت ﷺ سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا کہ جس نے مجھ پر میری قبر کے پاس صلوٰۃ وسلام کہا تو میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا تو وہ پہنچایا جاتا ہے اس کی سند میں نرمی ہے لیکن اس کے کئی شواہد ثابت ہیں چونکہ دور سے آپ کو صلوٰۃ وسلام پہنچانے کی روایت متعدد طریق سے اہل السنن نے بیان کی ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ج ۴ ص ۳۶۱)

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر چہ یہ روایت سند کے لحاظ سے کمزور ہے مگر چونکہ اس کی تائید دوسری روایات اور شواہد ثابتہ سے ہورہی ہے اس لئے علامہ کے نزدیک بھی یہ روایت قابل اعتبار ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے ایک اور شاگرد علامہ ابن عبدالہادی رحمہ اللہ اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "فاما ذلک الحدیث وان کان معناہ صحیحاً فاسنادہ لا یحتج به انما ثبت معناہ باحادیث اخر"! اس حدیث کے اگر چہ معنی صحیح ہیں لیکن اس کی سند قابل احتجاج نہیں البتہ اس کے معنی دوسری روایت کی روشنی میں ثابت ہیں۔

(الصارم المنکی ص ۱۳۱)

علامہ ابن عبدالہادی بھی اس حدیث کو دوسری احادیث کی روشنی میں معنی کے لحاظ سے صحیح کہتے اور تسلیم کرتے ہیں اور لکھتے ہیں: "وهو ﷺ یسمع السلام من القبر وتبلغه الملائکة الصلوٰة والسلام من بعد" آنحضرت ﷺ قبر کے پاس سے سلام خود سنتے اور دور سے فرشتے آپ کو صلوٰۃ وسلام پہنچاتے ہیں۔ (ص ۲۸۲)

علامہ ابن عبدالہادی تصریح فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ قبر کے پاس سے صلوٰۃ وسلام صرف سنتے ہی نہیں بلکہ جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں۔ لکھتے ہیں: "واما من سلّم علیه عند قبرہ فانه یرد علیه وذالک کالسلام علی سائر المؤمنین لیس من خصائصه" قبر کے پاس سے جس نے آپ پر سلام کہا تو آپ اس کا جواب دیتے ہیں اور یہ ایسا ہی جیسا کہ سب مؤمنین سلام کا جواب دیتے ہیں یہ صرف آپ ﷺ کی خصوصیت نہیں ہے۔ (الصارم ص ۱۳۱)

ارواح انبیاء علیہم السلام کا مستقر رفیق اعلیٰ اور اعلیٰ علیین بتلاتے ہوئے علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اس اوپر کی عبارت میں ارواح طیبہ کا قبروں میں ابدان مبارکہ سے ایسا اتصال اور تعلق تسلیم فرمایا ہے جس کی وجہ سے ایسی حیات آپ ﷺ کو حاصل ہے کہ آپ سلام کہنے والوں کا سلام بنفس نفیس خود سنتے اور اس کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔

علامہ عثمانی رحمہ اللہ کی تحقیق

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس عقلی استبعاد کو کہ جب روح مبارک اعلیٰ علیین میں ہے تو پھر قبر مبارک میں روح مبارک کے اتصال سے جسم اطہر میں حیات کیسے حاصل ہوتی ہے؟ سورج کی مثال دے کر اس طرح رفع فرمایا ہے: "ومن کشف ادراکه وغلظت طباعه عن هذا الادراک فلینظر الی الشمس فی علو محلها وتعلقها وتاثیرها فی الارض وحیات الحیوان والنبات بهاله" اور جس شخص کا ادراک کثیف اور اس کی طبیعت اس کے سمجھنے سے منقبض ہو تو اسے سورج کی طرف دیکھنا چاہئے کہ وہ کتنے بلند مقام پر ہے لیکن مع ہذا اس کا تعلق اور تاثیر زمین پر ظاہر ہے اور نباتات وحیوان کی حیات اور نشو ونما وابستہ ہے۔ (فتح الملہم ج ۳ ص ۴۲۱)

اگر سورج اس رفعت وبلندی کے باوجود زمین اور اس کے اجزاء پر اثر انداز ہے اور عالم اسباب میں نباتات وغیرہ کی نشو ونما کا ذریعہ بن رہا ہے اور سورج کی روشنی زمین پر انداز ہو سکتی ہے تو روح مبارک کے قبر شریف میں جسم اطہر پر فیضان حیات میں کیا استبعاد رہ جاتا ہے؟

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اس طرح کی عبارات سے اس نظریہ کی تردید بھی ہو جاتی ہے کہ ''ارواح مبارکہ کو ان کے ابدان مطہرہ سے تعلق، اشراف واشراق تو ہے مگر یہ تعلق اتصال ابدان مطہرہ میں اضافہ حیات کے لئے نہیں ہے اور نہ اس اتصال کے سبب ابدان مطہرہ فائز الحیات ہوتے ہیں۔'' کیونکہ اس تعلق واتصال کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کا اپنی اپنی قبور شریفہ میں نماز پڑھنا اور سلام کا جواب عنایت فرمانا اس کی واضح دلیل ہے کہ یہ تعلق واتصال ابدان مبارکہ میں ایسی حالت کے فیضان کے لئے ہے جس سے افعال مذکورہ صادر ہو سکیں۔

اوران ہی عبارات سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ اتصال وتعلق کی یہ کیفیت دائمی طور پر ہمیشہ کے لئے ثابت ہے جیسا کہ: ''فلها اشراف علی البدن واشراق وتعلق به'' کے جملہ اسمیہ ہونے سے واضح ہے جو کہ استمرار ودوام پر دلالت کرتا ہے۔ جب یہ کیفیت دائمی اور ہمہ وقتی ہے تو روضہ مبارکہ پر سلام عرض کرنے والے کے سلام کا سماع اور اس کا جواب مرحمت فرمانا بھی دائمی طور پر ہی ثابت ہوگا اور یہی تمام اکابر علماء دیوبند اور علماء امت کا عقیدہ ہے۔

سماع صلوٰۃ وسلام دائمی ہے

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''انبیاء علیہم السلام کو اس وجہ سے مستثنیٰ کیا ہے کہ ان کے سماع (سننے) میں کسی کو اختلاف نہیں۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۱۲)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ سہارنپوری شارح ابوداؤد فرماتے ہیں: ''والا فهي دائماً تعرض عليه بواسطة الملك الاعند روضة فيسمعها بحضرته بذل المجهود'' ورنہ تو فرشتہ کے واسطے سے آپ پر ہمیشہ درود شریف پیش کیا جاتا ہے لیکن روضہ منورہ کے پاس حاضری کے وقت خود سنتے ہیں۔ (ص ۲۹۷)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں: ''سلام سننا نزدیک سے خود اور دور سے بذریعہ ملائکہ (اور) سلام کا جواب دینا یہ دائماً ثابت ہے۔'' (نشر الطیب ص ۲۹۷)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی اوپر کی عبارت سے واضح ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے سماع عند القبر میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر سب کا اتفاق اور اجماع ہے اور حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رحمہ اللہ اور حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عرض اور سماع عند القبر کا ثبوت دائمی طور پر تسلیم کر رہے ہیں۔

تیسری حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ليهبطن عيسى ابن مريم حكماً اماما مقسطاً وليسلكن فجاً حاجاً او معتمراً وليأتين قبري حتى يسلم علىّ ولاردن عليه'' البتہ ضرور عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نازل ہوں گے منصف اور امام عادل ہوں گے اور وہ فج (جگہ کا نام) کے راستے پر حج یا عمرہ کے لئے آئیں گے اور یقیناً وہ میری قبر پر آئیں گے یہاں تک کہ وہ مجھے سلام کریں گے اور میں ان کے سلام کا ضرور جواب دوں گا۔ وقال صحیح (الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۴۰)

اس حدیث میں تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سلام کا جواب مرحمت فرمائیں گے اور ظاہر ہے کہ سماع سلام کے بغیر جواب کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلام سنتے بھی ہیں اور جواب

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بھی عنایت فرماتے ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے اس کا انکار صحیح حدیث کا انکار ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ عرض صلوٰۃ وسلام اور اس کا جواب آپ کی ذات گرامی سے وابستہ ہے جو جسم مع روح کا نام ہے، صرف جسم یا تنہا روح کا یہ کام نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سماع کو خصوصیت اور اعجاز پر بھی محمول نہیں کیا جا سکتا۔ اول تو پہلی حدیثوں کی روشنی میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر ہر سلام کا سماع فرماتے اور جواب دیتے ہیں۔ دوسری خصوصیت کا ثبوت بغیر کسی دلیل کے نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی کو اس کا دعویٰ ہو تو وہ اس کی دلیل پیش کرے؟ بغیر دلیل کے دعویٰ غیر مسموع ہے۔ پھر اعجاز کے طور پر سلام سننے اور اس کا جواب عطا فرمانے میں سوال یہ ہے کہ یہ اعجاز کس کی طرف سے ہے؟ اگر اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اعجاز کہا جائے تو یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور شان عالی کے کسی طرح مناسب نہیں کہ آپ کی ذات گرامی کسی نبی کے لئے محل تصرف و اعجاز بنے۔ اس لئے اس کے تسلیم کر لینے کے بغیر چارہ نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر ہر سلام کرنے والے کے سلام کو سنتے اور اس کا جواب عطا فرماتے ہیں، جیسا کہ دوسری احادیث کے ذیل میں تفصیل سے گزر چکا ہے اور آگے بھی آرہا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور مسئلہ سماع موتیٰ

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تو ہر میت کے لئے نہ صرف سماع سلام کو ثابت مانتے ہیں بلکہ قرآۃ کے سننے کو بھی حق کہتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''وسماع المیت للاصوات من الاسلام والقرأۃ حق'' میت کا سلام وقرآۃ کی آواز سننا حق ہے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم ص ۱۸۱)

حضرت ملا علی القاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''فان سائر الاموات ایضاً یسمعون السلام والکلام'' بے شک تمام مردے بھی سلام وکلام سنتے ہیں۔ (مرقات ج ۲ ص ۲۱۰)

اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ ہر میت کے لئے جواب سلام کو تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ انہوں نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی روشنی میں فرمایا ہے جس کو جامع صغیر میں روایت کیا گیا ہے اور امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ، علامہ عبدالحق اشبیلی رحمہ اللہ ابن عبدالہادی رحمہ اللہ، قاضی شوکانی رحمہ اللہ اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ وغیرہ سب نے صحیح کہا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے: ''من حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مامن رجل یمر بقبر اخیہ المومن کان یعرفہ فلیسلم علیہ الاعرفہ ورد علیہ السلام'' حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جو شخص بھی اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا وہ جب بھی اسے سلام کہتا ہے تو وہ اس کو پہچان لیتا ہے اور ان کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

(کتاب الروح ص ۱۳، الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۵۱، الصارم المنکی ص ۶۵ و ۱۸۶، اقتضاء الصراط المستقیم ص ۱۵۷، نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۱۴)

اس حدیث کو نقل فرما کر علامہ ابن القیم فرماتے ہیں: ''فھذا نص فی انہ یعرف بعینہ ویرد علیہ السلام'' یہ حدیث اس بات میں نص ہے کہ میت سلام کہنے والوں کو بعینہٖ پہچانتا اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ (کتاب الروح ص ۲)

علامہ عزیزی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: ''ولا مانع من خلق ھذا الادراک برد الروح فی بعض بدنہ قال المناوی وقولہ یعرفہ یفھم منہ انہ اذا لم یعرفہ لا یرد وھو غیر مراد فقد اخرجہ ابن ابی الدنیا وزاد وان لم

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

یعرفہ رد علیہ السلام" اس ادراک کے تعلق سے کوئی چیز مانع نہیں ہے بعض بدن میں روح لوٹانے کے ساتھ مناوی نے کہا ہے کہ یعرفہ سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر میت اس کو نہ پہچانتی ہو تو سلام کا جواب نہ دے گی حالانکہ یہ مراد نہیں ہے۔ ابن ابی الدنیا نے اس کو روایت کیا ہے اس میں یہ لفظ زیادہ کیا ہے وان لم یعرفہ رد علیہ السلام کہ اگرچہ اس کو نہ پہچانتی ہو سلام کا جواب دیتی ہے۔ (عزیزی شرح جامع ج ۳ ص ۲۸۶)

علامہ نے اس پر لکھا ہے: "(قولہ کان یعرفہ) لا مفہوم لہ ففی روایۃ اخری عرفہ او لم یعرفہ" اس کا مفہوم معتبر نہیں ہے دوسری روایت میں تعمیم ہے پہچانتی ہو یا نہ پہچانتی ہو۔ (شرح جامع صغیر ج ۳ ص ۲۸۶)

یہی حافظ ابن القیم رحمہ اللہ اپنے مشہور قصیدہ نونیہ میں لکھتے ہیں:

وھذا ورد نبینا للتسلیم من یاتی بتسلیم مع الاحسان

ما ذاک مختصاً بہ ایضاً کما قد قالہ المبعوث بالقرآن

(ترجمہ) یہ بھی آپ کی ذات گرامی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جیسا کہ اس ذات گرامی نے فرمایا ہے جس کو قرآن دے کر بھیجا گیا۔

من زار قبر اخ لہ فاتی بتسلیم علیہ وھو ذوالایمان

جس شخص نے اپنے کسی مومن بھائی کی قبر کی زیارت کی اور اسے سلام کیا۔

دالاً لہ علیہ حقا روحہ حتی یرد علیہ رد بیان

(النونیہ ص ۱۴۵)

تو پروردگار یقینی طور سے اس پر اس کی روح کو لوٹا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کا جواب واضح بیان سے لوٹاتا ہے۔

حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ سماع موتی کی احادیث کے تواتر کے قائل ہیں۔ اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اقول والاحادیث فی سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر" میں کہتا ہوں کہ مردوں کے سماع کی حدیثیں تواتر کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہیں۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ صاحب لکھتے ہیں: "قال العبد الضعیف عفا اللہ عنہ والذی تحصل لنا من مجموع النصوص واللہ اعلم ان سماع الموتی ثابت فی الجملۃ بالاحادیث الصحیحۃ الکثیرۃ" بندہ ضعیف اللہ تعالیٰ اس کی لغزشوں سے درگزر فرمائے کہتا ہے کہ جو چیز ہمیں مجموعہ احادیث سے حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ بھی خوب جانتا ہے یہ ہے کہ سماع موتی فی الجملہ احادیث کثیرہ صحیحہ سے ثابت ہے۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۹)

عند الجمہور سماع موتی راجح ہے

عام سماع موتی کا مسئلہ اگرچہ اختلافی ہے اور اس میں راجح اور مرجوح کا اختلاف ہے مگر مالکی، شافعی، حنبلی، میت کے سماع کے قائل ہیں اور احناف کی بھی اکثریت جن میں اکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ بھی شامل ہیں، سماع موتی کے قائل ہیں، اگر سماع موتی کے مسئلہ سے شرک پیدا ہوتا یا منجر الی شرک ہوتا تو یہ اکابر علماء اسلام کبھی سماع کا اقرار نہ کرتے، خاص طور پر علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور علامہ ابن قیم رحمہ اللہ وغیرہ وہ بزرگ ہیں کہ اگر کسی بات سے شرک کا ادنیٰ ترین وہم بھی پیدا ہوتا ہو تو وہ اس کا سختی کے ساتھ سدباب کرتے ہیں، مگر سماع موتی کا مسئلہ اتنا صاف اور

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بے غبار معلوم ہوتا ہے کہ ایسے محتاط حضرات بھی نہ صرف اس کے قائل بلکہ پرزور حامی وناصر ہیں جیسا کہ اوپر ان کی عبارات سے واضح ہو رہا ہے۔

بعض لوگوں نے "لایسمعوا دعاء کم" اور "فھم عن دعائھم غافلون" وغیرہ سے بھی عدم سماع عندالقبر پر استدلال کرنے کی ناکام سعی کی ہے۔ ان آیات کو سماع موتی سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی حضرات سلف رحمہم اللہ میں سے کسی نے ان آیات سے یہ استدلال کیا ہے۔

البتہ "انک لاتسمع الموتی" اور "وما انت بمسمع من فی القبور" سے بعض سلف نے عدم سماع پر استدلال کیا ہے جن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پیش پیش ہیں مگر جمہور نے اس کا ساتھ نہیں دیا بلکہ جمہور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کے ساتھ ہیں جو سماع موتی کی روایت کے راوی ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "والصحیح عندالعلماء روایۃ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما لمالھا من الشواھد علی صحتھا من وجوہ کثیرۃ" اور صحیح علماء کرام کے نزدیک حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کیونکہ اس کی صحت پر گوناگوں شواہد دلالت کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸)

علامہ ابن حجر شرح بخاری میں لکھتے ہیں: "وھذا مصیر عن عائشۃ رضی اللہ عنہا الی رد روایۃ ابن عمر المذکورۃ وقد خالفھا الجمھور فی ذالک وقبلوا حدیث ابن عمر لموافقتہ من رواہ غیرہ علیہ" حضرت عائشہ اپنی اس تاویل میں "انہ قال انھم الان یعلمون ان ما کنت اقول لھم حق" اس طرف جارہی ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ روایت مردود ہے، لیکن جمہور اس بارہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت کی ہے اور انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو قبول کیا ہے کیونکہ دوسرے حضرات کی روایتیں ان کے موافق ہیں۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۲۷۷)

نیز علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کتاب المغازی میں فرماتے ہیں: "ولم ینفرد عمر ولا ابنہ بحکایۃ ذالک بل وافقھا ابو طلحۃ رضی اللہ عنہ کما تقدم وللطبرانی من حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ مثلہ باسناد صحیح ومن حدیث عبداللہ بن سیدان نحوہ" اس روایت اور حکایت کے بیان کرنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے ابن عمر ہی منفرد نہیں ہیں بلکہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے موافق ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے اور طبرانی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کی سند صحیح ہے اور عبداللہ بن سیدان سے بھی اس مضمون کی روایت ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۵)

معلوم ہوا کہ سماع موتی کی روایت بیان کرنے میں صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزند عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی منفرد نہیں بلکہ حضرت ابوطلحہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن سیدان (رضی اللہ عنہم) بھی اس قصہ کے بیان کرنے میں ان کی تائید اور تصدیق کررہے ہیں۔ اس لئے جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تاویل کو تسلیم نہیں کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت (مسلم ج ۲ ص ۳۸۷) حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوطلحہ (رضی اللہ عنہم) کی روایت (بخاری ج ۲ ص ۵۶۶ اور مسلم ج ۲ ص ۳۸۷) ملاحظہ کی جائے۔

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا رجوع

بلکہ مغازی ابن اسحاق رحمہ اللہ کی روایت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایت ثابت ہوگئیں تو انہوں نے اپنے سابق نظریہ سے رجوع کرلیا اور جمہور کی ہمنواء

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہو گئیں ہوں جیسا کہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں: ''ومن الغریب ان فی المغازی لابن اسحاق روایۃ یونس بن بکر باسناد جید عن عائشۃ رضی اللہ عنہا مثل حدیث ابی طلحہ فیر نہ ما انتم باسمع لما اقول منھم واجد احمد باسناد حسن فان کان محفوظاً فانھا رجعت من الانکار لما ثبت عندھا من روایات ھؤلاء الصحابۃ لکونھا لم تشھد'' اور بڑی نرالی بات ہے کہ ابن اسحاق رحمہ اللہ کے مغازی میں یونس بن بکیر کے طریق سے جید اسناد کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح روایت ہے جیسے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے ہے جس میں ''ما انتم بمسمع لما اقول منھم'' کے الفاظ موجود ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ نے بھی جس اسناد کے ساتھ اس کی تصریح کی ہے۔ سو اگر یہ الفاظ محفوظ ہوں تو گویا یہ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (سماع موتی کے) انکار سے رجوع کر لیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک ان جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایتیں ثابت ہو گئیں (جو موقع پر موجود تھے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود موقع پر موجود نہ تھیں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۶)

بہرحال جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سماع موتی میں جو مؤقف پہلے تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اور تاویل سن کر بھی وہی رہا کسی نے بھی ان کے ساتھ موافقت نہیں کی اور تمام حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہمنوا تو کیا ہوتے خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی بقول حضرت علامہ ابن حجر رحمہ اللہ انکار سماع موتی سے رجوع کر کے جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہو گئیں۔

حضرت مولانا عبدالحیٔ لکھنوی عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح الوقایہ میں تحریر فرماتے ہیں: ''واما رد عائشۃ رضی اللہ عنہا بعض تلک الاحادیث فلم یعتد بہ جمھور الصحابۃ رضی اللہ عنہم ومن بعدھم'' بہرحال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ان بعض احادیث کا رد کرنا تو جمہور صحابہ اور ان کے بعد کے حضرات نے اس رد کا کوئی اعتبار نہیں کیا۔ (عمدۃ الرعایہ ج ۲ ص ۲۵۴)

ان تصریحات اکابر علماء کرام کے ہوتے ہوئے بھی بعض لوگ اس زمانہ میں عدم سماع موتی کو اجماعی مسئلہ بنانے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اتفاق ثابت کرنے کی فکر میں ہیں جو کہ بلا دلیل ہی نہیں بلکہ خلاف دلیل بھی ہے۔

اوپر کی تحریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے استدلال سے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اتفاق نہیں فرمایا اور ان کی تاویل رد فرما دی، بعد کے جن علماء کرام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے استدلال سے اختلاف فرمایا ہے ان کا یہ اختلاف محض اپنے اجتہاد سے نہیں ہے جس کو یہ کہہ کر رد کرنا درست ہو کہ بعد کے ان حضرات سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فہم اور علمی مقام بہت بلند ہے۔ کیونکہ ان حضرات کو بھی اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تابعیت اور موافقت حاصل ہے اور انہوں نے جمہور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی موافقت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ اختلاف کیا ہے اور اگر ان سے مغازی ابن اسحاق والی روایت ثابت اور محفوظ ہے (اور اس کی سند حسن اور جید ہے تو اس کے محفوظ ہونے میں کیا شک ہے) تو پھر تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنے سابقہ مؤقف عدم سماع سے رجوع اور ان کی موافقت بھی جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ثابت ہو جاتی ہے۔

منکرین سماع کا آیات سے استدلال اور ان کا جواب

منکرین سماع موتی آیت ''انک لاتسمع الموتی'' سے استدلال کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مردوں کے نہ سننے پر آیت حجت قطعیہ ہے اور کہتے ہیں کہ آیت میں اگرچہ اسماع کی نفی ہے۔ مگر سماع چونکہ اس کا مطاوع ہے تو اسماع کی نفی سے لازماً سماع کی نفی ہو جاتی ہے؟

اس آیت کی دو تفسیریں مشہور ہیں:

آیت کی پہلی تفسیر

پہلی تفسیر یہ ہے کہ اس میں سماع نافع کی نفی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''ای لا تسمعهم شيئاً ينفعهم'' یعنی آپ ان کو ایسی چیز نہیں سنا سکتے جو ان کو نفع دے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۸۴)

مطلب واضح ہے کہ آیات مبارکہ میں مطلق اسماع و سماع کی نفی نہیں بلکہ اسماع و سماع و مفید و نافع کی نفی ہے، حاصل جواب یہ ہے کہ آیت میں اسماع مفید کی نفی ہے۔ اس لئے سماع بھی مفید بھی منفی ہوگا اور اسماع مفید کا مطاوع سماع مفید ہی ہوگا مطلق سماع کیسے ہوگا؟

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ شارح بخاری فرماتے ہیں: ''واما استدلالها بقوله تعالى انك لا تسمع الموتى فقالوا معناها لا تسمع سماعاً ينفعهم او لا تسمعهم الا ان يشاء الله تعالى'' رہا ان کا استدلال ''انک لا تسمع الموتی'' سے تو جمہور نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تو ان کو اس طرح نہیں سنا سکتا جس سے ان کو نفع ہو یا ان کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر نہیں سنا سکتا۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بھی اس پر متفق ہیں کہ اس آیت مبارکہ سے ایسے سماع کی نفی ہو رہی ہے جو نافع اور مفید ہو یا یہ مطلب ہے کہ آپ ان کو نہیں سنا سکتے یعنی آپ کو سنانے پر قدرت نہیں ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''والنص الصحيح عن النبي ﷺ مقدم على تاويل من اصحابه وغيره وليس في القرآن ما ينفي ذالك فان قوله انك لا تسمع الموتى انما اراد به السماع المعتاد الذي ينفع صاحبه فان هذا مثل ضرب الكفار والكفار اللغاد تسمع الصوت ولكن لا تسمع سماع قبول بفهم واتباع'' وہ نص صحیح جو آنحضرت ﷺ سے وارد ہے وہ اس تاویل پر جو آپ کے بعض صحابہ وغیرہم نے کی ہے مقدم ہے، اور قرآن کریم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی نفی کرتی ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ بے شک تو مردوں کو نہیں سنا سکتا۔ اس سے مراد وہ معتاد سماع ہے جو سامع کو نفع دے۔ بلاشبہ یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے کفار کے لئے بیان فرمائی ہے اور کفار آواز سنتے ہیں لیکن سمجھ اور پیروی کے جذبہ سے سماع قبول ان کو حاصل نہیں ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴ ص ۲۹۸)

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''وانما شبهوا بالموتى بعدم انتفاعهم باستماع ما يتلى عليهم كما شبهوا بالصم في قوله تعالى ولا تسمع الصم الدعا اذا ولوا مدبرين فان اسماعهم في هذه الحالة ابعد'' ان زندہ کافروں کو مردوں کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ اس چیز کو جو ان پر پڑھی جاتی ہے سن کر نفع نہیں حاصل کرتے جیسا کہ ان کو ولا تسمع الصم الدعا اذا ولو مدبرین کے ارشاد میں بہروں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ اس حالت میں ان کا سننا بعید تر ہے۔ (تفسیر بیضاوی مصری ص ۳۱۱)

معلوم ہوا کہ زندہ کفار کو مردوں کے ساتھ تشبیہ اس امر میں نہیں دی گئی کہ وہ سرے سے سنتے ہی نہیں بلکہ تشبیہ اس عدم سماع میں ہے جو موجب انتفاع ہو۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(تفسیر جلالین ص ۳۷۱ اور تفسیر السراج المنیر ج ۲ ص ۱۲۱ اور تفسیر مظہری ج ۷ ص ۱۳۰) پر یہی مضمون ہے کہ کفار کو بہروں کے ساتھ تشبیہ اس بات میں دی گئی ہے کہ ان پر جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس سے وہ نفع نہیں اٹھاتے "شبهم بهم فی علم الانتفاع بما یتلی علیهم" (جلالین) اللہ تعالیٰ نے کفار کو بہروں کے ساتھ اس امر میں تشبیہ دی ہے کہ ان پر جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس سے وہ نفع نہیں اٹھاتے۔ یہ عبارت واضح ہے کہ وجہ تشبیہ عدم انتفاع ہے نہ کہ عدم سماع۔

آیت کی دوسری تفسیر

ایسی آیات کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ "آپ کے اختیار اور قدرت میں یہ بات نہیں ہے کہ آپ مردوں کو سنائیں۔ یہ کام تو صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔

اسی طرح دوسری اس آیت کا مطلب یہی ہوگا۔

"ان الله یسمع من یشاء وما انت بمسمع من فی القبور" بے شک اللہ تعالیٰ سناتا ہے جس کو چاہے اور تو نہیں سنا تا قبروں میں پڑے ہوؤں کو۔ (الفاطر: ۲۲، امام محمد ابن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ)

اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "کما لا تقدر ان یسمع من فی القبور کتاب الله فیه بهم به الی سبیل الرشاد فکذلک لا یقدر ان ینفع بمواعظ الله وبیان حججه من کان میت القلب من اجباء عباده عن معرفة الله وفهم کتابه وتنزیله وواضح حججه" جس طرح اہل قبور کو اللہ کی کتاب سن کر ان کو راہ سنت پر لانے کی قدرت کسی کو نہیں، اسی طرح یہ قدرت بھی کسی کو نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نصیحتیں اور اس کی واضح دلیلیں بیان کر کے ان مردوں کو نفع پہنچایا اور زندہ کیا جائے جو اس کے بندوں میں سے اس کی معرفت اس کی کتاب کے فہم اس کے انشراح اور اس کی واضح دلیلوں کی معرفت سے بے خبر اور مردہ دل ہیں۔ (ج ۲۲ ص ۱۲۹)

نیز وہ لکھتے ہیں: "وقوله انک لا تسمع الموتی یقول یا محمد لا تقدر ان تفهم الحق من طبع الله علی قلبه فاماته لان الله قد ختم علیه ان لا یفهم" اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ "بے شک تو مردوں کو نہیں سنا سکتا یعنی اے محمد ﷺ تو اس پر قادر نہیں کہ اس شخص کو سمجھا دے جس کے دل پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے اور اس کو مردہ کر دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر مہر لگا دی ہے کہ وہ حق کو نہ سمجھے۔ (ج ۲۰ ص ۱۲)

اس تفسیر کی رو سے نفی سماع کی نہیں بلکہ نفی اس کی ہے کہ بجز پروردگار کے کسی کو سنانے کی قدرت نہیں ہے تو نفی اس سماع کی ہے جو انسان کی قدرت میں ہے اور ان اللہ یسمع من یشاء میں اس سماع کا اثبات ہے جو مردوں کے لئے ثابت ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: "انک لا تهدی من احببت ولکن الله یهدی من یشآء وهو اعلم بالمهتدین" بے شک تو ہدایت نہیں دے سکتا جس سے تو محبت کرے لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہی خوب جانتا ہے ان کو جو ہدایت پانے والے ہیں۔ (القصص: ۵٦)

اس کا یہ مطلب تو کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت ﷺ سے کسی فرد کو ہدایت حاصل نہیں ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہدایت دینے پر قدرت نہیں ہے۔ آپ صرف رہنمائی کرتے ہیں اور راہ بتلاتے ہیں۔ اس معنی میں آپ یقیناً ہادی برحق بھی ہیں اور اسی کا ذکر "انک لتهدی الی صراط مستقیم" میں فرمایا گیا ہے۔ لیکن ہدایت دینے کے معنی میں ہادی صرف حق تعالیٰ ہیں اور آپ ﷺ سے اسی معنی میں ہدایت کی نفی اس آیت کریمہ میں کی گئی ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: "یقول تعالٰی کانک لیس فی قدرتک ان تسمع الاموات فی اجداثہا و لا تبلغ کلامک انہم الذین لا یسمعون و ھم مع ذلک مدبرون عنک کذالک لا تقدر علی ھدایتہ العمیان عن الحق و ردھم عن ضلالتھم بل ذالک الی اللہ تعالٰی فانہ تعالٰی بقدرتہ یسمع الاموات الاحیاء اذا شاء یھدی من یشاء و یضل من یشاء و لیس کذالک لاحد سواہ" اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ جیسے تیرے بس میں یہ نہیں کہ تو مردوں کو ان کی قبروں میں سنائے اور نہ یہ کہ تیرا کلام ان بہروں تک پہنچ سکے جو سنتے نہیں جب کہ انہوں نے تیری طرف اپنی پیٹھ ہی پھیر دی ہو۔ اسی طرح تو حق سے اندھوں کو ہدایت دینے پر اور ان کو گمراہی سے ہٹانے پر قادر نہیں بلکہ اللہ تعالٰی کے بس میں ہے کہ وہ مردوں کو اپنی قدرت سے جب چاہتا ہے زندوں کی آوازیں سنا دیتا ہے اور ہدایت کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور یہ بات اللہ تعالٰی کے بغیر کسی اور کے بس اور اختیار میں نہیں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸)

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "قلت اذا صح عن النبی ﷺ ان الموتی تسمع کلام الحی فمعنی قولہ تعالٰی انک لا تسمع الموتی باختیارک و قدرتک کما انت تسمع الحی علی ماجری بہ عادۃ اللہ تعالٰی لکن اللہ تعالٰی یسمع الموتی کلام الاحیاء اذا شاء او انک لا تسمع الموتی سماعا یترتب علیہ الفائدہ" میں کہتا ہوں جب آنحضرت ﷺ سے یہ صحیح طور پر ثابت ہو گیا کہ مردے زندہ کے کلام کو سنتے ہیں تو انک لا تسمع الموتی کا مطلب یا تو یہ ہے کہ تو اپنے اختیار سے اور قدرت سے مردوں کو نہیں سنا سکتا جیسا کہ اللہ تعالٰی کی جاری کی ہوئی عادت کے مطابق تو زندہ کو سنا سکتا ہے لیکن اللہ تعالٰی ہی زندوں کا کلام مردوں کو جب چاہتا ہے سنا دیتا ہے اور یا اس آیت کریمہ کا یہ مطلب ہے کہ تو مردوں کو ایسے طریقہ پر نہیں سنا سکتا جس پر (قبول کرنے کا) فائدہ مرتب ہو۔ (تفسیر مظہری ج ۷ ص ۲۵۳)

حافظ بدرالدین محمود العینی الحنفی رحمہ اللہ اپنی شرح بخاری میں فرماتے ہیں: "واجیب عن الآیۃ بان الذی یسمعھم ھو اللہ تعالٰی و المعنی انہ ﷺ لا یسمعھم و لکن اللہ تعالٰی احیاء ھم حتی سمعوا کما قال قتادۃ" اس آیت کریمہ کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالٰی ہی ان کو سناتا ہے اور معنی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ان کو نہیں سنا سکتے لیکن اللہ تعالٰی نے ان کو زندہ کیا یہاں تک کہ انہوں نے سن لیا۔ جیسا کہ قتادہ نے کہا ہے۔ (ج ۱۷ ص ۹۳)

حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ "فانک لا تسمع الموتی" کے تحت اپنی مختصر تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں: "یعنی جس طرح ایک مردہ کو خطاب کرنا یا کسی بہرے کو پکارنا خصوصاً جب کہ پیٹھ پھیرے چلا جا رہا ہو اور پکارنے والے کی طرف قطعاً ملتفت نہ ہو ان کے حق میں سودمند نہیں، یہی حال ان مکذبین کا ہے جن کے قلوب مر چکے ہیں اور سننے کا ارادہ ہی نہیں رکھتے کہ ان کے حق میں کوئی نصیحت نافع اور کارآمد نہیں۔ ایک نپٹ اندھے کو جب تک آنکھ نہ بنوائے تم کس طرح راستہ یا کوئی چیز دکھلا سکتے ہو، یہ لوگ بھی دل کے اندھے ہیں اور چاہتے ہی نہیں کہ اندھے پن سے نکلیں، پھر تمہارے دکھلانے سے وہ دیکھیں تو کیسے دیکھیں۔

اور "ان تسمع الا من یؤمن بآیتنا فھم مسلمون" کے تحت لکھتے ہیں:

"یعنی نصیحت سنانا ان کے حق میں نافع ہے جو سن کر اثر قبول کریں اور اثر قبول کرنا یہ ہے کہ خدا کی باتوں پر یقین کر کے فرمانبردار بنیں۔" (ص ۴۹۷، سورہ نمل: ۴۹۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

سورۂ نمل کے اس مقام کی تفسیر میں حضرت علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے سماع نافع کی نفی کو اختیار فرمایا ہے اور سیاق آیت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ آخر آیت "ان تسمع الا من یومن بایتنا" میں نفی اثبات سے جس سماع کو مومن بالآیات میں محصور فرمایا گیا ہے اس سے بھی سماع نافع ہی مراد ہے ورنہ ظاہری طور پر اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ صرف انہی لوگوں کو سناتے تھے جو ایمان لاتے تھے دوسروں کو آپ نہیں سناتے تھے۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ آپ سب کو سناتے اور نصیحت کرتے تھے۔ مگر چونکہ کافروں نے سنانے کا اثر قبول نہیں کیا تو گویا انہوں نے سنا ہی نہیں۔

شیخ معین الدین اپنی تفسیر جامع البیان میں فرماتے ہیں: "ان تسمع سماع انتفاع الا من یومن" تم نہیں سنا سکتے سماع انتفاع مگر صرف ان کو جو ایمان لائیں۔ (ص ۳۲۴)

حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ علامہ سیوطی کے کلام کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ان ھولاء الکفار کالموتی فلا تنفع ھدایتک منھم لان نفعھما انما کان فی حیاتھم وقد معنی وقتھا کذالک ھولاء وان کانوا احیاء الا ان ھدایتک غیر نافعۃ لھم لکونھم مثل الاموات فی عدم الانتفاع فلیس الغرض نفی السماع بل نفی الانتفاع" بے شک یہ کافر مردوں کی طرح ہیں تیری رہنمائی ان کو کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ کیونکہ اس ہدایت اور رہنمائی کا فائدہ ان کو زندگی میں ہوسکتا تھا اور اب اس کا وقت جاچکا ہے۔ اسی طرح یہ کافر اگرچہ زندہ ہیں مگر تیری ہدایت ان کو فائدہ نہیں دیتی۔ کیونکہ یہ عدم انتفاع میں مردوں کی طرح ہیں تو اس میں غرض نفی سماع نہیں بلکہ نفی انتفاع ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۳۶۸)

اور سورۂ روم میں اسی آیت "انک لاتسمع الموتی" کے تحت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں: "یعنی اللہ کو سب قدرت ہے، مردہ کو زندہ کردے، تم کو یہ قدرت نہیں کہ مردوں سے اپنی بات سنوا سکو یا بہروں کو سنا دو یا اندھوں کو دکھلا دو، خصوصاً جب وہ سننے اور دیکھنے کا ارادہ ہی نہ کریں۔ بس آپ ان کے کفر و ناسپاسی سے طول و غمگین نہ ہوں، آپ صرف دعوت و تبلیغ کے ذمہ دار ہیں، کوئی بدبخت نہ مانے تو آپ کا کیا نقصان ہے۔ آپ کی بات وہی سنیں گے جو ہماری باتوں پر یقین کر کے تسلیم و انقیاد کی خو اختیار کرتے ہیں۔" (تفسیر عثمانی ص ۵۳۱)

آنحضرت ﷺ کو جو کفار کے ایمان قبول نہ کرنے سے رنج و غم ہوتا تھا اور اپنی دعوت و تبلیغ کے بے اثر اور غیر مفید ہونے کا افسوس ہوتا تھا اس آیت مبارکہ میں اس پر تسلی دلائی جارہی ہے اور بتلایا جارہا ہے کہ ایمان لانا اور دعوت کو قبول کرنا یہ آپ کے اختیار کی بات نہیں ہے، مردوں کو زندہ کرنا اور ان سے اپنی بات کا منوانا یہ تو سب اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اس سے اوپر کی آیت: "ان ذالک لمحی الموتی وھو علی کل شئ قدیر" سے اس آیت کا ربط بھی یہی ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "و مراد سماع عدم اجابت است حق را دلیل آں کہ ایں در آیت نازل شدہ در دعوت کفار بایمان و عدم اجابت ایشان مرحق را" سماع سے مراد یہ ہے کہ حق کو قبول نہیں کرتے اس کی دلیل یہ ہے کہ دو آیتیں کفار کو ایمان کی دعوت دینے میں نازل ہوئی ہیں اور اس بارہ میں کہ انہوں نے حق کو قبول نہیں کیا۔ (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۰۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تفسیر عثمانی میں اس مقام کی تفسیر میں قدرت کی نفی کی گئی ہے۔''انک لاتسمع الموتی'' کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:''یعنی تم یہ نہیں کر سکتے کہ کچھ بولو اور اپنی آواز مردوں کو سنا دو، کیونکہ یہ چیز ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہے۔ البتہ حق تعالیٰ کی قدرت سے ظاہر اسباب کے خلاف تمہاری کوئی بات مردہ سن لے اس کا انکار کوئی مومن نہیں کر سکتا۔'' یہ عبارت صاف دلالت کر رہی ہے کہ:''لاتسمع الموتی'' میں اللہ کے سوا دوسروں سے قدرت کی نفی کی گئی ہے سماع کی نفی نہیں کی گئی۔

جواہر القرآن میں لکھا ہے:''مشرکین کے عناد و مکابرہ کا ذکر کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی کہ ایسے واضح دلائل کے باوجود مشرکین انکار و تکذیب سے باز نہیں آ رہے۔ آپ کے انذار و تبلیغ میں کوئی قصور نہیں ان کے دلوں پر ضد و عناد کی وجہ سے مہر جباریت لگ چکی ہے اب وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، اس لئے آپ ان کے نہ ماننے کی وجہ سے غمگین نہ ہوں۔''

پھر آگے لکھا ہے:''حاصل یہ ہے کہ آپ کا کام تبلیغ و انذار ہے۔ یہ معاندین جو مہر جباریت کی وجہ سے اپنے دل کی حیات اور سمع و بصر کھو چکے ہیں ان کو راہ راست پر لانا آپ کے بس کی بات نہیں یہ آپ کی دعوت و تبلیغ کا اثر ہرگز قبول نہیں کریں گے۔'' (ص ۹۰۱)

بات بالکل واضح ہے کہ الموتی سے حقیقی موتی مراد نہیں بلکہ ایسے مشرکین مراد ہیں جن کے دلوں پر ضد و عناد کی وجہ سے مہر جباریت لگ چکی ہے اور مہر جباریت کی وجہ سے وہ اپنے دلوں کی حیات اور سمع و بصر کھو چکے ہیں۔ ان کو راہ راست پر لانا آپ کے بس کی بات نہیں تو اس سے مقصود ایسے مشرکین کی ہدایت پر قدرت و اختیار کی نفی ہوئی جو مردہ دل ہیں۔ اگلے جملہ''یہ آپ کی دعوت و تبلیغ کا اثر ہرگز قبول نہیں کریں گے۔'' میں تصریح ہے کہ لاتسمع میں سماع قبول منفی ہے، مطلق سماع کی نفی نہیں کی گئی۔ اسی لئے آگے''ان لاتسمع الامن'' کی تفسیر میں لکھا ہے ''البتہ آپ کی بات صرف وہی لوگ سنیں گے اور اس سے اثر قبول کریں گے جو ہماری آیتوں کو سن کر ان پر یقین کرتے اور ان کے سامنے تسلیم و انقیاد کا جذبہ رکھتے ہوں۔ (جواہر القرآن ص ۹۰۱)

اس تفسیر میں بھی اسی کو اختیار کیا گیا ہے کہ مومن میں جو سماع نفی اور اثبات سے محصور کیا گیا ہے وہ سماع قبول ہے تو کفار سے بھی سماع قبول ہی منفی ہوگا۔ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ ''بلغتہ الحیوان'' میں تحت آیت''وما انت بمسمع من فی القبور''

فرماتے ہیں:''یعنی بسبب مہر جباریت کے مرے ہو گئے ہیں قبول کرنے ایمان کے سے ان کو سنانا فائدہ نہیں دیتا۔'' (ص ۲۷۹)

سماع نافع کی نفی میں یہ عبارت سے یہ بھی واضح ہے کہ من فی القبور سے مردہ دل کفار مراد ہیں عرفی مردہ مراد نہیں ہیں۔

''و نیز گفتہ اند کہ مراد بموتی موتی القلوب اند و قبور اجساد ایشاں کہ دردے دلہائے مردی افتادہ است''

علماء نے کہا ہے کہ موتی سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل میں مردہ ہو چکے ہیں اور ان کے جسم گویا ان کی روحوں کی قبریں ہیں جن میں ان کے مردہ دل پڑے ہیں۔ (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۰۰)

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ اپنی بے نظیر تفسیر بیان القرآن میں اس مسئلہ پر کلام فرماتے ہوئے

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ارقام فرماتے ہیں: ''لیکن چونکہ بعض احادیث میں مردوں کا سننا قریب جگہ سے نہ کہ بعید سے وارد ہے۔ اس لئے بعض علماء نے آیت میں کہا ہے کہ مراد سماع منفی سے سماع نافع ہے اور قرینہ اس کا علاوہ دفع تعارض حدیث کے یہ بھی ہے کہ کفار سے مطلق سماع کا منفی ہونا مشاہدہ کے خلاف ہے۔ البتہ سماع نافع ضرور منفی تھا پس مردوں سے بھی وہی منفی ہے۔'' (ج ۸ ص ۹۴)

حضرت تھانوی قدس سرہ کے ملفوظ ذیل سے سماع نافع کے منفی ہونے کی دلیل کا علم ہوتا ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حدیث میں وقوع سماع مصرح ہے اور اس آیت سے نفی نہیں ہوتی اس لئے کہ یہاں پر حق تعالیٰ نے کفار کو موتی سے تشبیہ دی ہے اور تشبیہ میں ایک مشبہ ہوتا ہے اور ایک مشبہ بہ اور ایک وجہ تشبیہ جو دونوں میں مشترک ہوتی ہے تو یہاں وہ عدم سماع مراد ہے جو موتی اور کفار میں مشترک ہے اور اموات کا سماع اور عدم سماع تو معلوم نہیں (کیونکہ اس کا مشاہدہ نہیں ہے) مگر کفار کا تو معلوم ہے کہ قرآن وحدیث کو سنتے ہیں، مگر وہ سماع نافع نہیں اور یہ معلوم ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں وجہ شبہ میں تماثل ہوتا ہے۔ پس کفار سے جو سماع منفی ہے یعنی سماع نافع ویسا ہی سماع اموات سے منفی ہوگا نہ کہ مطلق سماع۔'' (اضافات الیومیہ ج ۵ ص ۴۵)

اور التکشف میں مزید وضاحت فرماتے ہوئے فرماتے ہیں: ''نافین نے اس کا جواب دیا ہے کہ گو آیت میں استعارہ ہے مگر مستعار منہ میں تو حقیقی معنی کا تحقق ضروری ہے پس موتی بالمعنی الحقیقی کے لئے عدم سماع ثابت ہو گیا۔ مثبتین نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس قاعدہ سے صرف اتنا لازم آتا ہے کہ موتی پر موتی کا صدق بالمعنی الحقیقی ہونا چاہئے۔ اس سے لاتسمع کا حقیقت پر محمول ہونا لازم نہیں آتا بلکہ اس میں مجاز اطلاق المطلق علی المقید ہے اور سماع سے مراد سماع نافع ہے پس معنی یہ ہیں کہ موتی بالمعنی الحقیقی سے سماع نافع منفی ہے۔ ضرورت اس حمل علی المجاز کی جمع بین النصوص ہے اور قرینہ اس کا خود مشاہدہ ہے نفس سماع کے منفی نہ ہونے کا بلکہ سماع نافع کے منفی ہونے کا۔'' (ص ۴۲۷)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحریر سے واضح ہے کہ آیت میں بطور اطلاق المطلق علی المقید سماع منفی سے سماع نافع کی نفی مراد ہے اور اسی عدم سماع نافع میں کفار کو موتی سے تشبیہ دینا مقصود ہے۔

استعارہ کی نفیس بحث

(اس بحث میں ہم نے مولانا سرفراز خان صاحب کی مفید کتاب ''الشہاب المبین'' سے استفادہ کیا ہے تفصیل کے لئے اس کا ملاحظہ مفید ہے)

استعارہ کے چار ارکان ہوتے ہیں، مشبہ، مشبہ بہ، وجہ الشبہ، اور ادات، حرف التشبیہ۔ اس مقام میں مشبہ کفار اور مشبہ بہ الموتی اور صم ہیں۔ نزاع اس میں ہے کہ وجہ شبہ کیا ہے؟ وجہ شبہ کے لئے ضروری ہے کہ اس میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں حقیقۃً یا خیالی طور پر شریک ہوں۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ای وجہ التشبیہ ھو المعنی الذی قصد اشتراک الطرفین فیہ تحقیقاً او تخیلاً الی قولہ وھذا قال الشیخ عبدالقاھر التشبیہ الدلالۃ علی اشتراک شیئین فی وصف ھذا من اوصاف الشیٔ فی نفسہ خاصۃ کالشجاعۃ فی الاسد والنور فی الشمس '' وجہ شبہ وہ معنی ہیں جس میں مشبہ اور مشبہ دونوں کے اشتراک کا قصد کیا گیا ہو حقیقۃً یا خیالی طور پر (پھر آگے کہا ہے) اور اسی لئے شیخ عبدالقاہر رحمۃ اللہ علیہ نے

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

فرمایا ہے کہ تشبیہ کا مطلب کسی چیز کی ذاتی اور خاص اوصاف میں سے کسی وصف کا دو چیزوں میں اشتراک پر دلالت کرنا ہے جیسا کہ شیر میں وصف شجاعت ہے اور سورج میں نور۔ (مختصر المعانی ص ۲۰۰)

اس عبارت سے بالکل واضح ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں وجہ شبہ ایک ہی ہونی چاہئے۔ اب اگر مشبہ یعنی کفار میں وجہ شبہ عدم انتفاع ہے تو یقین جانیئے کہ مشبہ بہ الموتی اور الصم میں بھی یہی معنی متعین ہے اور اگر مشبہ بہ (الموتی اور الصم ہیں حقیقۃً عدم سماع ہے تو استعارہ کے مذکورہ قاعدہ کے موافق مشبہ کفار میں بھی حقیقۃً عدم سماع ہی ہونا چاہئے۔ مگر ان کفار میں حقیقۃً عدم سماع کو تسلیم کرنا مشاہدہ اور بداہت کے خلاف ہے۔ اس لئے وجہ شبہ عدم انتفاع کو ماننا پڑے گا جو مشبہ اور مشبہ بہ دونوں میں موجود ہے۔ مشبہ بہ (الموتی اور صم) میں یہ عدم انتفاع حقیقۃً ہے۔ البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ الموتی میں یہ وجہ شبہ عدم انتفاع باوجود سماع کے ہے اور الصم میں بوجہ عدم سماع کے۔ مگر دونوں میں عدم انتفاع ہے اور مشبہ (کفار) میں ادّعاء ہے کہ وہ سن کر بھی نفع نہیں اٹھا ئیں گے۔ کئی حضرات مفسر علماء کرام نے بھی عدم انتفاع کو وجہ شبہ قرار دیا ہے۔ کئی حوالے اوپر گزر چکے ہیں۔ مگر کسی معتبر مفسر کا حوالہ نظر سے نہیں گزرا جس نے تصریح کی ہو کہ اس استعارہ میں وجہ شبہ عدم سماع ہے۔

حاصل یہ ہے کہ زندہ کفار کا سماع اور الصم کا عدم سماع مشاہدہ اور بداہت سے ثابت ہے۔ اب اگر الموتی میں بھی عدم سماع کو تسلیم کیا جائے اور عدم سماع کو وجہ تشبیہ قرار دیا جائے تو چونکہ یہ وجہ تشبیہ مشبہ کفار میں نہیں پائی جاتی، اس لئے مشبہ اور مشبہ بہ میں اشتراک نہیں رہے گا۔ حالانکہ اصول استعارہ کی رو سے دونوں کا وجہ تشبیہ میں اشتراک ضروری ہے اور عدم انتفاع میں دونوں مشترک ہیں اس لئے اس کو وجہ تشبیہ قرار دیا جانا ضروری ہے۔

امام فن امام عبدالقاہر جرجانی رحمہ اللہ نے استعارہ کا موضوع اور اس کا قاعدہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ''ان موضوعها على ذالک تثبت بها معنى لا يعرف السامع ذالک المعنى من اللفظ ولکنه يعرفه من معنى اللفظ بيان ذالک انا نعلمهم انک لا تقول رأيت اسدا الا وغرضک ان تثبت للرجل انه مساو للاسد في شجاعة وشدة بطشه واقدامه الى قوله فاعرف هذه الجمله واحسن تاملها'' (دلائل الاعجاز ص ۲۳۰ بحوالہ الشہاب المبین)

استعارہ کی وضع اس لئے ہے کہ تو اس کے ساتھ وہ معنی ثابت کرے جس معنی کو سامع لفظ سے نہ سمجھے بلکہ اس لفظ کے معنی سے سمجھے بیان اس کا یہ ہے کہ بلاشبہ ہم یہ جانتے ہیں کہ تو جب (بہادر شخص کو دیکھ کر) کہے میں نے شیر دیکھا ہے تو تیری غرض یہی ہے تو اس شخص کے لئے یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ شیر کے ساتھ اس کی شجاعت، سخت گیری اور جرأت میں مساوی ہے (آگے فرمایا ہے) تو اس قاعدہ کو اچھی طرح سمجھ لے اور اس پر خوب غور کر۔

اس قاعدہ سے واضح ہے کہ وجہ تشبیہ کو سامع لفظوں سے نہیں سمجھ سکتا بلکہ الفاظ کے معانی سے سمجھتا ہے۔ اب اگر لا تسمع الموتی میں وجہ شبہ عدم سماع کو تسلیم کرلیا جائے اور ترجمہ اس طرح کیا جائے کہ ''مردے نہیں سنتے'' جیسا کہ نفی سماع کرنے والے آج کل یہی ترجمہ کیا کرتے ہیں تو اس وجہ شبہ کو تو سامع لفظوں سے سمجھتا ہے، پھر یہ استعارہ کیسے ہوا؟ اور عدم سماع وجہ شبہ کیسے قرار پائی؟

پھر استعارہ میں قاعدہ کے لحاظ سے یہ کیسے متصور ہوسکتا ہے کہ حکم خبری (یعنی لا تسمع الموتی اور وجہ شبہ، جو بقول نفی سماع کرنے والوں کے عدم سماع ہے) ایک ہی ہو اور لا تسمع الموتی میں جس عدم سماع کی خبر دی گئی ہے، وہی عدم سماع وجہ شبہ ہی ہے۔ اس لئے حسب تصریحات ائمہ فن شیخ عبدالقاہر جرجانی رحمہ اللہ اور علامہ سعد الدین تفتازانی

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

وغیرہ اصول استعارہ کی رو سے وجہ شبہ عدم سماع قطعاً اور یقیناً نہیں بن سکتی، بلکہ عدم انتفاع ہی وجہ شبہ ہے جو مشبہ اور مشبہ دونوں میں مشترک ہے، مردوں اور الصم میں یہ عدم انتفاع حقیقۃً ہے اور کفار میں ادّعاء اور مبالغۃً کہ وہ فائدہ نہیں اٹھاتے اور سنی ان سنی کر دیتے ہیں۔

اب جو حضرات مشبہ بہ الموتیٰ اور الصم میں تو وجہ شبہ عدم سماع بتلاتے ہیں اور مشبہ کفار میں عدم انتفاع اور معنی یہ کرتے ہیں کہ مردے اور بہرے نہ سنتے ہیں اور نہ نفع اٹھاتے ہیں اور زندہ کفار سنتے ہیں مگر نفع نہیں اٹھاتے۔

ان حضرات نے اس پر غور نہیں فرمایا کہ استعارہ کے قانون کی رو سے وجہ تشبیہ مشبہ اور مشبہ بہ میں ایک ہی ہوتی ہے اور اسے الفاظ سے نہیں سمجھا جا سکتا بلکہ عقلاء اسے معانی سمجھتے ہیں۔ غلط فہمی یہ ہو رہی ہے کہ وجہ تشبیہ کو مرکب سمجھ لیا گیا ہے اس لئے مشبہ بہ میں تو عدم سماع مراد لیتے ہیں اور مشبہ کفار میں عدم انتفاع حالانکہ وجہ تشبیہ مفرد ہے اور وہ ہے عدم انتفاع یہ وجہ مشبہ بہ الصم میں حقیقۃً ہے کہ چونکہ سنا نہیں۔ اس لئے فائدہ نہیں اٹھایا اور مردوں میں بھی حقیقۃً ہے کہ ان کے انتفاع کا عالم ہی نہیں اور کفار میں جو مشبہ ہیں ادّعا ہے کہ سن کر بھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ بہرحال مشبہ اور مشبہ بہ سب میں وجہ تشبیہ ایک ہی ہے اور وہ ہے عدم انتفاع جو کہ قانون استعارہ کے مطابق معنی مشترک ہے اور مشبہ بہ میں حقیقی طور پر پایا جاتا ہے اور یہ معنی درست نہیں کہ ''مردے تو سرے سے سنتے ہی نہیں اور کفار سنتے ہیں اور نفع نہیں اٹھاتے'' اس لئے کہ عدم سماع معنی مشترک نہیں ہے اور وجہ شبہ کے لئے مشترک ہونا ضروری ہے۔ اس لئے وجہ تشبیہ میں عدم سماع قطعاً شامل نہیں ہے اور وجہ تشبیہ صرف عدم انتفاع ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ لاتسمع الموتیٰ کے مضمون کی تینوں آیات کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں:

''ان تینوں آیتوں میں یہ بات قابل نظر ہے کہ ان میں سے کسی میں یہ نہیں فرمایا کہ مردے نہیں سن سکتے بلکہ تینوں آیتوں میں نفی اس کی کی گئی ہے کہ: ''آپ نہیں سنا سکتے'' تینوں میں اس تعبیر وعنوان کو اختیار کرنے سے اس طرف واضح اشارہ نکلتا ہے کہ مردوں میں سننے کی صلاحیت ہو سکتی ہے مگر ہم باختیار ان کو نہیں سنا سکتے۔'' (معارف القرآن ج ۶ ص ۵۹۰)

سورۂ نمل کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اس لئے آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مردے کوئی کلام کسی کا سن ہی نہیں سکتے۔ اس لئے سماع موتیٰ کے مسئلہ سے درحقیقت یہ آیت مبارکہ ساکت ہے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ قابل نظر ہے کہ مردے کسی کا کلام سن سکتے ہیں یا نہیں؟ (معارف القرآن ج ۶ ص)

حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ واں بھچراں بلغۃ الحیران میں زیر آیت: ''وما انت بمسمع من فی القبور'' فرماتے ہیں: ''یعنی بسبب مہر جباریت کے مردے ہو گئے ہیں قبول کرنے ایمان کے سے، ان کو سنانا فائدہ نہیں دیتا۔'' (ص ۲۷۹)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ من فی القبور سے مراد کفار ہیں جو ایمان کے قبول کرنے سے مردے ہو گئے ہیں اور سماع منفی سے اسماع نافع کی نفی مراد ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ''انک لاتسمع الموتیٰ'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ف: اس آیت سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مردے نہیں سنا کرتے، ہر چند کہ مردوں سے یہاں کفار ہیں مگر تشبیہ جب ہی درست ہو سکے گی جب مردے نہ سنتے ہوں۔ لیکن چونکہ بعض احادیث میں مردوں کا سننا قریب جگہ (سے) نہ کہ بعید سے وارد ہے۔ اس لئے بعض علماء نے آیت میں کہا ہے کہ مراد سماع منفی سے سماع نافع

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہے اور قرینہ اس کا علاوہ رفع تعارض حدیث کے یہ بھی ہے کہ کفار سے مطلق سماع کا منفی ہونا مشاہدہ کے خلاف ہے۔ البتہ سماع نافع ضرور منفی تھا۔ پس مردوں سے بھی یہی منفی ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی مردوں کو نصیحت کرے، بیکار ہے کیونکہ وہ دارالعمل نہیں اور ثواب سے نفع ہونا یا تلاوت قرآن سے انس ہونا یہ دوسری بات ہے، مقصود مواعظ کا نافع نہ ہونا ہے اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ مردے میں مردہ حقیقی جسد ہے وہ نہیں سن سکتا مگر اس سے (سماع) روح کی نفی لازم نہیں آتی اور علماء مانعین نے حدیثوں میں کچھ مناسب تاویلیں کر کے تعارض کو رفع کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم! (تفسیر بیان القرآن ج ۸ ص ۹۸)

اس تفسیر سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں، ایک یہ کہ شروع میں جو تشبیہ کے بارہ میں فرمایا ہے کہ تشبیہ جبھی درست ہوگی جب مردے نہ سنتے ہوں، یہ ان بعض علماء مانعین کے استدلال کی تقریر ہے، جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا۔ دوسرے یہ کہ حضرت رحمہ اللہ کے نزدیک احادیث کی روشنی میں مردوں کا قریب جگہ سے سننا ثابت ہے۔ اس لئے حضرت رحمہ اللہ کے نزدیک آیت میں جن علماء نے سماع منفی سے سماع نافع مراد لیا ہے اس سے آیت اور حدیث کا تعارض رفع ہو کر دونوں میں تطبیق حاصل ہو جاتی ہے۔ تیسرے یہ کہ جن علماء نے وجہ تشبیہ عدم سماع کو قرار دیا ہے۔ حضرت رحمہ اللہ کے نزدیک چونکہ کفار سے مطلق سماع کا منفی ہونا مشاہدہ کے خلاف ہے۔ اس لئے وہ وجہ تشبیہ نہیں بن سکتا۔ البتہ کفار سے سماع نافع ضرور منفی تھا۔ اس لئے سماع نافع وجہ تشبیہ ہے جو کفار اور مردوں دونوں میں مشترک ہے۔ اس لئے مردوں سے بھی یہی سماع نافع منفی ہے۔

اور بعض نے آیت کے معنی میں جو یہ کہا ہے کہ مردے میں مردہ حقیقی جسد ہے وہ نہیں سن سکتا تو ان کے نزدیک بھی ارواح کا سننا ثابت ہے جیسا کہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے:

''حدیث میں ہے کہ مردوں سے سلام علیک کرو وہ سنتے ہیں اور بہت جگہ مردے کو خطاب کیا گیا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ مردے کی روح سنتی ہے اور قبر میں پڑا ہے دھڑ، وہ نہیں سن سکتا۔'' (تفسیر موضح القرآن)

واقعی قبر میں پڑا ہوا دھڑ بغیر تعلق روح کے نہیں سن سکتا کیونکہ سننا اصل میں کام ہے روح کا، جسم اس کے تابع ہے اور احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہو چکا کہ قبر میں ارواح کا تعلق اجساد کے ساتھ قائم رہتا ہے جس کی وجہ سے وہاں تنعیم و تعذیب کا معاملہ میت کے ساتھ ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے جمہور کے نزدیک روح اور جسم دونوں کے تعلق سے سماع ہوتا ہے روح بالذات اور جسم تابع ہو کر سنتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے کلام میں جسم کے بالذات سننے کی نفی مراد ہے کہ بغیر تعلق روح کے خالی جسم نہیں سن سکتا اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ روح کا جسم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تو پھر روح کیسے سنتی ہے جب کہ وہ علیین اور سجین میں ہوتی ہے؟ حالانکہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ روح کے سننے کی تصریح فرما رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ روح کے جسم سے تعلق کو تسلیم فرماتے ہیں ورنہ روح کے سننے کو تسلیم نہ فرماتے۔

الحاصل ''انک لاتسمع الموتی'' سے سماع مفید اور نافع کی نفی مراد ہو یا یہ مطلب ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار سے یہ خارج ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، کوئی بھی تفسیر اور مطلب لیا جائے موتی کے مطلق سماع کی نفی اس سے ثابت نہیں ہوتی۔ جب عام موتی کے مطلق سماع کی نفی اس سے نہیں ہوتی تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع عندالقبر کی نفی پر یہ آیت کیوں کر دلیل بن سکتی ہے؟

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اگر بالفرض اس سے عام موتی کے سماع کی نفی ہو بھی رہی ہو تو پھر بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا سماع اس سے خارج ہے اس مضمون کی آیات حضرات سلف صالحین کے سامنے ہی تھیں۔ مگر کسی نے اس مضمون کی آیات سے حضرات انبیاء علیہم السلام کے سماع عندالقبور کی نفی پر استدلال و احتجاج نہیں کیا بلکہ ان کا اجماع اس کے خلاف منعقد ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ استعانت کے معنی پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تیسرے یہ کہ قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دیوے اس میں علماء کا اختلاف ہے مجوز سماع موتی اس کے جواز کے مقر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں۔ سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے۔ پس یہ جواز کے واسطے کافی دلیل ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج۱ ص۹۹و۱۰۰)

معلوم ہوا کہ عام موتی کے سماع عندالقبر کا مسئلہ اختلافی ہے اور دلائل دونوں طرف ہیں کہ اب اس کا فیصلہ کرنا محال ہے اور دلائل کی روشنی میں کسی جانب کو ترجیح تو دی جا سکتی ہے مگر قطعی طور پر دوسری جانب کو بالکل باطل نہیں قرار دیا جا سکتا۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب مفتی دیوبند بھی فرماتے ہیں: ''غرض یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور قول فیصل ہونا اس میں دشوار ہے پس عوام کو سکوت اس میں مناسب ہے جب کہ علماء کو بھی اس میں تردد ہے اور دلائل فریقین موجود ہیں۔'' (فتاویٰ دارالعلوم ج۵ ص۳۶۱)

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا سماع عندالقبر اجماعی مسئلہ ہے فقہاء کرام کا اس پر اجماع ہو چکا ہے۔ ان کے سماع میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ سماع انبیاء علیہم السلام کا انکار اجماع فقہاء کا انکار ہے اور اجماعی مسئلہ کا انکار موجب گناہ ہے، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: ''یہ کرامات اولیاء اللہ سے ہوتی ہے اور حق ہے کہ کرامت خرق عادت کا نام ہے اس میں تردد کی کوئی بات نہیں اس کا انکار گناہ ہے کہ انکار کرامت کا کرنا ہے اور کرامت کا حق ہونا اجماعی مسئلہ اہلسنت کا ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ج۱ ص۲۲)

مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال

حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے باوجودیکہ عام موتی کے عدم سماع کے قائل ہیں مگر انہوں نے اپنی خودنوشت تالیفات تحریرات حدیث کے (ص۲۱۰و۲۱۱) پر دو حدیثیں پیش کی ہیں۔ جن سے صلوٰۃ وسلام عندالقبر کے سماع پر استدلال کیا گیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

پہلی حدیث

''عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما منکم من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص بھی مجھ پر سلام نہیں کہتا مگر اللہ تعالیٰ مجھ پر توجہ لوٹا دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ (تحریرات حدیث ص۲۱۰)

دوسری حدیث

''عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی عند قبری سمعتہ و من صلی نائیاً ابلغتہ۔ رواہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

البیهقی فی شعب الایمان (مشکوۃ ص ۱۵۲)" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے میری قبر کے پاس درود شریف پڑھا تو میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے درود شریف پڑھا تو وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔ (تحریرات حدیث ص ۲۱۱)

حضرت مولانا مرحوم نے یہ حدیثیں پیش کی ہیں اور ان سے باقاعدہ استدلال کیا ہے جس سے صاف طور پر عیاں ہے کہ حضرت مرحوم عند القبر سماع صلوٰۃ وسلام کے قائل ہیں۔

تحقیق حدیث

دوسری حدیث کی تحقیق تو گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے۔ البتہ پہلی حدیث: "مامنکم الخ" کے بارہ میں مختصر طریقہ پر ضروری تحقیق پیش خدمت ناظرین ہے۔ اس حدیث کے الفاظ ابوداؤد شریف میں اس طرح ہیں: "مامن احد یسلم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی حتی ارد علیه السلام" کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کہتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

(ابوداؤد ص ۲۷۹ و مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۷)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "رواته ثقات" (فتح الباری ج ۶ ص ۲۷۹) اس کے راوی ثقہ ہیں اور علامہ عزیزی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "اسناده حسن" (السراج المنیر ج ۳ ص ۲۷۹) اس کی سند حسن ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "صححه النووی فی الاذکار" (ج ۳ ص ۵۱۴) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اذکار میں اس کی تصحیح کی ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "واتفق الائمة علی انه لمسلم عند زیارته وعلی صاحبه کما فی السنن عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال مامن رجل یسلّم علیّ الا رد اللہ تعالٰی علیّ روحی حتی ارد علیه السلام وهو حدیث جید" (فتاویٰ ج ۴ ص ۳۶۱)

"حضرات ائمہ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی (قبور کی) زیارت کے وقت سلام کہنا چاہئے۔ کیونکہ سنن (ابوداؤد) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر کوئی شخص بھی سلام نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح (توجہ) لوٹا دیتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔"

علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "رواته ثقات" (عقیدۃ الاسلام ص ۵۲، فتح الملہم ج ا ص ۳۳۰) اصول حدیث کی رو سے یہ حدیث بالکل حسن اور صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

اس پر جو اعتراض کئے گئے ہیں اس کی ایک ایک شق باطل ہے۔

ابن قدامہ الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت میں "یسلم" کے جملہ کے بعد "عند قبری" کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔ (مغنی ج ۳ ص ۵۸۸) اس حدیث سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں ایسی حیات ثابت ہوتی ہے کہ روح مبارک جسد اطہر کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں۔

مولانا محمد منظور احمد نعمانی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اتنی بات سب کے نزدیک مسلمہ اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبور میں حیات حاصل ہے۔ اس لئے حدیث کا

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

یہ مطلب کسی طرح نہیں ہوسکتا کہ آپ کا جسد اطہر روح سے خالی رہتا ہے اور جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دلوانے کے لئے اس میں روح ڈال دیتا ہے۔ اس بنا پر اکثر شارحین نے رد روح کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ کی روح پاک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی وجلالی تجلیات کے مشاہدہ میں مصروف رہتی ہے اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے۔ پھر جب کوئی امتی سلام عرض کرتا ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعہ یا براہ راست آپ تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ کی روح اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ بس اس روحانی توجہ اور التفات کو رد روح سے تعبیر فرمایا گیا۔" (معارف الحدیث ج ۵ ص ۲۷۸)

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ ایک اعتراض کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں: "اگر لفظ الی روحی فرمایا گیا ہوتا تو آپ کا شبہ وارد ہوسکتا ہے الی اور علی کے فرق سے آپ نے ذہول فرمایا علی استعلاء کے لئے اور الی نہایت طرف کے لئے ہے۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسلام سے پہلے روح کا استعلاء نہ تھا نہ یہ کہ جسم اطہر سے بالکل خارج ہوگئی تھی اور اس سے جسم اطہر کی طرف لوٹایا گیا ہے۔" (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۲۲۷، ۲۲۸)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں: "اس حیات میں شبہ نہ کیا جائے، کیونکہ مراد یہ ہے کہ میری روح جو ملکوت وجبروت میں مستغرق تھی جس طرح کہ دنیا میں نزول وحی کے وقت کیفیت ہوتی تھی، اس سے افاقہ ہوکر سلام کی طرف متوجہ ہوجاتا ہوں۔ اس کو رد روح سے تعبیر فرمایا۔ کذا فی اللمعات۔"

(نشر الطیب ص ۲۱۱)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ اس حدیث پر طویل بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اس صورت میں حاصل معنی حدیث شریف کے یہ ہوں گے کہ جب کوئی رسول اللہ ﷺ پر سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح پرفتوح کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ تعالیٰ وتجلیات اللہ سے جو توجہ محبوبیت ونسبیت تامہ آپ کو حاصل رہتی ہے اپنے ہوش عطا فرمادیتا ہے یعنی مبداء انکشاف نبوی ﷺ کو جو انبساط الی اللہ سے حاصل تھا۔ مبدل بالقبض ہوجاتا ہے اور اس وجہ سے توجہ علی النفس حاصل ہوتا ہے اور اپنی ذات وصفات اور جملہ کیفیات اور واقعات متعلقہ ذات وصفات سے اطلاع حاصل ہوجاتی ہے۔ سو چونکہ سلام اتیان بھی منجملہ وقائع متعلقہ ذات خود ہیں اس لئے اس سے مطلع ہوکر بوجہ حسن اخلاق ذاتی جواب سے مشرف فرماتے ہیں۔" (آب حیات ص ۱۷۵)

ایک اشکال کا جواب

اس حدیث میں ایک اشکال تو یہی ہوتا ہے کہ رد روح سے کیا مراد ہے؟ اس کا صحیح مطلب معلوم ہوجانے کے بعد اس اشکال کا جواب بھی حاصل ہوجاتا ہے کہ بار بار روح کا واپس ہونا اور ہر سلام کرنے والے کے سلام کے موقع پر عود روح کا سلسلہ قائم ہونا سمجھ سے بالاتر اور بظاہر حیات فی القبر کے خلاف معلوم ہوتا ہے، کیونکہ عود روح کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے پہلے جسم سے روح مفارق اور جدا ہوئی ہو۔ حالانکہ یہ بات آپ کی قبر مبارک میں حیات مستمرہ کے خلاف ہے؟ اس اشکال اور پھر اس کے متعدد جوابات دیتے ہوئے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی اپنی شرح بخاری میں اس طرح کا جواب ارقام فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں: "وجہ اشکال فیہ ان ظاھرہ ان عود الروح الی الجسد یقتضی انفصالھا عنہ وھو الموت وقد اجاب العلماء عن ذالک باجوبۃ... الخامس انہ یستغرق

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

فی امور الملاء الاعلی فاذا سلم علیه رجع الیه فهم لیجیب من سلم علیه'' اس میں اشکال کی وجہ ہے کہ روح کا جسم کی طرف عود اس کو چاہتا ہے کہ پہلے روح جسم سے الگ ہو اور یہی موت ہے علماء نے اس کے کئی جوابات دیئے ہیں...... پانچواں جواب یہ ہے کہ آپ ملاء اعلیٰ کے مقامات میں مستغرق رہتے ہیں سو جب بھی کوئی شخص سلام کہتا ہے آپ کی توجہ اور فہم آپ کی طرف لوٹ آتا ہے تا کہ آپ سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دے سکیں۔

حدیث کا جو مطلب اکابر علماء دیوبند رحمہ اللہ کی عبارات میں اوپر پیش کیا گیا ہے حضرت علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسی کو ذکر فرما کر عود روح پر وارد ہونے والے اشکال کا جواب دیا ہے اور انفصال روح عن الجسد کا جو شبہ ظاہر حدیث سے ہو رہا تھا اس کو رد فرما دیا۔ پہلے حوالہ گزر چکا ہے جس میں حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ نے حضرت رسالت پناہ ﷺ کی قبر میں زندگی کو اہلسنت والجماعت کا مذہب قرار دیا ہے اور بدن اطہر سے روح مبارک کی مفارقت ماننے سے آپ کی حیات فی القبر کا باطل ہونا فرمایا ہے۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثانی رحمہ اللہ نے بھی فتح الباری کی اس مفصل عبارت کو اپنی (فتح الملہم شرح مسلم ج ۱ ص ۳۳۰) میں مکمل طور پر نقل فرمایا ہے۔

دوسرے اشکال کا جواب

دوسرا اشکال اس حدیث میں یہ کیا جاتا ہے جس کو آج کل عامیانہ بلکہ گستاخانہ انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ چونکہ آپ پر سلام اس کثرت سے پڑھا جاتا ہے جس کا شمار نہیں ہوسکتا تو آپ اس کا جواب کیسے دیتے ہوں گے؟ اور کیا اس سے آپ کو تکلیف نہ ہوتی ہوگی؟

حضرت علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس اعتراض اور جواب کو ان لفظوں میں ذکر فرمایا ہے: ''وقد یتشکل ذلک من جهة اخری وهو انه یستلزم استغراق الزمان کله فی ذالک لاتصال الصلوة والسلام فی اقطار الارض لمن لا هی کثرة اجیب بان امور للآخرة لاتدرک بالعقل واحوال البرزخ اشبه باحوال الآخرة'' اور اس حدیث میں ایک اور وجہ سے اشکال کیا گیا ہے وہ یہ کہ اس سے لازم آتا ہے کہ آپ کا سارا وقت ہی سلام کے جواب لوٹانے میں صرف ہو جائے، کیونکہ زمین کے بیشتر اطراف سے صلوٰۃ وسلام اس کثرت سے آپ کو پہنچتا ہے جو احصاء و شمار سے باہر ہے اور اس کا جواب دیا گیا ہے کہ آخرت کے معاملات عقل سے نہیں پہچانے جاسکتے اور برزخ کے معاملات احوال آخرت سے مشابہ ہیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۲)

عقلی استبعادات

درحقیقت حضرت علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے برزخ کے معاملات کو سمجھنے کے لئے نہایت ہی عجیب وغریب بنیادی اصول بتلایا ہے کہ احوال برزخ احوال آخرت کے مشابہ ہیں جس طرح احوال آخرت کو عقل محض سے نہیں پہچانا جاسکتا اسی طرح معاملات برزخ ثواب وعذاب اور سلام اور اس کا جواب بھی عقل نارسا کے ذریعہ سمجھ میں نہیں آسکتے۔ معتزلہ وغیرہ فرقوں نے ان امور کو اپنی فہم وعقل سے سمجھنا چاہا اور عقل مادی کو ان امور کے سمجھنے کے لئے معیار قرار دیا۔ پھر جب ان کی عقل میں یہ امور نہ آسکے تو انہوں نے ان کا انکار شروع کردیا۔ آج کل بھی بہت لوگوں نے

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

معتزلہ کا بھی طریقہ اختیار کیا ہوا ہے کہ اپنی عقل نارسا اور فہم ناقص کے ذریعہ معاملات برزخ کا ادراک کرنا چاہتے ہیں اور جو بات ان کی عقل وفہم سے اونچی ہوتی ہے اور اس وجہ سے وہ اس کا ادراک نہیں کر سکتے اس کو وہ جرأت اور بے باکی سے رد کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ماورائے عقل امور کے اثبات کے لئے صرف عقل کافی نہیں ہو سکتی۔ اس کے اثبات کے لئے تو عقل سے آگے وحی کے نور کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لئے وحی اور نص کے مقابلہ میں قیاس وعقل کے تقاضوں کو یکسر چھوڑ دیا جاتا ہے اور وحی اور نص کا اتباع کیا جاتا ہے۔

جب آنحضرت ﷺ کی صحیح اور صریح حدیثوں سے آپ کا قبر مبارک کے پاس سے سماع ثابت ہے اور اس کا جواب بھی تو اب ان حدیثوں کے مقابلہ میں عقلی قیاسات اور خیالی شکوک وشبہات کی کیا وقعت وحیثیت باقی رہ جاتی ہے۔ جن کو نفی سماع پر اس زمانہ میں عوامی طرز پر پیش کیا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ جب آپ دنیا میں دروازہ کے باہر کی آوازیں نہیں سنا کرتے تھے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی آواز بھی دروازہ سے نہیں سنی تھی تو وفات کے بعد مٹی کے ڈھیر کے نیچے کس طرح سنتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ!

یہ سب باتیں اور قیاسات نص حدیث کے سامنے ناقابل قبول اور مردود ہیں؟ حضرات سلف اور اکابر نے ان کا قطعاً لحاظ نہیں فرمایا اور کسی نے بھی اس طرح باطل قیاس سے سماع عند القبر کا انکار نہیں کیا۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کے قبر کے پاس سے سلام کو سننے پر فقہاء کا اجماع ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ اگر آپ کی حیات ہماری زندگی کی طرح ہوتی یا آپ کو سماع ہوتا تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسئلہ خلافت وغیرہ امور میں نزاع کا فیصلہ آپ سے کیوں نہیں کرایا؟

یہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ اوّل تو اس حیات اور سماع کا یہ مطلب کسی کے نزدیک بھی نہیں ہے کہ وہ بعینہ بالکل اسی ظاہری حیات کی طرح ہے اور بالکل اسی طرح سماعت فرما کر فیصلہ فرمائیں گے پھر وہ فیصلہ اس دنیا میں مسموع اور واجب العمل ہوگا، احادیث سے آنحضرت ﷺ کا سماع تو ثابت ہے مگر آپ کے جواب کا سماع تو احادیث سے ثابت نہیں ہے۔

دوسرے نزاعات اور اختلافات کا فیصلہ آپ اپنی تکلیفی زندگی میں فرماتے رہے اور آپ کی یہ حیات تکلیفی نہیں ہے۔ اس لئے اب آپ کی یہ ذمہ داری نہیں رہی بلکہ ان اختلافات کا رفع کرنا امت کی ذمہ داری ہے اور وہی اس کی مکلف بھی ہے اور ایسے اجتہادی امور میں اجتہاد صحیح کے ذریعہ حق کو پالینے میں اجر وثواب کا استحقاق بھی ہوتا ہے۔ اگر ہر بات کا فیصلہ نص سے ہی کرایا جاتا تو امت اجتہاد اور حق کی طلب میں امکانی سعی کے اجر وثواب سے محروم ہی رہتی۔

مگر یہ اجتہاد مقررہ قواعد وضوابط کی حدود میں رہ کر نصوص کے دلالات واشارات کی روشنی میں ہوتا ہے تمام مسلمہ قواعد وضوابط کی حدود کو توڑ کر اور ان سے آزاد ہو کر نہیں ہوتا جیسا کہ اس زمانہ میں احادیث سماع کے مقابلہ میں اس طرح کے باطل قیاسات کا انکار کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ نص کے سامنے قیاس بالکل باطل اور مردود ہوتا ہے۔

غیر متعلق آیات سے استدلال کا مدلل جواب

بعض لوگوں نے ایسی آیات سے بھی عدم سماع موتی پر استدلال کیا ہے جن میں غیر اللہ کو سفارشی بنانا اور ان کی عبادت کرنا اور ان کو پکارنا پھر ان کا اس عبادت اور پکار سے غافل اور بے خبر رہنا ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً یہ آیت کریمہ: ''ویعبدون من دون اللہ مالا یضرھم ولا ینفعھم ویقولون ھولاء شفعائنا عنداللہ'' اور وہ عبادت کرتے

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہیں اللہ تعالیٰ کے ورے اس چیز کی جو نہ نقصان پہنچا سکے ان کو اور نہ نفع اور کہتے ہیں یہ تو ہمارے سفارشی ہیں اللہ تعالیٰ کے پاس۔ (یونس)

اس آیت کریمہ سے ان لوگوں کے نزدیک عندالقبر استشفاع اور علی الخصوص آنحضرت ﷺ کے روضہ اطہر پر حاضر ہو کر مغفرت کی سفارش طلب کرنا ممنوع ثابت ہو رہا ہے۔ اگر آیت مبارکہ میں من دون اللہ سے اصنام واوثان کے علاوہ فرشتے اور حضرت مسیح علیہ السلام وغیرہ حضرات بھی مراد ہوں جیسا کہ (روح المعانی ج۱۱ ص ۸۸) میں اس کی تصریح ہے تو بھی اس آیت کریمہ سے استشفاع کا ممنوع ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ آیت میں ایسی سفارش مراد ہے جو غائبانہ حاجات میں ہو۔

عندالقبر استشفاع ممنوع نہیں

قبر کے پاس سے سفارش کی درخواست والتجاء کرنا یہ سفارش ممنوع میں داخل نہیں ہے۔ ورنہ تو زندہ بزرگ سے بھی دعا کی التجاء کرنا ممنوع ہوگا۔ حالانکہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے اور امت مسلمہ کا تعامل بھی اس پر رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس لوگ دعا کی درخواست لے کر آتے تھے اور آپ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۸۸۴) میں روایت ہے کہ: ''آنحضرت ﷺ کے پاس ام زفر الاسدیہ آئیں آپ سے مرگی کے دورہ کا شکوہ کیا اور عرض کیا فادع اللہ حضرت آپ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو چاہے تو بس بیماری پر صبر کر اور اللہ تعالیٰ تجھے صبر پر جنت مرحمت فرمائے گا اور اگر تو چاہے تو میں تیرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ وہ تجھے عافیت بخشے، وہ بی بی کہنے لگیں تو میں صبر کرتی ہوں۔''

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

اسی طرح قبر کے پاس سے میت کو دعا کے لئے سفارشی بنانا بھی جائز ہے جیسا کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ توسل واستمداد کے بیان میں لکھتے ہیں: ''یا ندا کند آں بندہ مقرب ومکرم را کہ اے بندہ خدا و ولی وے لے شفاعت کن مراد بخواہ از خدا تعالیٰ مطلوب مرا تا قضا کند حاجت مرا پس نیست بندہ درمیاں مگر وسیلہ وقادر ومعطی ومسئول پروردگار است تعالیٰ شانہٗ ودر روے ہیچ شائبہ شرک نیست چنانچہ منکر وہم کردہ آں چناں است کہ توسل وطلب دعا از صالحان ودوستاں خدا ودر حالت حیات کند وآں جائز است بالاتفاق پاس آں چرا جائز نباشد۔ یا یوں صدا بلند کرتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ کے مقرب اور برگزیدہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے ولی میرے حق میں سفارش کر اور اللہ تعالیٰ سے میرے مطلوب کے پورا کرنے کی التجاء کرتا کہ وہ میری حاجت کو پورا کردے۔ سو اس صورت میں بندہ درمیان میں صرف وسیلہ ہے قادر دینے والا اور جس سے سوال کیا گیا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے اور اس صورت میں شرک کا شائبہ تک بھی نہیں پایا جاتا جس طرح منکر کا وہم ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے مقرب اور نیک بندوں سے ان کی زندگی میں کوئی توسل کرے اور دعا کی درخواست کرے اور یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔'' (فتاویٰ عزیزی ج ۲ ص ۱۰۸)

نیز حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے وہ سوال وجواب مختصراً ملاحظہ کیا جائے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

سوال: انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام وشہداء عظام وصلحاء عالی مقام بعد موت شان استمداد بایں طور کہ یافلاں ازحق تبارک وتعالیٰ حاجت مرا بخواہ وشفیع من شود دعا برائے من بخواہ درست است یا نے؟

جواب: استمداد از اصوات خواہ نزد قبور باشد یا غائبانہ بے شبہ بدعت ست در زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ نبود لیکن اختلاف است دراں کہ بدعت سیئہ است یا حسنہ نیز حکم مختلف می شود باختلاف طریق استمداد اگر استمداد بایں طریق است کہ درسوال مذکور است پس ظاہراً جواز است زیرا کہ دریں صورت شرک نمی آید وآ نکہ استمداد از صلحاء بدعا والتجا در حالت حیات الخ۔ (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۸۸)

استمداد کا جو طریقہ دعا کی درخواست کرنا سوال میں مذکور ہے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اس طریقہ سے میت سے دعا کرانے کو بھی زندہ بزرگ کی طرح جائز قرار دیتے ہیں۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''قبور سے اس طور دعا کرنا کہ اے صاحب قبر اس طرح میرا کام کردے تو یہ حرام اور شرک بالاتفاق ہے اور یہ بات کہ تم میرے واسطے دعا کرو تو اس بات میں اختلاف ہے، منکرین سماع موتی اس کو لغو ناجائز کہتے ہیں اور مجوزین سماع جائز جانتے ہیں۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۲۳)

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات سے واضح ہے کہ قبر کے پاس دعا کی درخواست کرنی اور دعا کے لئے زندگی میں یا وفات کے بعد کسی کو سفارشی بنانا جائز ہے اور شفعائنا عنداللہ کے زمرہ میں داخل نہیں ہے۔ البتہ غائبانہ طور پر کسی کو سفارشی بنانا اسی زمرہ میں داخل ہے۔ کیونکہ اس سے علم غیب وغیرہ شرکیہ عقیدے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر یہ طلب دعاء اس آیت کا مصداق ہوتا اور شفاعت شرکیہ کے زمرہ میں داخل ہوتا تو حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ عندالقبر شفاعت اور توسل کی کسی طرح اجازت نہ دیتے، حالانکہ تمام فقہاء کرام اور ائمہ عظام نورالایضاح سے لے کر فتاویٰ عالمگیری تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر طلب شفاعت اور دعا مغفرت کے جواز کے مقر ہیں۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ نزدیک سے طلب سفارش اور دعا کرانا اس آیت کے مفہوم میں ہرگز شامل نہیں ہے اور نہ وہ شفاعت شرکیہ ہے۔ اگر اس استشفاع میں کسی بھی آیت سے تعارض ہوتا تو حضرات فقہاء کرام اس کی ہرگز اجازت نہ دیتے۔

ایک واقعہ سے استدلال کا جواب

حضرات فقہاء کرام کے اس متفقہ فتویٰ کی بنیاد اس واقعہ پر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑا ایک گاؤں کے رہنے والے جلیل القدر صحابی حضرت بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہوئے اور آپ سے درخواست کی کہ حضرت آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ بارش برسائیں۔'' (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۱۳۲۱، البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۷)

ان کتابوں کے علاوہ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب (تحریرات حدیث میں ص ۲۵۵) پر اس کو نقل کیا ہے۔ (فتح الباری شرح بخاری ج ۳ ص ۱۴۸) میں اس واقعہ کی سند کو صحیح فرمایا ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل آگے بھی آرہی ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(شاید یہ وہی بزرگ صحابی ہوں جنہوں نے خطبہ کے وقت آنحضرت ﷺ سے دعاء باراں کی درخواست کی تھی) بہرحال اس واقعہ سے اس کی وضاحت ہوتی ہے کہ ان صحابی نے زندگی اور وفات میں فرق نہیں کیا بلکہ زندگی کی طرح ہی وفات کے بعد بھی دعا کی درخواست پیش کرنے کو جائز سمجھا۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نیز دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی تصویب فرمائی اوراس کو بلانکیر جائز رکھا تو ثابت ہوا کہ یہ واقعہ کسی نص اور شرعی قاعدہ کے خلاف نہیں ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس کو قرآن کریم کی کسی نص کے خلاف سمجھتا ہے تو وہ یقیناً غلطی پر ہے۔ کیونکہ جس طرح کی قرآن کریم کی سمجھ ان حضرات کو تھی وہ بعد میں آنے والوں کو ہرگز حاصل نہیں ہے۔

ایک دوسری آیت سے استدلال کا جواب

اس آیت کریمہ سے بھی عدم سماع موتی پر استدلال کیا جاتا ہے۔

"ومن اضل ممن يدعوا من دون الله لا يستجيب له الى يوم القيامة وهم عن دعائهم غافلون" اور اس سے بہکا کون ہے؟ جو پکارے اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ پہنچے اس کی پکار کو دن قیامت تک اور ان کو خبر نہیں ان کے پکارنے کی۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ "وهم دعائهم غافلون" کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "لانها اما جمادات واما عباد مسخرون مشتغلون باحوالهم" اس لئے کہ وہ یا تو جمادات (بت) ہیں اور یا تابع فرمان بندے ہیں جو اپنے احوال میں معروف ومشغول ہیں۔　　(تفسیر بیضاوی ص ۴۴۳)

اس سے واضح ہوا کہ جن کو پکارا جاتا ہے یا تو وہ جماد ہیں ان میں سننے کی صلاحیت ہی نہیں یا وہ اگر فرمانبردار بندے ہیں تو ان کی غفلت اور عدم سماع اس لئے نہیں کہ وہ سنتے نہیں اور ان میں سننے کی اہلیت نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے اس لئے پکارنے والوں کی پکار سے غافل اور بے خبر ہیں کہ وہ اپنے احوال میں مشغول ہیں اور پکارنے والوں کی پکار کی طرف ان کی توجہ اور التفات بھی نہیں تو ان کا نہ سننا بوجہ عدم توجہ اور بے التفاتی کی وجہ سے ہے۔

اور حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ بھی اسی طرح فرماتے ہیں: "لانها اما جمادات لا يسمع ولا يعقل واما عباد مسخرون مشتغلون باحوالهم كعيسى عزير والملائكة" یا تو وہ جمادات ہیں اس لئے نہ تو وہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں اور یا وہ فرمانبردار بندے ہیں جو اپنے حالات میں مشغول ہیں جیسے حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر علیہم السلام اور فرشتے۔　　(ج ۸ ص ۳۹۴)

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "جمادات تو بوجہ عدم قوت سامعہ کے اور ذوات الارواح میں بایں معنی کہ جیسی چیز کے کفار معتقد تھے کہ سماع لازم ودائم اور مفید ہے وہ منفی ہے۔"　(بیان القرآن ج ۱۱ ص ۳)

علامہ آلوسی بغدادی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: "لا يسمعون ولا يدرون اما ان كان المدعو جماداً فظاهر واما ان كان من ذوى العقول فان كان من المقبولين المقربين عند الله تعالى فلاشتغاله عن ذالك بما هو خيره من الخير او كونه في محل ليس من شانه الذى فيه ان يسمع دعاء الداعى للبعد كعيسى عليه السلام اليوم او لان الله تعالى يصون سمعه عن سماع ذالك لانه لكونه مما لا يرضى الله تعالى يولمه لو سمعه وان كان من اعداء الله تعالى كشياطين الجن والانس الذين عبروا من دون الله فان كان ميتاً فلا شتغاله بما هو فيه من

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

الشر وقيل لان الميت ليس من شانه السماع ولا يتحقق منه سماع الا معجزة لسماع اهل القليب في هذا الكلام تقدم بعضه وان كان حياً فان كان بعيداً مثلاً فالامر ظاهر وان كان قريباً يصلم الحاشه فقيل الكلام بالنسبة البعد بعد تاويل لغفلة بعدم السماع على التغليب لندرة هذا الصنف'' (تفسیر روح المعانی ج ۲۶ ص ۷)

نہ وہ سنتے ہیں نہ وہ جانتے ہیں، اس کہ اگر وہ جماد ہیں تو ظاہر ہے اور اگر ذوی العقول ہیں تو اگر وہ اللہ تعالیٰ کے مقبول اور مقرب ہیں تو وہ آرام وراحت میں معروف ہونے کی وجہ سے اس کارروائی سے بے خبر ہیں اور یا وہ ایسی جگہ ہیں جس میں ہونے کی وجہ سے اس میں رہنے والے کی شان یہ ہے کہ پکارنے والے کی پکار کو دوری کی وجہ سے وہ نہیں سنتے جیسے آج کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور یا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس کے کانوں کو اس سے محفوظ رکھتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں کرتا ہے کہ اس ناپسندیدہ بات سے ان کو دکھ پہنچائے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں میں سے ہیں مثلاً شیاطین الانس والجن جن کو من دون اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے تو اگر وہ مردہ ہیں تو وہ اپنی تکلیف میں مبتلا ہیں (لہٰذا غافل ہیں) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اس لئے غافل ہیں کہ میت کی شان ہی سے سماع نہیں اور اس سے سماع متحقق نہیں ہوسکتا۔ مگر معجزہ کے طور پر جیسا کہ قلیب بدر والوں کا سماع اور اس میں کلام ہے ان کا بعض حصہ پہلے گزر چکا اور اگر وہ زندہ ہیں اگر وہ مثلاً دور ہیں تو معاملہ بالکل واضح ہے اور اگر وہ قریب ہوں تو کہا گیا ہے کہ ان کی نسبت یہ کلام بعد اس کے کہ غفلت سے مراد عدم سماع ہو تغلیب پر ہے کیونکہ یہ قسم بالکل نادر ہے۔''

اگر مدعو قریب ہو اور اس کے حواس بھی صحیح وسالم ہوں اور غافلون کے معنی بھی عدم سماع لئے جائیں تو چونکہ بقیہ اقسام کے مقابلہ میں یہ قسم کم اور نادر ہے تو بقیہ اقسام (جماد، مقبول الٰہی ہو کر خوشی میں مشغول اور دور رہنے والے اور برے ہو کر اپنی تکلیف میں مبتلا ہونے والے وغیرہ) کے لحاظ سے تغلیباً یہ ارشاد ہوا ہے کہ سب غافل اور بے خبر ہیں، حالانکہ ان قریب والوں کو خبر ہوتی ہے مگر تغلیباً ان سے بھی نفی کر دی گئی۔

اسی طرح ''من لا یستجیب له'' میں بھی تغلیب ہے ذوالعقول کی غیر ذوی العقول پر کیونکہ من لا یستجیب میں ذوی العقول کے ساتھ غیر ذوی العقول جماد بھی شریک ہیں اس کے باوجود من کا استعمال تغلیباً کیا گیا ہے جو ذوی العقول کے لئے آتا ہے۔

آدمی قریب ہو اور اپنی کسی معروفیت اور فکر میں منہمک ہو تب بھی بات نہیں سنتا، قریب سے بھی بات سننے کے لئے توجہ اور التفات کی ضرورت ہوتی ہے۔

دعا اور پکار کی تفصیل

دعا اور پکارنا وغیرہ الفاظ تفصیل طلب ہیں، اگر ان الفاظ سے کہنے والے کی یہ مراد ہو کہ صاحب قبر یا زندہ شخص ہماری حاجت اور مراد کو پوری کرتا ہے تو یہ دعا اور پکار ممنوع اور شرک ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص زندہ بزرگ یا وفات یافتہ سے اولاد صحت یا ایسی چیز طلب کرے جو عالم اسباب میں اس کے اختیار میں نہیں ہے تو یہ شرک ہے۔ غرضیکہ جو چیز شرک ہے وہ زندگی میں بھی شرک ہے اور وفات کے بعد بھی شرک ہے اور شرک اسی صورت میں ہے جب کہ اس زندہ یا وفات یافتہ سے اپنی حاجت برآری اور اپنی مراد کو طلب کرے جیسا کہ حضرت مولانا رشید احمد

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

صاحب گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے ''قبور سے اس طور دعا کرنا کہ اے صاحب قبر میرا کام کردے میرا کام کرے تو یہ حرام اور شرک بالاتفاق ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ج ا ص ۲۳)

اور فرمایا: ''دوسرے یہ کہ صاحب قبر سے کہے تم میرا یہ کام کردو یہ شرک ہے خواہ قبر کے پاس سے کہے یا خواہ قبر سے دور کہے۔'' (فتاویٰ رشدیہ ج ا ص ۹۹)

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''دعا ازاں خواستن حرام است۔'' دعا ان سے کرانی حرام ہے۔ (مالا بد منہ ص ۸۱)

اور حضرت مولانا حسین علی صاحب مرحوم علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ: ''وہ لوگ جو انبیاء اور صالحین کو بعد موت نزدیک سے پکارتے ہیں وہ مشرک ہیں۔'' (تفسیر بے نظیر ص ۴۸)

اس دعا سے بھی یہی مشرکانہ دعا مراد ہے جس کا حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے فتاویٰ کے حوالہ سے اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ ان حضرات سے اپنی مراد اور حاجت برآری کے لئے عرض کیا جائے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ بھی اس طرح کی پکار اور دعا کو صریح ضلالت فرماتے ہیں لکھتے ہیں: ''البتہ عوام کا سا اعتقاد اثبات کہ اس کو حاضر وناظر متصرف مستقل فی الامور سمجھتے ہیں صریح ضلالت ہے۔'' (التکشف ص ۴۲۷)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ توسل کے مسئلہ میں کلام فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''توسل بالمخلوق کی تین تفسیریں ہیں ایک یہ کہ مخلوق سے دعا کرنا اور اس سے التجاء کرنا جیسا مشرکین کا طریقہ ہے اور یہ بالاجماع حرام ہے۔'' (بوادر النوادر ص)

حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں: ''مگر چونکہ محتاج اور مستغنی محتاج الیہ کا پکارنا جدا جدا ہوتا ہے اور عوام اپنے خیال خام میں اولیاء کو قادر اور متصرف بمعنی غنی اور محتاج الیہ سمجھتے ہیں۔ الخ'' (جمال قاسمی ص ۱۰)

بہر حال اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی بھی شخص کے بارہ میں یہ عقیدہ رکھ کر اس کو پکارنا کہ دور دراز سے بھی وہ ہماری پکار سنتا اور ہماری حاجت روائی کرتا ہے ممنوع اور شرک ہے۔

اور یہی وہ دعا ہے جو مشرکین کا طریقہ تھا اس دعا کی قرآن کریم کی آیات میں ممانعت آئی ہے اور ان کی اسی دعاء خاص سے غفلت اور بے خبری کا بیان ''وھم عن دعائھم غافلون'' میں فرمایا گیا ہے۔

اسی طرح آیت: ''ویوم نحشرھم جمیعاً'' میں ''ان کنا عن عبادتکم لغافلین'' کا مطلب بھی یہی ہوگا کہ ان کی اس خاص عبادت سے غفلت اور بے خبری تھی اور ظاہر ہے کہ سجدہ کرنے، طواف کرنے، نذر و نیاز دینے یا دور دراز سے غائبانہ پکارنے کی ان کو کیا خبر ہوتی؟

اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے کہ وہ مدعو کیوں غافل اور بے خبر ہوتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ ''ان کنا عن عبادتکم لغافلین'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں اور ان کا غافل ہونا ان کی عبادت سے ظاہر ہے اس واسطے کہ بتوں کو ایسا شعور ظاہر ہے کہ یہاں نہیں ہے اور اگر معبودین مثل ملائکہ وغیرہم کو بھی عام لیا جائے تو بھی غافل ہونا صحیح ہے۔ کیونکہ علم ملائکہ وغیرہم کا محیط نہیں ہے اور سب اپنے اپنے کام میں لگے ہیں۔'' (بیان القرآن ج ۳ ص ۱۱)

ان آیات کا مفہوم تفاسیر مذکورہ کی روشنی میں یہ ہوا کہ جیسی پکار اور جس طرح کی خبر کے کفار معتقد تھے وہ منفی

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہے۔اسی طرح آیت ذیل کا مطلب ہوگا:''ان تدعوھم لا یسمعوا دعاء کم ولو سمعوا ما استجابوا لکم الایۃ'' اگر تم ان کو پکارو تو وہ سنیں نہیں تمہاری پکار اور اگر سن بھی لیں تو تمہارے کام پر نہ پہنچ سکیں (اور نہ تمہارا کام کر سکیں)

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:''ان تدعوھم تقضا حاجاتکم لا یسمعوا دعاء کم لانھا جمادات ولو سمعوا علی سبیل الفرض او علی تقدیر کون بعضھم ذا شعور کابلیس ماستجابوا لکم لعدم قدرتھم علی الانفاع او لبترتھم وعما تدعون لھم من الالوھیۃ کعیسی وعزیر والملائکۃ''اگر تم ان کو پکارو اپنی حاجت برآری کے لئے تو نہ سنیں وہ تمہاری پکار کیونکہ وہ جمادات ہیں اور اگر وہ تمہاری پکار سن لیں یعنی فرضی طور پر یا اس صورت میں کہ ان میں سے بعض ابلیس کی طرح شعور والے ہیں نہ پہنچ سکیں تمہارے کام پر کیونکہ ان کو نفع پہنچانے کی قدرت نہیں اور یا اس لئے کہ وہ تم سے اور تمہاری اس کارروائی سے کہ تم ان کے لئے الوہیت کا دعویٰ کرتے ہو بیزار ہیں جیسے حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر اور فرشتے علیہم السلام۔(تفسیر مظہری ج ۸ ص ۵۰)

اس تفسیر سے ثابت اور واضح ہے کہ دعاء اور پکار کے سننے کی نفی اس آیت کریمہ میں''لا یسمعوا'' سے کی گئی ہے۔اس سے مراد وہ دعا اور پکار ہے جو اپنی حاجت برآری کے لئے ہو، اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ بالفرض اگر وہ اس کو سن بھی لیں تو بھی تمہارے کام کو انجام نہ دے سکیں گے۔یعنی نفع پہنچانے پر قدرت نہ ہونے یا تمہارے دعویٰ الوہیت سے بیزار ہونے کی وجہ سے تمہاری مراد کو پورا نہیں کریں گے۔

اگر تسلیم کر لیا جائے کہ''العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص المورد'' کے قاعدہ سے آیت میں تدعو کا مخاطب عام ہے اور بوجہ آیت کے مکی ہونے کے مشرکین مکہ ہی میں مخاطب کو منحصر نہ کیا جائے اور مدعو میں بھی بت اور غیر بت سب کا عموم مراد لیا جائے تو بھی دعا سے مراد خاص دعا ہوگی اور مطلب یہ ہوگا کہ جو چیز تم ان سے طلب کرتے ہو اور اپنی جس حاجت برآری کے لئے ان کو پکارتے ہو تمہاری اس خاص دعاء اور پکار کو نہیں سن سکتے اور تمہاری حاجت کو پوری نہیں کر سکتے شاید اس لئے دعا کی مطلقاً نفی نہیں فرمائی اور مثلاً یوں نہیں فرمایا''لا یسمعوا الدعاء'' بلکہ دعاء کو کم ضمیر مخاطب کے ساتھ مقید فرما کر دعاء مقید کی نفی فرمائی گئی ہے اور قاعدہ ہے کہ نفی خاص نفی عام کو مستلزم نہیں ہوتی۔اس لئے اس سماع خاص اور مقید کی نفی سے سماع عام اور مطلق کی نفی لازم نہیں آتی۔

مرشدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اپنی بے نظیر تالیف''احکام القرآن'' میں ارشاد فرماتے ہیں:

''یستدل به علی عدم سماع الموتی علی احتمال ان یکون الخطاب مع عبدة الملائکة وعیسی وعزیر علیہم السلام فانه تعالیٰ یقول (لا یسمعوا دعائکم) والحق ان الآیة لا تنفی مطلق سماع الموتی بل اسماع الخاص من المراد مخصوصة وھو سماع دعاء المشرکین من الذین عبدوھم وانت تعلم ان نفی الخاص لا یستلزم نفی العام فبقیت مسئلة نفس سماع الموتی محتملة لوجھین''

اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اپنی تفسیر معارف القرآن میں اسی آیت''ان تدعوھم لا یسمعوا دعائکم الایۃ'' کے تحت لکھتے ہیں:''یعنی یہ بت یا بعض انبیاء یا فرشتے جن کو تم خدا سمجھ کر پرستش کرتے ہو، اگر مصیبت کے وقت پکارو گے تو اوّلاً یہ تمہاری بات سن ہی نہ سکیں گے۔کیونکہ بتوں میں تو سننے کی صلاحیت ہے ہی نہیں انبیاء اور فرشتوں میں اگرچہ صلاحیت ہے، مگر وہ نہ ہر جگہ موجود ہیں نہ ہر ایک کے کلام کو سنتے ہیں۔''

آگے فرمایا:''اگر بالفرض وہ سن بھی لیں جیسے فرشتے اور انبیاء تو پھر بھی وہ تمہاری درخواست پوری نہ کریں

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

گے۔ کیونکہ ان کو خود قدرت نہیں اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اس سے کسی کی سفارش نہیں کر سکتے۔'' (ج ۶ ص ۳۲۹)

معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ میں مصیبت کے وقت کی ایسی پکار کے سماع کی نفی کی گئی ہے جو غیر اللہ کے ہر جگہ موجود ہونے کے عقیدہ پر مبنی ہو اور وہ اپنی مصیبت کے دفع کرانے کی غرض سے ہو۔ یہی غائبانہ پکار مشرکوں کا طریقہ تھا، اسی دعا کو ''والذین تدعون من دون اللہ مایملکون من قطمیر ...'' وغیرہ آیات میں منع فرمایا گیا ہے۔

اور ''ان تدعوھم لا یسمعوا دعاء کم'' کو اسی دعا کے سننے کی نفی فرمائی گئی ہے، ایسی آیات میں نہ تو مطلقاً دعا اور پکار کو منع فرمایا گیا ہے اور نہ ہی مطلقاً دعا کے سننے کی نفی فرمائی گئی ہے۔

خلاصہ بحث

قبر کے پاس سے عام موتی کے سننے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے ہی اختلاف چلا آ رہا ہے۔ البتہ سماع انبیاء علیہم السلام میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس پر سب کا اجماع ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور کے پاس سے سنتے ہیں جیسا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''مسئلہ سماع موتی کا قرن اوّل میں مختلف ہوا ہے، اب اس کا فیصلہ تو ممکن ہی نہیں مگر بتقلید اپنے مجتہد مقلد ترجیح کی جانب اگر کوئی میلان کرے تو مضائقہ نہیں۔''

بحث کے آخر میں فرماتے ہیں: ''الحاصل راجح مذہب عدم سماع کا ہے، حسب قواعد پس احادیث سماع میں تاویل مناسب ہے۔ ورنہ دوسری جانب بھی مذہب قوی ہے۔'' (لطائف رشیدیہ ص ۹۷۸)

السلام علیکم یا اھل القبور کی تفسیر میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس حدیث کے ظاہر سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے جو سماع موتی کے قائل ہیں، ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ علاوہ ازیں ان کا استدلال اور روایات سے بھی ہے۔'' (الکوکب الدری ج ۱ ص ۳۱۹)

اور جو حضرات سماع موتی کا انکار کرتے ہیں ان میں حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں: ''سماع موتی کا مسئلہ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت سے مختلف فیہ ہے۔ سلام کرنے کو کوئی منع نہیں کرتا بہر حال یہ مسئلہ مختلفہ ہے۔ اس میں بحث مناسب نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم!'' رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(فتاویٰ رشیدیہ ص ۹۹، ۱۰۰)

اور استعانت کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''تیسرے یہ کہ قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دیوے، اس میں اختلاف علماء کا ہے، مجوز سماع موتی اس کے جواز کے مقر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں، سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کہا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے، پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ص ۹۹، ۱۰۰)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اس سوال کے جواب میں کہ جب سماع موتی کے حضرت امام صاحب قائل ہیں پھر فقہاء حنفیہ تلقین میت کو کیوں تحریر فرماتے ہیں؟ فرماتے ہیں: ''مسئلہ سماع میں حنفیہ باہم مختلف ہیں اور روایات سے ہر دو مذہب کی تائید ہوتی ہے۔ پس تلقین اسی مذہب پر مبنی ہے کیونکہ اوّل زمانہ قریب دفن کے بہت روایات اثبات سماع کرتی ہیں اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے اس باب میں کچھ منصوص نہیں اور روایات جو کچھ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے آئی ہیں۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ص)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

دارالعلوم دیوبند کے مفتی حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب رحمہ اللہ کئی سوالوں کے جواب میں جن میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ موصوف نے کسی شخص کی قبر پر اہل قبر سے کچھ عرض معروض کرتے دیکھا اور فرمایا کہ تو ایسے سے التجاء کرتا ہے جو سن بھی نہیں سکتا۔ فرماتے ہیں: ''سماع موتی میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے ہے، بہت سے ائمہ سماع موتی کے قائل ہیں اور حنفیہ کی کتب میں بعض مسائل ایسے موجود ہیں جن سے عدم سماع موتی معلوم ہوتا ہے۔ مگر امام صاحب سے کوئی تصریح اس بارہ میں نقل نہیں کرتے اور استدلال عدم سماع کا آیت: ''انک لا تسمع الموتی'' وغیرہ سے کرتے ہیں اور مجوزین کا استدلال حدیث: ''ماانت بمسمع منهم الخ'' اور حدیث سماع قرع نعال سے ہے اور آیت مذکورکا'' جواب دیتے ہیں کہ نفی سماع قبول کی ہے۔ غرض یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور قول فیصل ہونا اس میں دشوار ہے۔ پس عوام کو سکوت اس میں مناسب ہے۔ جب کہ علماء کو بھی اس میں تردد ہے اور دلائل فریقین موجود ہیں اور جب کہ سماع موتی میں اختلاف ہوا تو اس میں بھی ہوا کہ بزرگان دین کے مزارات پر اس طرح دعا کرنا کہ تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ میری فلاں حاجت پوری فرمادے یہ بھی مختلف فیہ ہوگا۔ البتہ احوط یہ ہے کہ اس طرح دعا کرے کہ یا اللہ اپنے اس نیک بندے کی برکت سے میری دعا قبول فرما اور میری حاجت پوری فرما۔'' (فتاویٰ دارالعلوم ج ۵ ص ۳۶۱)

حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''باب قول المیت وھو علی الجنازۃ قدمونی واعلم ان مسئلة کلام المیت وسماع واحدۃ وانکرھا حنفیة العصر وفی رسالة غیر مطبوعة لعلی القاری رحمہ اللہ ان احداً من ائمتنا لم یذھب الی انکارھا وانما استبطوھا من مسئلة فی باب الایمان وھی حلف رجل ان لا یکلم فلاناً فکلمه بعد ما دفن لا یحنث قال القاری ولا دلیل فیھما علی ما قالوا فان مبنی الایمان علی العرف وھم لا یسمعونه کلاما'' باب اس میں کہ مردہ چارپائی پر ہوتا ہوا کہتا ہے مجھے آگے لے چلو جاننا چاہئے کہ میت کے کلام کرنے اور اس کے سماع کا مسئلہ ایک ہی ہے اور اس وقت حنفیوں نے اس کا انکار کیا ہے اور حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ کے ایک غیر مطبوعہ رسالہ میں ہے کہ ہمارے ائمہ احناف رحمہ اللہ میں سے کوئی بھی انکار سماع کے مسئلہ کی طرف نہیں گیا۔ تحقیقی بات یہ ہے کہ فقہاء نے باب الایمان کے ایک مسئلہ سے عدم سماع موتی کا استنباط کیا ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے قسم اٹھائی کہ فلاں سے کلام نہیں کرے گا پھر اس نے اس سے اس کے دفن ہونے کے بعد کلام کیا تو حانث نہ ہوگا۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ سے عدم سماع موتی ثابت نہیں ہوتا جب کہ ان حضرات نے کہا ہے چونکہ قسموں کا دارومدار عرف پر ہے اور اہل عرف اس کو کلام نہیں کہتے۔ الخ

پھر آگے فرماتے ہیں: ''فالانکار فی غیر محله سیما اذا لم ینقل عن احد من ائمتنا رحمہ اللہ فلابد بالالتزام السماع فی الجملة'' پس سماع موتی کا انکار بے موقع ہے خاص طور پر جب کہ ہمارے ائمہ احناف رحمہ اللہ میں سے کسی سے یہ منقول نہیں تو ضروری ہے کہ فی الجملہ سماع کا التزام کیا جائے۔'' (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۸)

ان حضرات کی عبارات بالا سے واضح ہو رہا ہے کہ سماع موتی (غیر انبیاء علیہم السلام) کا مسئلہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اب تک اختلافی چلا آرہا ہے۔ اب اس کو اجماعی قرار دینا ہرگز درست نہیں، حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمہ اللہ، مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کے ارشادات کے موافق ہمارے ائمہ احناف سے اس بارہ میں کچھ منقول نہیں ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے جو

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

روایت منقول وہ شاذ ہے اس لئے فتاویٰ غریب کے جس حوالہ کو منکرین سماع موتی حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کی طرف نسبت کرتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب اس بحث سماع موتی کو حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی ایک عبارت پر ختم کردیا جائے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سورۂ نمل میں ''انک لاتسمع الموتی'' کی تفسیر میں یہ لکھنے کے بعد کہ اس سماع سے سماع نافع مراد ہے یعنی نفی سماع نافع کی ہے۔تحریر فرماتے ہیں:''اس لئے اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مردے کوئی کلام کسی کا سن نہیں سکتے۔اس لئے سماع موتی کے مسئلہ سے درحقیقت یہ آیت ساکت ہے، یہ مسئلہ اپنی جگہ قابل نظر ہے کہ مردے کسی کا کلام سن سکتے ہیں یا نہیں۔''

یہ مسئلہ کہ مردے کوئی کلام سن سکتے ہیں یا نہیں، ان مسائل میں سے ہے جن میں خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا باہم اختلاف رہا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سماع موتی کو ثابت قرار دیتے ہیں اور حضرت ام المؤمنین صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی نفی کرتی ہیں۔اس لئے دوسرے صحابہ وتابعین میں بھی دو گروہ ہوگئے، بعض اثبات کے قائل ہیں بعض نفی کے الخ۔ (تفسیر معارف القرآن ج ٦ ص ٥٩٠)

استشفاع عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہوکر شفاعت کی درخواست کرنا اور یہ کہنا کہ حضرت آپ میری مغفرت کی شفاعت فرمائیں، جائز اور درست ہے اس کا ثبوت خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک گونہ اجماع سے ہوتا ہے۔

''وقد یکون التوسل بہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد الوفاۃ بمعنی طلب ان یدعو کما کان فی حیاۃ وذالک فیما روی البیھقی من طریق الاعمش عن ابی صالح عن مالک الدار رواہ ابن ابی شیبہ بسند صحیح عن مالک الدار قال اصحاب الناس قحط فی زمان عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فجاء رجل الی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یارسول اللہ استسق اللہ تعالٰی لامتک فانھم قد ھلکوا فاتاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام فقال انت عمر رضی اللہ عنہ فاقرأہ السلام واخبرہ انھم مسقون الخ روی سیف فی الفتوح ان الذی رأی المنام المذکور بلال بن الحارث المزنی احد الصحابۃ رضی اللہ عنہم ومحل الاستشھاد وطلب الاستسقاء منہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو فی البرزخ ودعانہ فی ھذہ الحالۃ غیر ممتنع وعلیہ بسوال من یسألہ قدورد فلامانع من سوال الاستسقاء وغیرہ منہ کما کان فی الدنیا''

(وفاء الوفاء ج ٢ ص ١٣٢١)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کبھی اس معنی میں ہوتا ہے کہ آپ سے دعا طلب کرے جیسا کہ آپ کی حیات میں تھا اور یہ جیسا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے بطریق اعمش عن ابی صالح عن مالک الدار روایت کی ہے اور ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ مالک الدار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ قحط میں مبتلا ہوئے ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس گیا اور اس نے کہا یارسول اللہ، اللہ تعالٰی سے اپنے امتیوں کے لئے بارش طلب فرمائیں وہ ہلاک ہوچکے ہیں تو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے ملاقات کی اور فرمایا کہ تو عمر رضی اللہ عنہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کے پاس جا اور اس کو سلام کہہ اور اس کو خبر دے کہ ان پر بارش نازل کی جائے گی...... علامہ سیف نے اپنی کتاب فتوح میں ذکر کیا ہے کہ جس شخص نے خواب دیکھا تھا وہ حضرت بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ صحابی تھے اور ان سے استدلال یوں ہے کہ آپ برزخ میں تھے کہ آپ سے بارش کی طلب کرنے کی دعا کی التجا کی گئی اور اس حالت میں آپ کا رب تعالیٰ سے دعا کرنا کوئی ممتنع امر نہیں اور سوال کرنے والے کے سوال کے علم کے بارہ میں دلیل وارد ہوئی ہے لہٰذا آپ سے بارش وغیرہ کے طلب کرنے کے سوال میں کوئی مانع نہیں ہے جیسا کہ آپ سے دنیا میں ایسا سوال کیا جاتا تھا۔" حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو امام بیہقی رحمہ اللہ کی پوری سند کے ساتھ نقل کر کے لکھا ہے "وهذا السند صحيح" یہ سند صحیح ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۹۲)

اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں روا ہ ابن شیبه باسناد صحیح من روایة ابی صالح السمان ا ھجری۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۴۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اس واقعہ کا ذکر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کیا اور فرمایا کہ: "فان بلال بن الحارث يزعم ذريه و ذريه فقالوا اصدق بلال رضی اللہ عنہ" کہ بلاشبہ بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ ایسا اور ایسا خیال کرتا ہے تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ سچ کہتا ہے۔ (تاریخ طبری ج ۴ ص ۹۹)

یہ واقعہ حسب روایت امام ابن جریر اور حافظ ابن کثیر ۱۷ ھ کے آخر یا ۱۸ ھ کی ابتداء کا ہے۔ (تاریخ طبری ج ۴ ص ۹۸، البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۹۱) تاریخ ابن خلدون میں ہے کہ یہ واقعہ ۱۸ ھ۔ (ابن خلدون ج ۲ ص ۹۶۹)

معلوم ہوا کہ یہ واقعہ جلیل القدر صحابی حضرت بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۶۰ ھ) کا ہے اور تاریخ طبری اور تاریخ البدایہ والنہایہ میں سند صحیح کے ساتھ مروی ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ بھی ابن ابی شیبہ کی اسناد پر فتح الباری میں صحیح ہونے کا حکم لگا رہے ہیں۔ ابن ابی شیبہ کی اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں۔ علامہ سمہودی رحمہ اللہ بھی اس روایت کو صحیح کہتے ہیں۔ (تفصیل کے لئے تسکین الصدور ص ۳۳۸ ملاحظہ کریں)

صحیح سند کے ساتھ ثابت شدہ اس واقعہ سے ثابت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر استشفاع کیا اور دعا طلب کی اور خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نیز دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تائید اور تصویب اس کو حاصل ہے تو اب استشفاع عند القبر کے جواز و استحباب میں کیا کلام رہ گیا؟

یہ واقعہ اس عمل کے جواز و استحباب پر کافی دلیل ہے اسی لئے فقہاء کرام نے مناسک حج آداب زیارت مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے استشفاع اور طلب دعاء کا بیان کیا ہے۔ یہ مسئلہ تقریباً فقہ کی ہر کتاب میں ملے گا۔ ان میں سے چند کتابوں کی عبارتوں کا حوالہ آگے آرہا ہے۔

اس واقعہ کا تذکرہ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب "تحریرات حدیث" میں اس طرح فرمایا ہے: "وروی البیهقی و ابن ابی شیبه ان بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ جاء الی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال یارسول الله استسق لامتک فانهم هلکوا فاتاه رسول صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام واخبره انهم مسقون" امام بیہقی رحمہ اللہ اور ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے روایت کی ہے کہ حضرت بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر آئے اور فرمایا یارسول اللہ اپنی امت کے لئے بارش طلب فرمائیں۔ کیونکہ وہ ہلاک ہو چکی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو خواب میں ملے اور ان کو خبر دی کہ بارش ہوگی۔ (تحریرات حدیث ص ۲۵۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

واضح رہے کہ اس واقعہ میں علامہ سمہودی رحمہ اللہ کے ارشاد مذکورہ کے موافق محل استشہاد اور بنیاد واستدلال حضرت بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ کا یہ عمل ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر طلب استسقاء اور بارش کے لئے دعا کی درخواست فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں اس پر کسی صحابی کا نکیر نہ کرنا بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس کی تائید اور تصویب کرنا یہ بھی اس عمل کے جواز اور استحباب کی کافی دلیل اور قوی حجت ہے۔ حضرات فقہاء کرام کا اس کو جائز اور مستحب کہنا بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر ہی مبنی ہے جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تائید حاصل تھی۔

غرضیکہ حاضری روضۂ اقدس کے وقت قبر مبارک کے پاس سے شفاعت کی درخواست پیش کرنا بھی اس پر مبنی ہے کہ قبر شریف میں آپ زندہ ہیں اور شفاعت کی درخواست بنفس نفیس آپ خود سنتے ہیں۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۱۲)

ہر مکتب فکر کے علماء عظام اور عامۃ فقہاء کرام کا روضۂ اقدس کی حاضری کے وقت درخواست شفاعت پیش کرنے کی تعلیم دینا اور ہر مسلک کے اکابر علماء کا درباره مناسک حج اپنی معتبر ومستند کتابوں میں اس کو بیان کرتے چلے آنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع عند القبر پر فقہاء کے اجماع کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سماع انبیاء علیہم السلام کو اجماعی مسئلہ قرار دے رہے ہیں اور ارشاد فرما رہے ہیں کہ: ''انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں۔'' (فتاویٰ رشیدیہ)

معلوم ہوا کہ علماء کا جو کچھ اختلاف ہے وہ صرف غیر انبیاء کے سننے میں ہے، محقق علی الاطلاق حافظ ابن الہمام الحنفی رحمہ اللہ آداب زیارت روضۂ اطہر بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ثم یسأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الشفاعة فیقول یا رسول الله اسألک الشفاعة یارسول الله اسألک الشفاعة واتوسل بک الی الله فی ان اموت مسلماً علی ملتک وسنتک ویذکر کل ما کان من قبیل الاستعطاف والرفق'' پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کا سوال کرے پس کہے اے اللہ کے رسول میں آپ سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں یا رسول میں آپ سے شفاعت کی درخواست کرتا ہوں اور آپ کو اللہ تعالیٰ کے یہاں بطور وسیلہ پیش کرتا ہوں آرزو یہ ہے کہ بحالت اسلام آپ کی ملت اور سنت پر مروں اور ہر چیز کا ذکر کرے جو شفقت وترحم کے قبیل سے ہو۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۳۳۸)

نور الایضاح کے جملہ ''الشفاعة'' کی شرح میں علامہ السید احمد طحطاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''ای نطلب منک الشفاعة'' ہم آپ سے شفاعت کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ (طحطاوی ص ۴۰)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ زبدة المناسک میں بھی اسی طرح ارقام فرماتے ہیں: ''پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرے اور شفاعت چاہے، کہے۔''

''یارسول الله اسئلک الشفاعة واتوسل بک الی الله فی ان اموت مسلماً علی ملتک وسنتک'' اے اللہ کے رسول میں آپ سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں اور آپ کو اللہ تعالیٰ کے یہاں بطور وسیلہ پیش کرتا ہوں کہ میں بحالت اسلام آپ کی ملت اور سنت پر مروں۔ (زبدة المناسک)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

غرضیکہ فقہائے امت کے ایسے ارشادات سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک سے شفاعت کی درخواست کرنا جائز اور اس درخواست کرنے نیز سماع عند القبر کے مسئلے پر فقہاء کا اجماع اور اتفاق ہے کسی کو اس میں خلاف نہیں۔

صاحب ''جواہر القرآن'' کا مؤقف اجماع کے خلاف ہے

لیکن مؤلف ''جواہر القرآن'' اجماع امت اور تمام فقہاء کی تصریحات کے خلاف آیت ''ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤک الایۃ'' کے تحت لکھتے ہیں: ''اس آیت کا تعلق حضور ﷺ کے زندگی کے اسی واقعہ سے ہے اور اب آپ کی قبر سے استمداد اور استشفاع جائز نہیں۔'' (تفسیر جواہر القرآن ج: ص ۲۲۷)

حالانکہ اکابر علماء دیوبند بھی اس آیت کے حکم کو عام اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی قبر مبارک پر حاضری کے وقت درخواست شفاعت پیش خدمت اقدس کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔

حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ ''ولو انهم اذ ظلموا انفسهم'' لکھ کر تحریر فرماتے ہیں: ''کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں اور تخصیص ہو تو کیوں کر ہو آپ کا وجود تربیت عام امت کے لئے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جب ہی متصور ہے کہ قبر میں زندہ ہوں۔'' (آب حیات ص ۴۰)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان اپنی معتبر اور مستند تفسیر ''معارف القرآن'' میں لکھتے ہیں: ''یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ اس کے لئے دعائے مغفرت کر دیں اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری جیسے آپ ﷺ کی دنیوی حیات کے زمانے میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضۂ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔'' (تفسیر معارف القرآن ج ۲ ص ۴۵۸)

حضرت شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی بے نظیر کتاب ''اعلاء السنن'' میں ارقام فرماتے ہیں: ''فثبت ان حکم الایۃ باق بعد وفاتہ ﷺ'' پس ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ کا حکم آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔'' (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۰)

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مواہب کے حوالے سے محمد بن حرب ہلالی کے واقعہ کو نقل کرتے ہیں کہ مواہب میں بسند امام ابو منصور اور ابن النجار اور ابن عساکر اور ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ، محمد بن حرب ہلالی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کر کے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کر کے عرض کیا یا خیر الرسل اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد فرمایا ہے ''ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لهم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما'' اور میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوں اور اپنے رب کے حضور میں آپ کے وسیلہ سے شفاعت چاہتا ہوا آیا ہوں پھر دو شعر پڑھے۔ الخ!

پھر اس واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اس محمد بن حرب کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوئی.....غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت نکیر منقول نہیں پس حجت ہو گیا۔'' (نشر الطیب ص ۲۵۴)

ان اکابر کے بیان سے معلوم ہوا کہ قبر مبارک پر حاضر ہو کر شفاعت مغفرت کی درخواست کرنا قرآن

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کریم کی اس آیت کے عموم سے ثابت ہے اور علماء امت نے اس آیت کریمہ سے آنحضرت ﷺ کی زندگی اور بعد از وفات دونوں حالتوں میں عموم سمجھ کر آپ کی قبر مبارک پر اس کو پڑھنا مستحب قرار دیا ہے اور اس آیت کا تعلق حضور ﷺ کی مبارک زندگی ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ جیسا کہ ''مؤلف جواہر القرآن'' نے سب اکابر کے خلاف سمجھ لیا ہے۔ علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''والعلماء فهموا من الأية العموم بحالتي الموت والحيوة واستحبوا لمن اتى القبر ان يتلوها ويستغفر الله الخ'' علماء نے اس آیت کریمہ سے آپ ﷺ کی زندگی اور موت دونوں حالتوں کا عموم سمجھا ہے اور انہوں نے اس کو مستحب قرار دیا ہے کہ جو شخص آپ ﷺ کی قبر مبارک پر جائے وہ اس کو پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۱۱)

بلوغ صلوٰۃ وسلام سے مراد

صلوٰۃ وسلام کے پہنچنے سے مراد یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں فرشتے صلوٰۃ وسلام کی اطلاع دیتے ہیں جیسا کہ احادیث میں آیا ہے: ''ان الله ملائكته سياحين في الارض يبلغوني من امتي السلام'' بے شک اللہ کے فرشتے زمین پر سیاحت کرتے پھرتے ہیں جو میری امت کا سلام مجھ کو پہنچاتے ہیں۔ (مشکوٰۃ ص ۸۶)

اس حدیث کے بارہ میں علامہ عزیزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حديث صحيح'' (السراج المنیر ج ۱ ص ۵۸) یہ حدیث صحیح ہے۔ علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''رواه البزار ورجاله رجال صحيح'' (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴) محدث بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''رواه احمد والنسائي والدارمي وابونعيم والبيهقي والخلعي وابن حبان والحاكم في صحيحها وقال صحيح الاسناد'' (القول البدیع ص ۱۱۵) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی، دارمی رحمۃ اللہ علیہ، ابونعیم، خلعی، ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم نے اس کو روایت کیا ہے اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ صحیح الاسناد ہے اور صرف حاکم رحمۃ اللہ علیہ ہی نہیں بلکہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۴۲۱)

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی فرماتے ہیں: ''نزد احمد رحمۃ اللہ علیہ ونسائی رحمۃ اللہ علیہ ہر آئینہ خدائے را فرشتگانند سیر کنندگان درزمین میرسانند مرا از امت من سلام را وبتواتر رسیدہ ایں معنی الخ۔'' احمد رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے زمین پر سیر کرتے ہیں اور مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں اور یہ مضمون تو تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔'' (فتاویٰ عزیزی ج ۲ ص ۶۹)

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو امت کا سلام پہنچنا تواتر سے ثابت ہے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''سلام زائراں رابنفس شریف بواسطہ سماع کند ورد سلام کند وبر دیگراں بواسطہ ملائکہ سیاحین بود چنانکہ از حدیث ابی ہریرہ در فصل ثالث ظاہر میگردد۔'' سلام زیارت کرنے والوں کا بے واسطہ ملائکہ کے سنتے ہیں اور اوروں کا بواسطہ ملائکہ کے جیسا کہ حدیث ابوہریرہ سے کہ تیسری فصل میں ہے ظاہر ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۴۰۷)

پہلے گزر چکا ہے کہ: ''مظاہر حق کا یہ ترجمہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا تصدیق شدہ ہے۔'' اس سے واضح ہے کہ حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ زیارت کرنے والوں کا سلام بے بواسطہ ملائکہ کے خود سنتے ہیں۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

علامہ مناوی رحمہ اللہ حدیث: ''من صلّی علیَّ نائیاً ابلغته'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''ای اخبرت به من احد من الملائکة'' یعنی فرشتے کے ذریعے مجھے اس کی خبر دی جاتی ہے۔ (فیض القدیر ج۶ ص ۱۷۰)

علامہ طحطاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''(قوله وتبلغ الیه) ای یبلغ الملک الیه اذا کان المصلّی بعیداً'' یعنی فرشتہ پہنچاتا ہے جب کہ درود پڑھنے والا دور ہو۔ (طحطاوی ص ۳۴۸)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ حدیث ابوداؤد شریف ''حتی ارد علیہ السلام'' کی شرح میں علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں: ''ای اقول وعلیک السلام'' یعنی میں کہوں گا وعلیک السلام۔
(بذل المجہود ج ۳ ص ۲۰۷)

اور براہین قاطعہ میں فرماتے ہیں: ''صلوٰۃ وسلام ملائکہ پہنچاتے ہیں۔'' (براہین ص ۲۰۰)

مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج کل صلوٰۃ وسلام بذریعہ فرشتوں کے پہنچنے کا بھی انکار کیا جارہا ہے اور اس کی مراد یہ بتلائی جارہی ہے کہ: ''صلوٰۃ وسلام کا ثواب آپ ﷺ کو پہنچ جاتا ہے۔'' جیسا کہ شفاء الصدور کے مؤلف اور اس کے مترجم نے لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''ثم اعلم ان المراد ببلوغ الصلوٰۃ والسلام انما ھو بلوغ ثوابه وھو یعم لکل متوفی عندنا اھل السنة والجماعة خلافاً للمعتزلة'' باقی رہا سلام درود کا بلوغ سو اس سے مراد ثواب ہے جو ہر وفات شدہ کو ملتا ہے عندنا اہلسنت والجماعت۔ (شفاء الصدور ص ۴۴)

بلوغ صلوٰۃ وسلام کی یہ مراد بتلانا شارحین احادیث اور فقہاء امت کے فیصلوں کے خلاف ہونے کے ساتھ خود ان احادیث صحیحہ کے بھی خلاف ہے جن میں سلام امت کے پہنچانے کے لئے فرشتوں کی جماعت کے تقرر کی خبر دی گئی ہے۔ اگر صلوٰۃ وسلام کے پہنچنے سے ''ثواب کا پہنچنا مراد ہوتا جو ہر وفات شدہ کو ملتا ہے'' تو اس کے لئے نہ تو فرشتوں کے تقرر کی ضرورت تھی اور نہ ہی عام مسلمانوں کی نسبت سے ان میں کوئی خصوصیت اور فضیلت آنحضرت ﷺ کی باقی رہتی ہے۔

اب اگر کوئی شخص سلف صالحین اور اجماع فقہاء کے مقابلہ میں اپنی ذاتی رائے پر اصرار کرتا اور اسی کو حرف آخر سمجھتا ہے تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اسلام اور اکابر امت سے کٹ جانے کے بعد اپنی ذہنی اختراع وایجاد پر اپنے عقیدہ اور عمل کی بنیاد قائم کررہا ہے اور اجماع سلف کے خلاف ایک نیا مسلک بنارہا ہے۔ سلف صالح کے عمل میں اس کے لئے کوئی نمونہ اور اسوہ نہیں مل سکتا۔ کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ سلف میں سے کسی نے بھی سماع عند قبر النبی ﷺ کا انکار نہیں کیا اور نہ ہی کسی نے فرشتوں کے ذریعے درود وسلام کے پہنچنے کا انکار کیا ہے، بلکہ سب سلف صالح قریب سے صلوٰۃ وسلام کے سماع اور دور سے بذریعہ ملائکہ پہنچائے جانے کے معتقد اور قائل رہے ہیں اور یہی حق ہے اور یہی صواب ہے۔

''والحق احق ان یتبع فماذا بعد الحق الا الضلال''

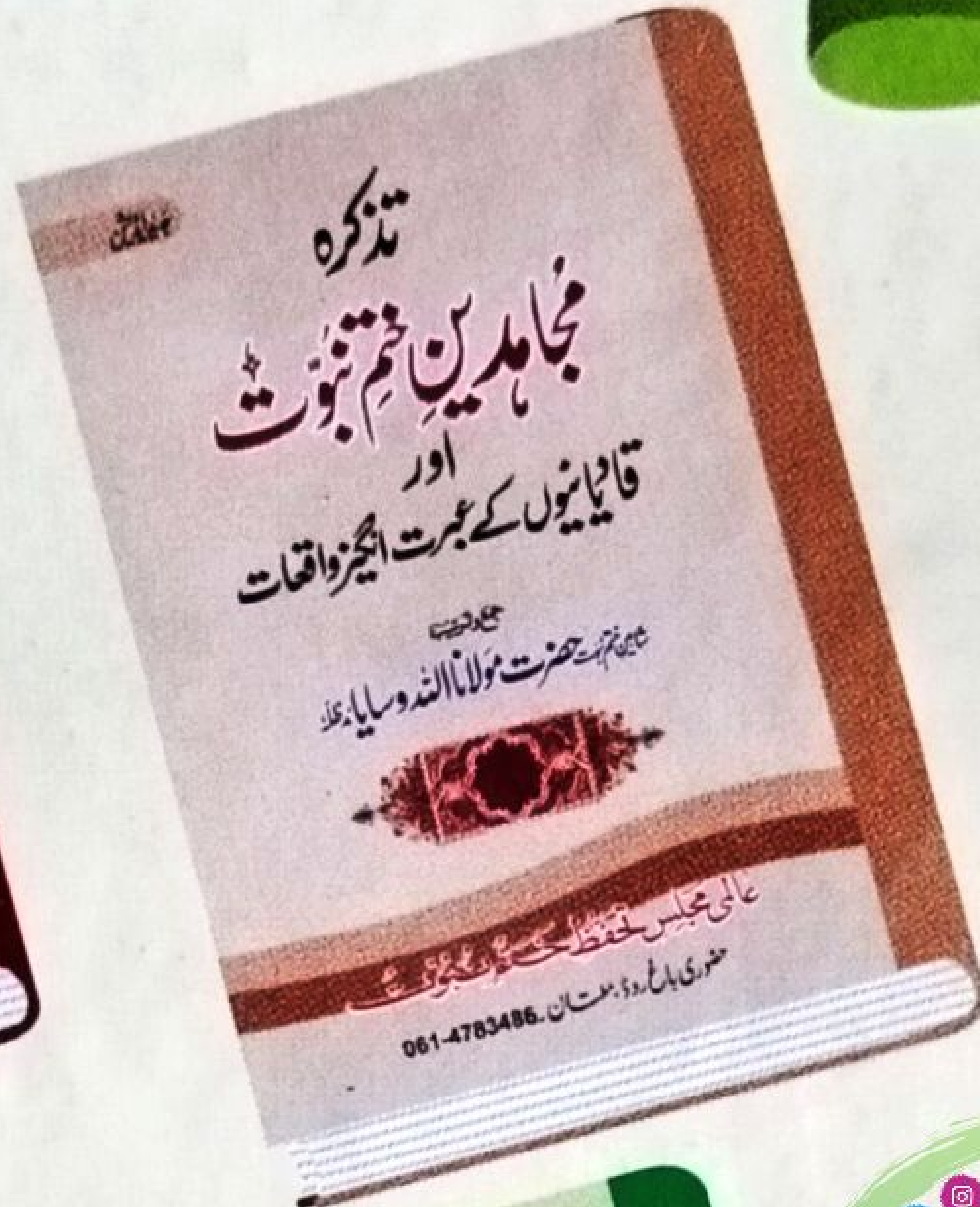
اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلاف کرام کی اتباع میں ہمیشہ حق پر قائم رکھیں۔ آمین!

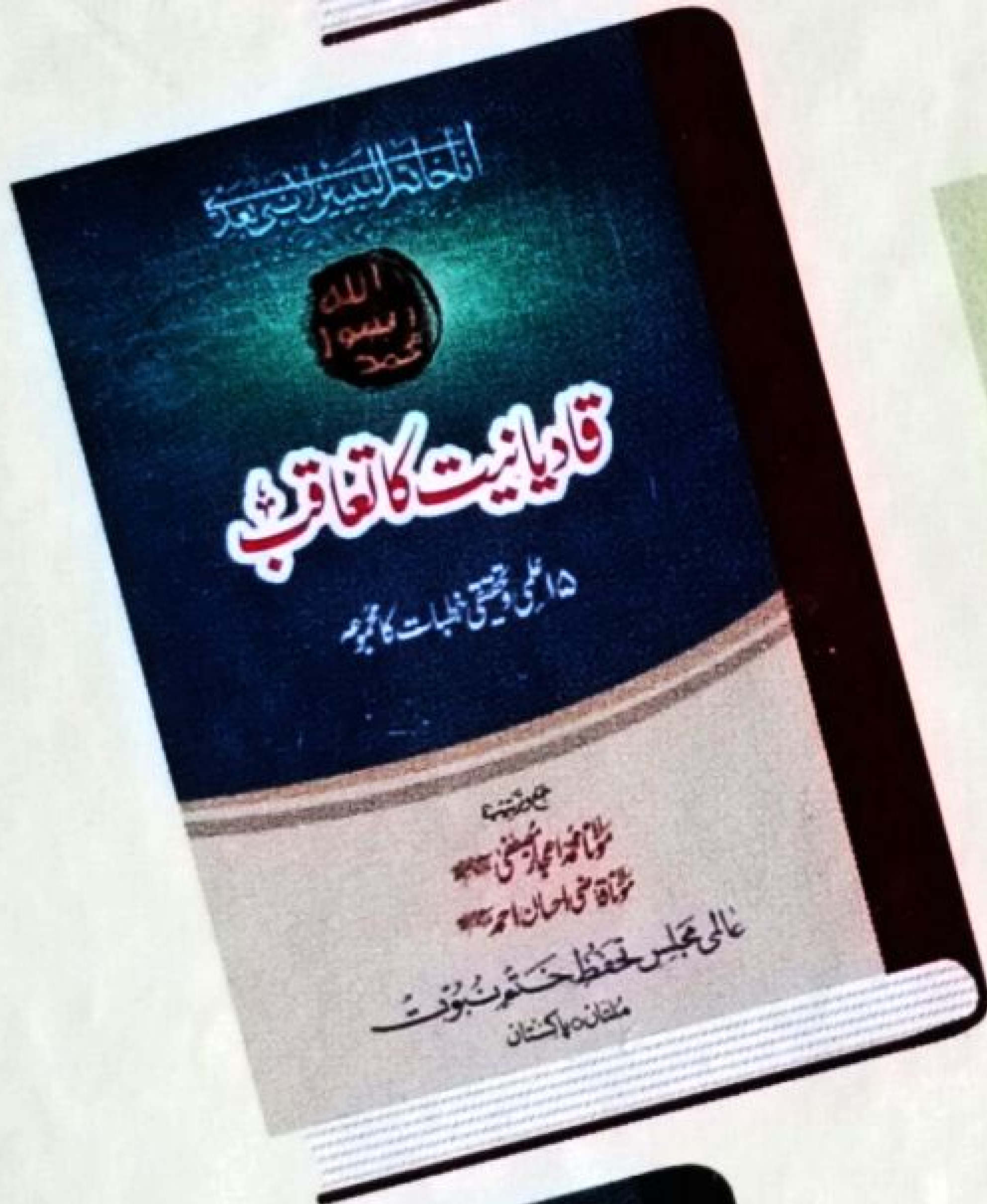
قد وقع الفراغ عن تحریر ھذہ العجالہ وتبییض ھذہ المقالة یوم الجمعة وقت الاشراق اوّل یوم من شھر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مطبوعات عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

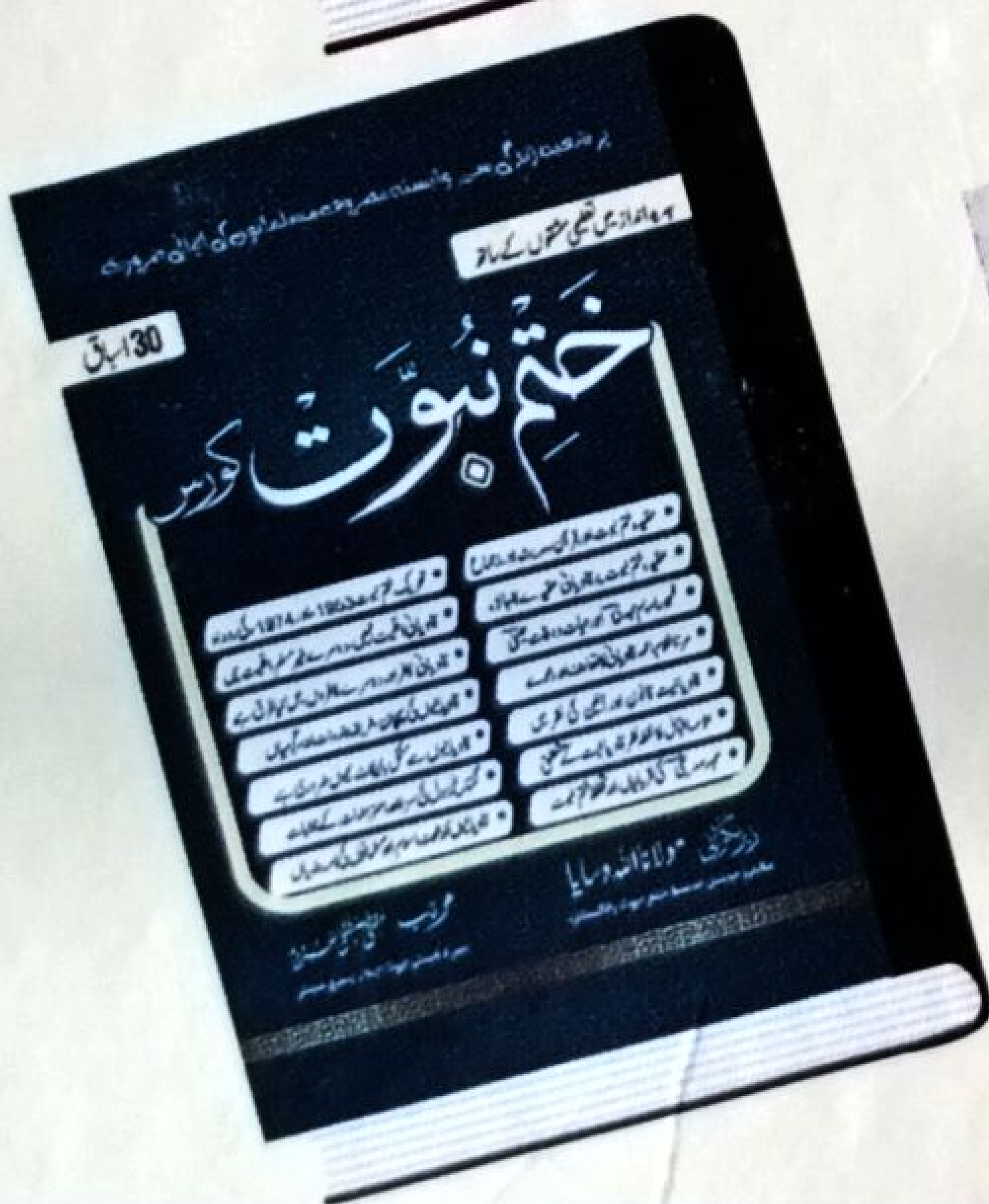














www.amtkn.com, www.laulak.info, www.khatm-e-nubuwwat.info,
www.khatm-e-nubuwwat.com, ameer@khatm-e-nubuwwat.com

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1